بدنام

ناول

رئیس احمد جعفری

ماہ اگست سنہ ۱۹۵۹ء

قیمت :- چھ روپے بارہ آنے

ناشر

نیو تاج آفس پوسٹ بکس ۱۷۴۹ دہلی

افتادگی میں بھی مجھے معراج ہی نصیب
ٹھوکر بھی کھائی ہے تو محبت کی راہ میں

کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا ماجرا ہے۔ اس نے میری محبت قبول کی، لیکن مجھے قبول نہ کر سکی۔ اس نے مجھے چاہا لیکن اس کی چاہت میرا وجود نہ برداشت کر سکی ۔۔۔ یا اللہ یہ کیسی محبت ہے؟ کیا محبت اتنی ظالم اور سفاک بھی ہو سکتی ہے؟

نہیں، میں غلط سمجھا، میں نے دھوکا کھایا، میں عورت کے فریب میں آ گیا، وہ مجھ سے محبت نہیں کرتی تھی، شاید وہ کبھی بھی مجھ سے محبت نہ کر سکی، اس کی ساری فلسفہ طرازیاں، اور کردار و سیرت کی انتہائی بلند چوٹی پر کھڑے ہو کر پند و اخلاق و نظارہ محض ایک ڈھونگ تھا وہ مجھ سے کھیلتی تھی، وہ میری محبت کا مذاق اڑاتی تھی وہ۔ مجھے اس قابل نہیں سمجھتی تھی کہ میری محبت کا جواب محبت سے دے سکے۔ وہ آپا کی زیر بار احسان تھی، آپا کے بھائی کو یعنی مجھے صاف جواب نہ دے سکی۔ کھلے بندوں نہ ٹھکرا سکی اس نے مروت سے کام لیا باتیں بنائیں اور چپ چاپ بوئے گل کی طرح اس گھر سے نکل گئی۔

اگر وہ اس طرح نہ جاتی آدمیت اور بھلمنساہت کے ساتھ رخصت ہوتی، تو کیا میں زبردستی اسے روک لیتا؟ کیا میں اس پر جبر کر سکتا تھا؟ کیا وہ میری باندی تھی کہ میرے حکم سے سرتابی نہ کر سکتی؟ شرافت کا تقاضا تو یہی تھا کہ صاف صاف کہہ دیتی کہ جناب معاف کیجئے میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں، آپ سے نہیں کر سکتی اپنی رقم اپنے پاس رکھئے اور مجھے رخت سفر باندھنے دیجئے، ممکن تھا یہ اعلان سن کر میری حرکت قلب بند ہو جاتی، میں جان سے گزر جاتا، لیکن میں ہرگز روکنے کی کوشش نہ کرتا چلا جانے دیتا اسے، لیکن اس نے یہ صاف طرز عمل نہیں اختیار کیا، مجھ سے اقرار کیا کہ آپ سے محبت کرتی ہوں، آپ ہی میرے دل کے مالک ہیں، پھر وعدہ کیا کہ ہاں اب آخری فیصلہ کرنے کا، یعنی دو دلوں کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک ہو جانے کا وقت آ گیا ہے، پھر اعلان کیا کہ کل صبح میں اپنا فیصلہ سنا دوں گی، یعنی شادی کی تاریخ مقرر ہو جائے گی لیکن صبح کیا ہوا؟ شائستہ صاحبہ کا نامہ ملا، میری محبت میری بھلائی، میری خیر خواہی میری دوستی کا ان پر ایسا جنون خیز دورہ پڑا کہ وہ مجھے داغ مفارقت دینے پر مجبور ہو گئیں ۔۔۔ اے عورت تو صرف مکر ہے، فریب و دھوکا۔

(۱)

انجم پر ایک عجیب کیفیت طاری تھی، اس کے ہوش و حواس گم تھے اس کی روح غم سے تحلیل ہوئی جا رہی تھی۔ وہ ساحل مراد تک پہنچا لیکن مراد نہ حاصل کر سکا وہ منزل مقصود تک پہنچا، لیکن مقصود نہ پا سکا۔ اس نے سوچا تھا شائستہ میری ہے، میرے نالۂ نیم شب اور آہ سحر گاہی نے اس کا دل موم کر دیا ہے، وہ میری بن چکی ہے لیکن جب آنکھ کھلی تو شائستہ غائب تھی ۔۔۔ دور، بہت دور، نہ جانے کہاں؟

یہ گھر انجم کو کاٹے کھا رہا تھا، یہ وہی گھر تو ہے جہاں شائستہ کے جمال جہاں آرا کا وہ نظارہ کیا کرتا تھا۔ اس کی فضاؤں میں اس کی رس بھری اور شیریں آواز گونجا کرتی تھی۔ اس کے صبح و شام اس کی رعنائیوں اور محشر سامانیوں کے آئینہ دار تھے وہی گھر ہے وہی فضائیں ہیں وہی صبح و شام ۔ لیکن شائستہ نہیں ہے۔

وہ کہاں گئی؟

کیوں چلی گئی؟

کیا اس نے خودکشی کر لی۔

شائستہ، انجم کے گھر سے نکلی، اور چلی گئی کہاں؟ یہ کسی کو معلوم نہیں تھا، پھر بھی اس کی تلاش سرگرمی کے ساتھ ہو رہی تھی، انجم پر خواب و خور حرام ہو گیا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر رخسانہ پریشان ہو گئی! اسے شائستہ کے چلے جانے کا غم تھا، افسوس تھا، جب سے اس کا بلند کردار سامنے آیا تھا وہ اس کی عزت کرنے لگی تھی، لیکن ایک قسم کا ہلکا ہلکا تکلف بھی محسوس کرتی تھی، یہ وہی شائستہ تو تھی جس کے وجود نے اس کی زندگی تلخ کر دی تھی، جس کے رنگ و روپ کی کافرما جرائی اور سحر طرازی نے اس کے محبوب اور چہیتے شوہر انجم کو چھین لینے کی کوشش کی تھی جس کے باعث وہ اس گھر کو قید خانہ سمجھنے لگی تھی، پھر اب کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس گھر سے رخصت ہو چکی تھی، کیونکر اس کا حرمان نصیب دل خوشی کے جھولے نہ جھولتا؟ کیونکر اس کے مسرت نا آشنا دل میں خوشی اپنا ڈیرا نہ ڈالتی؟ اسے افسوس تھا، شائستہ کے اس بے کسی کے ساتھ چلے جانے پر اس کا دل کراہ رہا تھا، پھر بھی وہ خوش تھی بہت خوش، اس کی چھنی ہوئی مسرت واپس مل گئی تھی، اس کی لٹی ہوئی دولت پھر جھولی میں آ گری تھی، زندگی کا غارت شدہ سکون پھر سے اس نے پا لیا، زندگی کی جس پونجی پر ایک مسافر شائستہ، نے قبضہ کر لیا تھا، وہ اس گھر سے اس کے جاتے ہی پھر اس کے قبضے میں آ گئی تھی، اب انجم اس کا تھا، بلا شرکت غیرے اس کا نہ اس کا کوئی حریف تھا نہ رقیب، نہ نکتہ چیں نہ محتسب، نہ نگراں، اب وہ تھی، انجم تھا اور اس گھر کی بادشاہت تھی، وہ اپنے حال میں مگن تھی، بہت خوش، بہت مسرور آتے ہوئے دور سے بے خبر مستقبل کے اندیشہ سے بے پروا!

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

شائستہ کی میز پر، میاں بیوی یعنی انجم اور رخسانہ آمنے سامنے بیٹھے تھے رخسانہ کا چہرہ پھول کی طرح کھلا ہوا تھا، شادابی اور رعنائی پھٹی پڑتی تھی انجم خاموش تھا، اس کی بوجھل آنکھیں بھی چوری کو ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ رات بھر جاگا ہے۔ شاید ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں سو سکا۔ رخسانہ نے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"شاید کچھ سوچ رہے ہیں آپ — کوئی خاص بات؟"

"نہیں"

یہ مختصر سا جواب سنکر رخسانہ چونک پڑی، اس نے غور سے انجم کے چہرہ کا جائزہ لیا اور یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی کہ انجم کا مزاج برہم ہے، لیکن کیوں؟

وہ سوچنے لگی، کیا اطمینان و مسرت، نشاط و عافیت، سکون و طرب کا دور اتنا مختصر تھا کہ ہوا کے جھونکے کی طرح آیا اور گذر گیا، کیا موسم بہار کی جاں پرور اور روح افزا کیفیتیں اتنی مختصر ہوتی ہیں کہ انھیں جاتے دیر نہیں لگتی؟ کیا وہ خواب جو شائستہ کے جاتے ہوئے میں دیکھ رہی ہوں بے تعبیر ہی رہے گا اس کے جانے کے بعد بھی انجم میرا نہ بن سکے گا؟

یہ سوچتے سوچتے اس کے چہرے پر برہمی، انقباض اور جھنجلاہٹ کی کیفیت طاری ہو گئی، اس میں حسن یا عیب جو کچھ تھا وہ یہی کہ وہ اپنی کیفیت پر پردہ نہیں ڈال سکتی تھی، اپنی نفرت یا محبت کو ایک لمحے کے لئے بھی وہ نہیں چھپا سکتی تھی، بہت جلد غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتی تھی اور طنز کے تیر چلانے لگتی تھی، چنانچہ انجم کے اس جواب سے چڑ کر اس نے کہا۔

"شاید کوئی یاد آ رہا ہے آپ کو؟"

انجم یہ وار نہ سہہ سکا، اس نے تیوری چڑھا کر رخسانہ کو دیکھا اور پوچھا۔

"کیا مطلب؟"

رخسانہ کے پاس جواب پہلے سے تیار تھا۔

"شاید شائستہ کی یاد چٹکیاں لے رہی ہے آپ کے دل میں؟"

انجم کا چہرہ غصہ سے تمتما گیا، اس کے کان کی لویں سرخ ہو گئیں، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا جواب نہیں دیا۔ چائے کا ایک گھونٹ لیا اور آہستہ آہستہ حلق سے اتارنے لگا۔

رخسانہ نے انجم کی خاموشی کو اپنی شکست پر محمول کیا، اس نے سوچا شاید شکار پر وار اوچھا پڑا اور وہ بچ گیا، اس نے پھر سے تیر کمان میں رکھا اور اللہ کا نام لیکر چھوڑ دیا۔

لیکن سوال یہ ہے کہ میں نے تو شائستہ بیگم کو جانے پر مجبور نہیں کیا، وہ خود اپنی مرضی سے بوریہ بستر باندھ کر تشریف لے گئیں تو میں کیا کروں؟

انجم نے بہت آہستگی کے ساتھ کہا۔

"کچھ نہیں، میں نے تم سے کب کچھ کرنے کو کہہ رہا ہوں؟"

رخسانہ بولی۔

"تو پھر مرحومہ کا یہ سوگ کب تک آپ مناتے رہیں گے؟"

انجم نے پیالی اپنے سامنے سے ہٹا دی اور ذرا خشک لہجہ میں کہا۔

"رخسانہ ایسی باتیں نہ کرو۔"

وہ بولی،

"پھر کیسی باتیں کروں؟"

انجم نے کہا۔

"اگر ایسی ہی باتیں کرنے پر مجبور ہو تو خاموش رہو۔"

رخسانہ چپ ہو گئی۔

میں اپنی زبان بند ہی نہیں گوارا کر سکتی!"

انجم نے صلح کا فارمولا پیش کر دیا۔

"اچھا میں اپنی زبان بند کیے لیتا ہوں!"

لیکن رخسانہ کا پارہ بدستور چڑھا ہوا تھا۔

"میرا دل شائستہ کی طرف سے صاف ہو گیا تھا لیکن اب پھر میرے دل میں اس کے خلاف نفرت کا طوفان اٹھ رہا ہے۔"

انجم نے پوچھا۔

"کیوں یہ طوفان کیوں اٹھ رہا ہے آخر؟"

رخسانہ نے بتایا۔

"وہ چلی گئی، میرا خیال تھا، تنہا گئی ہے لیکن اب میں محسوس کر رہی ہوں وہ تنہا نہیں گئی ہے اپنے ساتھ ——"

انجم بیچ میں بول پڑا۔

"کچھ لے بھی گئی ہے؟"

رخسانہ نے بات پوری کر دی۔

"جی ہاں —— وہ تنہا نہیں گئی ہے، اپنے ساتھ آپ کو بھی لیتی گئی ہے ——!"

انجم کے ہونٹوں پر خفیف سا تبسم نمودار ہوا۔

"لیکن میں تو تمہارے سامنے بیٹھا ہوں۔ آخر کیوں اس قدر جلد غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتی ہو تم؟ رخسانہ آدمی بنو، اگر میری نہیں بن سکیں تو اپنی بنو۔ تو اگر میرا نہیں بنتا تو بن اپنا تو بن!"

رخسانہ کی آواز بلند ہو گئی وہ کہنے لگی۔

"اب آپ مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں، آپ کیا کریں گے میرا؟"

انجم نے متانت کے ساتھ کہا۔

"کچھ نہیں میرا خیال ہے۔"

رخسانہ قطع کلام کرتے ہوئے بولی۔

"معاف کیجیے، میں آپ کا خیال نہیں معلوم کرنا چاہتی، میرا خیال صحیح ہے درست ہے، آپ کو اپنی روش بدلنی پڑے گی، اس گھر میں یا میں رہوں گی یا شائستہ کی یاد، ہم دونوں ایک ساتھ نہیں رہ سکتے، آپ کو چاہیے کہ ہم میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیں۔"

"یہ اکھڑی اکھڑی باتیں سنکر انجم نے قدرے تلخی کے ساتھ کہا۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے رخسانہ، کیوں ایسی بے تکی باتیں کر کے مجھے پریشان کر رہی ہو؟ کیا لطف آتا ہے تمہیں مجھے ستانے اور کڑھانے میں؟"

لیکن رخسانہ تو اس وقت جہاد پر تلی ہوئی تھی اس کے لب ولہجہ اور شک و شبہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔

"اگر میں غلط کہتی ہوں، اگر میں جھوٹی ہوں تو بتائیے جب سے شائستہ گئی ہے آپ کا منہ کیوں پھولا ہوا ہے؟ آپ چپ کیوں ہیں؟ آپ کے چہرے پر غم کی گھٹائیں کیوں چھائی ہوئی ہیں۔ آپ مسکراتے کیوں نہیں؟ ہنستے کیوں نہیں؟ قہقہے کیوں نہیں لگاتے میری آپ کی باچھیں بھی کیوں نہیں کھلی جا رہی ہیں؟ میری طرح آپ بھی سراپا نشاط و طرب کیوں نہیں نظر آ رہے ہیں؟ میری طرح آپ پر رونق اور شادابی کا جلوہ کیوں نہیں نظر آتا؟ ذرا آئینہ اٹھائیے اور دیکھئے اپنی طرف — یہ کیا ہے؟ یہ کیوں ہے؟ جب میں موجود ہوں تو یہ سوگ کیوں یہ غم کس لیے؟ میں آپ کی بیوی ہوں جسے بڑے چاؤ سے آپ کی آپا بیاہ کر لائی تھیں، لیکن اس گھر میں میری حیثیت کیا ہے؟"

انجم نے جواب دیا۔

"وہی جو ایک گھر میں کسی مالکہ کی ہوتی ہے۔"

رخسانہ: غلط۔

انجم: پھر۔

رخسانہ: میری حیثیت ایک ناخواندہ مہمان کی ہے جس کا وجود عالی ظرف لوگ برداشت تو کر لیتے ہیں لیکن دل ہی دل میں جلتے اور کڑھتے اور چڑھتے رہتے ہیں

انجم: یہ غلط ہے رخسانہ۔

رخسانہ: آپ سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید کہہ دیں تو کیا واقعی حقیقت بدل جائے گی آپ کے کہنے سے؟

انجم: میں تمہارے کسی معاملے میں دخل نہیں دیتا، تم مجھے کیوں چھیڑتی رہتی ہو؟"

رخسانہ: کاش آپ دخل دیتے، پھر میری خوشی کی کوئی انتہا نہ ہوتی، آپ کی یہ خاموشی یہ بیگانگی، یہ روش، میری جان لے لیتی ہے، میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب پھر کہتی ہوں کہ مارے باندھے کے سودے کی میں قائل نہیں، اگر آپ اپنی روش نہیں بدلیں گے تو آپ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش، آپ اگر رئیس اعظم ہیں تو خدا کا شکر ہے۔ میں بھی کنگلی نہیں ہوں"

انجم نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ مختار صاحب سامنے آکر دست بستہ کھڑے ہو گئے!

انجم نے نظر اوپر اٹھائی، مختار صاحب کے سراپا کا جائزہ لیا، پھر پوچھا۔

"ارشاد"

مختار صاحب نے کن انکھیوں سے رخسانہ کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔

"ایک صاحب آپ سے ملنے آئے ہیں"

"کون صاحب؟"

"نام تو میں نہیں جانتا" — انجم نے کہا: "نام نہیں پوچھا۔"

"میں نے پہلے ہی پوچھا تھا، مگر انھوں نے نہیں بتایا"

"تو کہہ دیجیے، میں نہیں مل سکتا تشریف لے جائیں۔"

مختار صاحب چلے گئے اور ذرا دیر بعد گھبرائے ہوئے واپس آئے، انجم نے اس دفعہ انھیں گھور کر دیکھا۔

"کوئی نئی خبر"

مختار صاحب خاموش رہے، انجم نے سوال کیا۔

"وہ صاحب تشریف لے گئے؟"

اب مختار صاحب کی زبان نے جنبش کی۔

"جی نہیں وہ نہیں جاتے"

"کیا کہتے ہیں"

"کہتے ہیں ـــ"

"بتائیے کیا کہتے ہیں؟"

بڑی بے بسی کے ساتھ مختار صاحب نے فرمایا۔

"میں کس طرح بتاؤں سرکار؟"

انجم کو حیرت ہوئی۔

"آپ اتنے سہمے ہوئے کیوں ہیں؟ کیا ان کے ہاتھ میں پستول یا خنجر ہے؟

"جی نہیں"

"پھر اس دہشت کا سبب؟"

"بڑے بدتمیز معلوم ہوتے ہیں"

"گالیاں بک رہے ہیں؟"

"جی یہی سمجھ لیجئے!"

"میں کیوں سمجھ لوں، آپ بتائیے کیا کہا ہے انھوں نے؟"

سرکار وہ کہتے ہیں، انجم سے کہہ دو اگر خیریت چاہتے ہو تو فوراً باہر آؤ، ورنہ میں اندر آتا ہوں، میں نے کہا اندر زنانہ ہے آپ اندر کیسے جائیں گے؟ بگڑ گئے، کہنے لگے کیا انجم بھی زنانہ ہے جو گھر میں گھسا بیٹھا ہے اسے کھینچ کر لائیے ورنہ اچھا نہ ہوگا میں بڑا

بے ڈھب آدمی ہوں، ادھر آپ کے بڑھاپے پر ترس کھاؤں گا نہ انجم کی بھرپور جوانی پر ترس آئے گا، مجھے کہہ دینا میں تیس مار خاں ہوں۔

انجم نے جھوٹ موٹ بگڑتے ہوئے پوچھا۔

"اور آپ نے بڑی سعادت مندی کے ساتھ یہ کڑوی کسیلی باتیں سن لیں آپ تو تبوٹ کے ماہر ہیں۔ وہ چار ہاتھ دکھائے ہوتے ان نواب صاحب کو، —— معلوم ہو گیا آپ بھی بس باتیں ہی بنانا جانتے ہیں، خیر چلئے میں چلتا ہوں ـــ"

مختار صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے رکتے رکتے کہا۔

"لیکن... لیکن"

انجم نے پوچھا۔

"لیکن کیا؟ کوئی اور بات؟"

مختار صاحب نے فرمایا۔

"جی ہاں، وہ کہہ رہے تھے میں ناشتہ بھی کروں گا"

انجم اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا۔

"کون شخص ہے یہ"

مختار صاحب نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کون شخص ہے یہ، میں نے تو زندگی بھر ایسا کرّا آدمی دیکھا نہیں وہ اکڑ، وہ دم خم، وہ شان ظاہر فرما رہے ہیں جیسے ساری دنیا ان کی دبیل ہے فرمائشیں ایسی جیسے یہ گھر سرکار کا نہیں، انھیں حضرت کا ہے۔

انجم نے پھر استفسار کیا۔

"فرمائش؟ فرمائشیں؟"

مختار صاحب بولے۔

جی سرکار، فرما رہے ہیں کہ کم از کم ایک درجن انڈے ہوں پاؤ بھر بالائی، تلی ہوئی مچھلی کے کم از کم چار ٹکڑے ـــ پھر،

"پھر کیا؟"

"دوپہر کے کھانے میں بھنا ہوا گوشت، شامی کباب، پلاؤ، بھنی ہوئی مونگ کی دال، مٹر، آلو، کلیجی گردے، اور

"اور؟ ابھی کچھ اور بھی باقی ہے؟"

جی فرماتے ہیں، سہ پہر کی چائے کے ساتھ میٹھی ضرور ہونی چاہئے اور رات کے کھانے پر وہ تمام چیزیں ہونی چاہئیں جو دن میں ہوں گی، علاوہ ازیں شاہی ٹکڑے ضرور ہوں۔"

انجم نے اٹھتے ہوئے کہا۔

زیارت کے قابل آدمی معلوم ہوتے ہیں، آئیے چلئے ــــ ناشتے کے لئے کہہ دیجئے۔

انجم چلا گیا، مختار صاحب اسی جگہ میں کھڑے رہ گئے کہ ناشتے کے لئے کس سے کہیں؟ رخسانہ بیگم سے یا خانساماں سے؟ خانساماں ذرا تیکھے مزاج کا آدمی تھا، ویسے ہی کھری کھری سنایا کرتا تھا، اس سے کہنا، بھڑ کے چھتے میں ہاتھ لگانا تھا، رہی رخسانہ تو اس کے چہرے پر بھی اس وقت جلال برس رہا تھا، کہنا چاہا، لیکن ہمت نے ساتھ نہ دیا، الفاظ زبان سے باہر نہ آسکے۔ وہ اسی طرح چکر میں کھڑے تھے کہ رخسانہ کی آواز کان میں آئی۔

"آخر آپ کھڑے کیوں ہیں؟"

مختار صاحب سنبھل کر کھڑے ہوگئے۔

"جاتا ہوں، لیکن ناشتہ ــــ؟"

رخسانہ نے انجان بنتے ہوئے کہا،

کیا آپ نے ناشتہ نہیں کیا اب تک؟"

کہنے لگے۔

"میں اپنے لئے نہیں کہتا۔ وہ صاحب جو آئے ہیں ان کے لئے۔ سرکار کہہ تو گئے ہیں ابھی آپ کے سامنے!"

"کیا مجھ سے؟ ــــ میں ناشتہ تیار کروں گی؟"

مختار صاحب نے کہا۔

لاحول ولا قوۃ، کس کی مجال ہے جو ایسی بات زبان پر لائے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ خانساماں سے کہہ دوں؟"

بے پروائی اور بے تعلقی کے ساتھ رخسانہ بولی۔

"میں نہیں جانتی!"

مختار صاحب نے بے بسی کے ساتھ کہا،

"لیکن وہ میری مانے گا تو نہیں، ایک ہی نقرا ہے!"

رخسانہ اپنے کمرے میں جانے کے لئے کھڑی ہوگئی

تو خود تیار کر لیجئے، سنا ہے آپ بھی بڑے مرغن سولا ہیں، شاہی کھانے تک پکانا آتے ہیں آپ کو!"

مختار صاحب کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔

"بھیا کی باتیں، سرکار (انجم) مذاق میں کہہ گئے ہوں گے!"

رخسانہ کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"آپ کے سرکار مجھ سے مذاق نہیں کر سکتے!"

مختار صاحب سہم گئے۔

"میرا مطلب ــــ"

رخسانہ نے کہا۔

"اپنا مطلب اپنے ہی تک رکھئے، میں غیر ضروری اور لایعنی باتیں سننے کی عادی نہیں ہوں!"

یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی، جب تک وہ آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوگئی مختار صاحب ساکت و صامت کھڑے رہے پھر تیر کی طرح باورچی خانے میں پہنچے ــــ خانساماں نہایت اطمینان سے میٹھا ناشتہ کر رہا تھا، مختار صاحب نے پہلے اس پر تبسم کی بجلیاں گرا دیں، پھر نہایت نرم لہجے میں کہا۔

"کیوں استاد اکیلے ہی ترمال۔"

خانساماں کے سامنے واقعی ترمال (انڈا، پراٹھا، مکھن، جیلی، کریم) سب کچھ تھا وہ گھبرا گیا۔ مختار صاحب نے اس کی دکھتی رگ پکڑ لی تھی۔ نہایت اطمینان سے فرمایا۔

"باہر ناشتہ جائے گا ابھی۔"

خانساماں نے پوچھا۔

"اسی وقت۔"

مختار صاحب کا ڈر نکل چکا تھا دلیری کے ساتھ بولے۔

"تو اور کیا بارہ بجے رات کو۔"

کوئی اور وقت ہوتا تو خانساماں ایک کی دس دس سناتا لیکن اس وقت موقع وقت مصلحت یہی تھی کہ انتقام کا خیال اور وقت کے لئے اٹھا رکھا جائے بڑی ملائمیت کے ساتھ نرم لہجے میں پوچھا۔

"کتنے آدمیوں کا ناشتہ بنے گا۔"

مختار صاحب نے فرمایا۔

"دس آدمیوں کا۔"

خانساماں نے حیرت سے مختار صاحب کی طرف دیکھا۔

"دس آدمیوں کا؟ اتنے آدمی کہاں سے ٹپک پڑے اس وقت یہ مہمان بھی عجیب لوگ ہوتے ہیں نہ وقت دیکھیں نہ وقت، صبح سے اٹھتا ہوں رات کے دس بجے تک آرام نہیں ملتا۔"

مختار صاحب کا دل یہ داستان درد سن کر پسیج گیا ہمدردی جتا کر کہنے لگے

"ارے میاں کیا پوچھتے ہو مفت خور لوگ اسی طرح مزے کرتے ہیں جتنا چاہو کھاؤ، ہم تم حساب کرنے والے کون؟"

خانساماں اس دلیل سے قائل ہو گیا۔

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن مختار صاحب ذرا انصاف کرو آدمی ہوں مشین تو نہیں ہوں، دو ہاتھوں کے بجائے چار ہاتھ کہاں سے پیدا کروں۔"

اتنے میں نعیم دوڑتا ہوا آیا۔ یہ گھر کے روبراری کے کام کرنے والا چھوکرا تھا۔

"سرکار پوچھ رہے ہیں ناشتہ تیار ہو گیا؟"

خانساماں نے جواب دیا۔

"کہہ دینا تیار ہو رہا ہے، ابھی لیکر آتا ہوں۔"

آگے آگے نعیم پیچھے پیچھے مختار صاحب باہر چلے گئے۔

انجم باہر پہنچا، ایک خوش رو، خوش اندام، خوش قطع، خوش لباس شخص نظر آیا۔ انجم اسے دیکھتے ہی بولا۔

"آہا! نیاز۔"

یہ کہہ کر لپکا، نیاز بھی آگے بڑھا۔ دونوں بڑے جوش و خروش سے بغل گیر ہوئے انجم نے اسے ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

"تم ہو۔۔ میں سمجھا۔۔"

نیاز نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا

"مختار صاحب نے تو آپ کی ایسی ہیبت ناک تصویر کھینچی کہ بیوی ڈر کر دوسرے کمرے میں جا کر چھپ گئیں۔ میں بھی گھبرا گیا کہ کون رستم زماں صاحب تشریف لائے ہیں، لیکن کہاں بھول پڑے تم؟"

نیاز نے جواب دیا،

"تم یاد آئے ہم چلے آئے اور ہم تمہیں کاہے کو کبھی یاد آتے ہوں گے کیوں بے مروت صاحب۔"

انجم: "ایسا نہ کہو، اپنے دوستوں میں جن کے خلوص، بے لوثی اور وفاداری پر مجھے ناز ہے وہ صرف تم ہو۔"

نیاز: "الفاظ کی حد تک۔"

انجم: "تم جانتے ہو میں جھوٹ نہیں بولتا ظاہرداری کی باتیں مجھے نہیں آتیں۔"

نیاز: "معلوم ہے اپنی شان میں خود قصیدہ نہ پڑھئے۔

بڑے نیک طینت بڑے پاک دامن
ریاض آپ کو کچھ ہمیں جانتے ہیں

کہو مس روبی زندہ ہیں یا خودکشی کر لی بے چاری نے؟"

انجم: "مس روبی؟"

نیاز: "اللہ رے مکاری! اب بھی نہیں یاد آئیں۔"

انجم: "وہ۔۔"

نیاز: "جی وہی جو ہزار جان سے آپ پر فریفتہ تھیں۔"

انجم: "ہوں گی، میں تو ان پر ایک لمحے کے لئے بھی فریفتہ نہیں ہوا اور اصل میں اب تک نہیں سمجھ سکا کہ محبت کیا چیز ہے۔"

نیاز: "زیارت تو ان صاحبہ کی میں نے بھی نہیں کی ہے، مگر سنا ہے بہت خطرناک، اور روبی کی حالت دیکھ کر تو واقعی ڈر لگنے لگا ہے۔"

انجم: "کچھ پاگل ہو گئے ہو، روبی کی داستان کہاں سے لے کر بیٹھ گئے۔"

نیاز: "تکلیف ہوتی ہے اس ذکر سے، دکھتی رگ ہے نا؟"

انجم: "روبی ہی ہو اچھے خاصے، روبی جیسی لڑکیاں محبت کر سکتی ہیں کسی سے؟ میں نے تو جس دن اس کی نیت بد دیکھی، کلب جانا ہی چھوڑ دیا۔"

نیاز نے ایک قہقہہ لگایا۔

"تو وہ ہو اس کی نیت بد دیکھ کر آپ نے کلب جانا ہی چھوڑ دیا۔"

انجم: "ہاں، پھر میری زندگی کا راستہ ہی بدل گیا۔"

نیاز: "ہاں سن چکا ہوں کچھ عرصہ تک سوشلزم سے شغل فرمایا پھر کمیونزم سے جی بہلایا، پھر تو جماعت کے چکر میں پڑے، کچھ عرصہ تک جیل کی ہوا بھی کھائی پھر شادی کر لی۔ کیوں جناب، ایسا ہے نا آپ کی مختصر داستان؟"

انجم: "داستان گو صاحب آپ بجا ارشاد فرما رہے ہیں۔"
نیاز: "کہو، بیوی کیسی ہے؟"
انجم: "چلو دیکھ لو چل کر۔"
نیاز: "کیا وہ پردہ نہیں کرتیں؟"
انجم: "نہیں — اور اگر کرتی بھی ہوں تو تم سے کبھی کریں گی؟"
نیاز: "مزاج کیسا ہے؟"
انجم: "اچھا ہے۔"
نیاز: "تمہاری پٹائی کرتی ہیں یا نہیں؟"
انجم: "کیا بیویاں بھی شوہروں کو پیٹتی ہیں؟"
نیاز: "کیوں نہیں، میری بیوی نے تو ایک روز مجھے اتنا مارا تھا کہ ہسپتال میں داخل لینا پڑا۔ اور ضرب شدید کے الزام میں پولیس سے تھانہ پکڑ کے لے گئی ہیں بیٹھنا سے آگیا۔"

انجم ہنستے ہنستے بے حال ہو گیا۔
"یار نیاز، ذرا جو تم میں فرق آیا ہو، کالج کے زمانہ کا چلبلا پن اب تک باقی ہے۔ تم ایسی لندن میں بھی حرکتیں کرتے رہے ہو گے۔"
"وہاں تو اور زیادہ کھیل کھیلا تھا، بات یہ ہے کہ وہاں خوش فعلیوں کی داد دی جاتی ہے۔ حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، یہاں کی طرح ناگواری نہیں جتائی جاتی۔"
انجم: "کون کون سی ڈگریاں لے کر آئے ہو؟"
نیاز: "صرف ایک۔"
انجم: "ایں ہم خلیفت است — بڑا تیر مارا۔"
نیاز: "یقیناً — گیا تھا انجینئر بننے لیکن جی نہیں لگا۔ پھر سوچا کہ ڈاکٹری پڑھوں لیکن وہاں نرسوں نے ایسا الجھایا کہ خود بیمار پڑ گیا۔ وہاں سے جی اکتایا تو سوچا کہ پی ایچ ڈی کر دوں۔ لیکن وہاں ایم اے کی شرط تھی۔ بھاگا اور سیدھا

بیرسٹری کے امتحان میں بیٹھ گیا، یہاں فیل ہونے کا سوال ہی نہیں، آگیا جب بیرسٹر لا بن گیا۔"
انجم: "دیکھنا چاہیئے اب کس کس کی شامت آتی ہے۔"
نیاز: "یہ کیوں؟"
انجم: "تم جس کی وکالت کروگے، اگر اسے جیل کی سزا ہونی ہوگی تو یقیناً پھانسی پائیگا"
نیاز: "واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"
انجم: "کیوں نہیں ہو سکتا؟"
نیاز: "میرا ارادہ ہی نہیں ہے پریکٹس کرنے کا۔"
انجم: "پھر کیا کروگے؟"
نیاز: "فی الحال تو ملازمت کا انتظام کر رہا ہوں۔ اس انتظام کے سلسلہ میں اپنے گاؤں بھی پہنچ گیا تھا، وہاں سے شکار کو نکل گیا۔ کوئی شکار نہیں ملا، میں نے کہا ذرا انجم ہی سہی۔"
انجم: "تو آپ میرا شکار کرنے تشریف لائے ہیں۔"
نیاز: "نا بابا، اتنی ہمت کہاں، ایسی قسمت کہاں۔ لیکن صرف باتوں ہی باتوں میں ٹرخاؤ گے یا ناشتہ بھی کراؤ گے۔"
"مختار صاحب ناشتہ ابھی تک نہیں آیا۔"
مختار صاحب نے سرو قد کھڑے ہو کر فرمایا۔
"ابھی آتا ہے سب انتظام میں کر رہا ہوں۔"
انجم: "اچھا بھئی نیاز یہ بتاؤ بیوی کیسی ہے؟"
نیاز: "بہت خوبصورت۔"
انجم: "اس خوش قسمتی پر مبارک باد قبول کرو۔"
نیاز: "بد زبان بھی ہے۔"
انجم: "سبحان اللہ، پھر تو خوب گذرتی ہوگی۔"
نیاز: "اور جاہل بھی ہے۔"

دو تین روز نیاز کی صحبت میں بڑے لطف سے گزر گئے۔ نیاز کے قہقہوں اور شرارتوں میں انجم کو اپنے حالات وجذبات پر زیادہ غور کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ مگر پھر بھی اس مدت میں ذرا دیر کے لئے چلا گیا تو چلا گیا ورنہ سارا وقت نیاز ہی کے ساتھ باہر مردانے میں صرف ہوتا۔ چوتھے روز نیاز نے واپس جانے کی ٹھانی۔ انجم نے بڑے حسرت بھرے لہجہ میں کہا

"ابھی نہ جاؤ نیاز۔"

"کیوں نہ جاؤں؟" نیاز نے پوچھا۔

انجم نے جواب دیا۔

"پھر میں اکیلا رہ جاؤں گا۔"

یہ بات انجم نے کچھ ایسے دردبھرے لہجہ میں کہی کہ نیاز کی ساری شوخی اور خوش طبعی رخصت ہو گئی۔ اس نے سنجیدگی کے ساتھ اسکے بالکل قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا

"انجم کیا بات ہے تم اتنے افسردہ اور دلگیر کیوں نظر آتے ہو۔"

انجم نے کہا۔

"کچھ نہیں کوئی خاص بات نہیں۔"

نیاز نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"انجم تم کچھ چھپا رہے ہو۔ تمہارے روشن اور تاباں چہرے پر میں نے غم اور فکر کے بادل کبھی نہیں دیکھے اب دیکھ رہا ہوں تم سے زیادہ ہمارے حلقۂ احباب میں شوخ اور بے پروا

انجم: "بڑی قابلِ رشک بیوی پائی ہے تم نے، مبارک مبارک، سلامت سلامت"

نیاز: "تو ایک حقیر تحفہ کے طور پر میری جانب سے یہ قبول فرمایئے — اگر قبول افتد زہے عز و شرف۔"

نیاز نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ اتنے میں خانساماں ایک دوسرے آدمی کے سر پر رکھ کر ناشتہ لایا۔ خوان کھولا گیا تو ایک درجن گھی میں تر پراٹھے ایک درجن انڈے بہت سا تازہ نکالا ہوا مکھن، کریم، جیلی، فروٹ اتنا سارا ناشتہ دیکھ کر نیاز نے دریافت کیا۔

"اور لوگ کہاں ہیں؟"

انجم کو بھی اس سازوسامان پر حیرت ہو گئی۔ اس نے کہا۔

"بس تم ہی ہو، ہم تو ناشتہ کر چکے۔"

پھر خانساماں سے اس نے پوچھا۔

"ابے یہ اتنا بہت سا ناشتہ کتنے آدمیوں کے لئے لایا ہے۔"

خانساماں نے جواب دیا۔

"مختار صاحب نے ہی تو کہا تھا کہ دس آدمیوں کا ناشتہ چاہیئے۔"

مختار صاحب نے خانساماں سے یہ بات مذاق میں کہی تھی۔ اس لئے سے واقعہ بنا لیا۔ انجم نے نیاز سے کہا۔

"خیر کیا مضائقہ ہے جتنا کھایا جائے کھا لو، باقی دوپہر کو کھا لینا پھر بھی کچھ بچ رہے تو رات کو کام آئے گا۔"

نیاز نے پراٹھے کا لقمہ بناتے ہوئے کہا۔

"جی میں تو کچا چبا کھاؤں گا باقی سارا آپ کے مختار صاحب کو ختم کرنا پڑے گا۔ ابھی میرے سامنے — آئیے مختار صاحب، ہاتھ دھویئے جلدی سے۔"

انجم نے ہنستے ہوئے کہا — "پھر تو بے چارے کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑینگے۔"

نیاز کھانے میں اتنا منہمک ہوا کہ پھر اس نے گفتگو میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

کون تھا۔ مگر اب ایسا نظر آرہا ہے جیسے سنجیدگی نے تمہیں بوڑھا بنا دیا ہے۔ تمہاری بذلہ سنجی اور حاضر جوابی سے حلقۂ احباب قہقہوں سے گونج اٹھتا تھا مگر اب دیکھتا ہوں کہ تم یک سر دو دو ہی کر رہ گئے ہو، آخر کیوں؟ کیا بات ہے؟ کیا ہوا تمہیں۔"

انجم کی مسکراہٹ اس کی غمگینی کو نہ چھپا سکی۔

نیاز نے پوچھا۔

"بتاؤ خدا کے لئے بتاؤ کیا بات ہے؟"

"کچھ بھی نہیں۔"

"میرا خیال تھا مجھ سے زیادہ تمہارا معتمد دوست کوئی نہیں ہے لیکن آج یہ غلط فہمی رفع ہو گئی ہے۔"

"نہیں، یہ بات تو نہیں ہے۔"

"جھوٹ نہیں بولو، میں اصرار نہیں کرتا، اگر کوئی ایسا راز ہے جسے تم افشاں نہیں کرنا چاہتے تو کس حق سے میں تمہیں مجبور کر سکتا ہوں۔"

"نیاز تم تو صرف اپنی کہے جاتے ہو، دوسرے کی سنتے ہی نہیں۔"

"میں تو سننے کے لئے ہمہ تن گوش ہوں لیکن تم سناؤ بھی تو۔"

"اول تو کوئی خاص بات نہیں اور اگر کچھ ہو بھی ــ کس امید پہ کہئیے کہ آرزو کیا ہے؟"

"کہہ کے تو دیکھئے۔"

"نہیں نیاز، اس سے کوئی فائدہ نہیں، نشاط و مسرت کے ساتھی بہت مل سکتے ہیں درد و غم کا ساتھی کوئی نہیں بن سکتا۔"

"میں بن سکتا ہوں۔"

"یقیناً، اگر تمہارے بس میں ہو۔"

"اپنے بارے میں، میں تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں تمہارے لئے سب کچھ کر سکتا ہوں، حتیٰ کہ اگر ضرورت ہو تو جان بھی دے سکتا ہوں۔ تم میرا امتحان کیوں نہیں لیتے، مجھے آزماکے کیوں نہیں۔"

بڑی دیر تک دونوں میں اسی طرح کے سوال و جواب ہوتے رہے۔ انجم نے اپنی داستانِ درد سے سنا دی لیکن مکمل اور مفصل نہیں بلکہ

انہیں افسانۂ غم ڈرتے ڈرتے
سنایا کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے

لیکن نیاز ذہین اور طباع شخص تھا۔ اس اجمال سے اس نے اپنے ذہن میں تفصیلی خاکہ تیار کر لیا، پھر گویا ہوا۔

"یہ تو معلوم ہو گیا کہ تمہارا درد کیا ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے کیا سوچا ہے تم نے؟"

انجم نے کہا۔

"کچھ نہیں، سوچنا بے کار ہے۔ اس کا پتہ نہ پائیں تو نا چار کیا کریں۔"

نیاز نے تسلی دی

"ایسا نہ کہو، ڈھونڈنے سے خدا بھی مل جاتا ہے۔ شائستہ بھی مل جائیگی لیکن اصل سوال رخسانہ کا ہے اس مشکل کا حل کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ تم اسے طلاق نہیں دے سکتے۔ ایسا خیال بھی دل میں نہیں لانا چاہیئے وہ ایسی عالی ظرف نہیں کہ تمہارے دکھ کو محسوس کرے اور کسی حد تک اپنی گرفت ڈھیلی کر کے تمہیں سکون کا موقع بہم پہنچائے۔"

انجم نے کہا

"ہاں یہ کچھ نہیں ہو سکتا۔ رخسانہ میرے ساتھ ہمدردی نہیں کر سکتی۔ مجھے جلانے اور کڑھانے میں اسے لطف آتا ہے مجھے غمگین اور افسردہ دیکھ کر اس کی طبع رسا طنز و تحقیر کے نئے نئے حربے میری جانِ ناتواں پر آزماتی ہے۔ شائستہ میرے زخم کا مرہم تھی اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ میرا ساتھ دے سکتی۔ ٹھنڈی سانس بھر کر۔ خیر ــ جانے دو ہم بھی گزر جائیں گے سوچا ہے یہی۔"

نیاز نے کہا۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو، چلو تم میرے ساتھ چلو۔"

"کہاں؟"

"بھیم پور۔ اس ماحول سے چند روز کے لئے الگ کر لو اپنے آپ کو۔ پھر تھوڑی دیر کھیلیں کی اطمینان سے راہ عمل متعین کریں گے۔ ایک سے دو بھلے، ہم تم دونوں سر جوڑ کر بیٹھیں گے اور خدا سے امید ہے حالات کو ساز گار بنانے کی کوئی نہ کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔"

انجم نے جواب دیا۔

"مجھے اپنے ساتھ نہ لے جاؤ۔ میں تم پر بھی ایک بار بن جاؤں گا۔ کیا فائدہ؟"

نیاز نے کہا۔

"اس ہمدردی کا شکریہ لیکن آپ میری فکر نہ کیجئے۔ آپ میرے اوپر بار نہیں بنیں گے۔"

آخر نیاز کے اصرار کے سامنے انجم کو ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اس نے مختار صاحب سے کہا۔

"میرا سامان سفر درست کر دیجئے۔ نیاز اصرار کر رہے ہیں، اپنے ساتھ لے چلنے کے لئے صبح تڑکے ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ خانساماں سے کہہ دیجئے کہ ناشتہ دان میں صبح ہی صبح کھانا تیار کر کے رکھ دے۔"

مختار صاحب نے بڑی سعادت مندی سے یہ احکام سنے پھر لجاجت سے دریافت کیا۔

"کیا میں بھی آپ کے ساتھ چلوں۔"

نیاز کو ہنسی آگئی۔

"ضرور ضرور، آپ ہی کی تو کسر تھی۔ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔"

مختار صاحب نے شرما کر گردن جھکا لی۔ انجم کو بھی ہنسی آگئی۔

رات کو بڑی دیر تک نیاز اور انجم میں باتیں ہوتی رہیں۔ کالج کے گزرے ہوئے زمانہ کی یاد، دلچسپ اور پر لطف شرارتوں کا تذکرہ، بھولے بسرے دوستوں کا ذکر، الندن کی ماہ وش اور زہرہ جبین کا فرا دادوں کا ذکر جمیل، شبینہ کلب کی سرمستیاں نہ جانے کیا کیا۔ انجم خاموش تھا اور نیاز بیٹھے کے ہمسے بولے جا رہا تھا۔

یہاں تک کہ آدھی رات گزر گئی۔ گھڑیال نے بارہ کا گجر بجایا۔ آواز سنتے ہی انجم سہم کر کھڑا ہو گیا۔

"بہت دیر ہو گئی، اب سو رہو، انشاء اللہ صبح ملاقات ہوگی۔"

نیاز نے کہا۔

"ضرور ملاقات ہوگی۔ ساتھ نہیں چلو گے؟"

انجم نے جاتے جاتے جواب دیا۔

"چلوں گا کیوں نہیں، وعدہ جو کر چکا ہوں۔"

انجم آہستہ آہستہ قدم رکھتا اپنے کمرہ میں پہنچا۔ اس کا خیال تھا کہ رخسانہ سو چکی ہوگی لیکن وہ جاگ رہی تھی۔ بستر پر بیٹھی کتاب کا مطالعہ کر رہی تھی۔ انجم نے اسے بیدار دیکھ کر پوچھا

"تم اب تک جاگ رہی ہو؟"

وہ اٹھ کر بیٹھ گئی

"کتاب پڑھ رہی تھی، بڑی دلچسپ ہے۔ کیا صبح اپنے دوست کے ساتھ کہیں جا رہے ہیں؟"

انجم نے جواب دیا۔

"ہاں جا تو رہا ہوں۔"

رخسانہ نے کہا۔

"مختار صاحب آپ کا سامان لینے آئے تھے — کتنے دن کے لئے جا رہے ہیں آپ؟"

انجم نے کہا

"شاید دس پندرہ روز میں واپس آ جاؤں گا۔"

رخسانہ نے پوچھا

"شاید یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مہینہ دو مہینہ کی مدت صرف ہو جائے۔"

انجم بولا۔

"ناممکن تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

رخسانہ نے سوال کیا۔

"تو پھر گھر کی دیکھ بھال کے لئے مختار صاحب کو کہہ دیا ہے آپ نے؟"

"تمہاری موجودگی میں مختار صاحب کو دیکھ بھال کا کیا حق ہے، ویسے جو تم کہو گی وہ کریں گے۔"

رخسانہ نے کتاب بند کر کے ایک طرف رکھ دی اور کہا۔

"میں بھی تو جا رہی ہوں۔"

انجم چونک پڑا

"تم بھی جا رہی ہو؟"

"جی ہاں، اپنے گھر جاؤں گی۔"

"کب؟"

"کل ہی ارادہ ہے۔"

"کیا میرے واپس آنے کے بعد نہیں جا سکتیں؟"

"نہیں۔"

"کیا یہ تمہارا فیصلہ ہے؟"

"اگر میں کہوں 'ہاں'"

"تو میں اسے بدلنے کی کوشش نہیں کروں گا۔"

"شکریہ، آپ کی ذات سے امید بھی یہی تھی۔"

انجم نے بے کلی کے ساتھ کہا۔

"رخسانہ مجھ پر رحم کرو، مجھے اتنا نہ ستاؤ کہ میں برداشت نہ کر سکوں۔"

رخسانہ نے زہرخند کرتے ہوئے جواب دیا۔

"ابھی زبردستی ہے، وہی مثل ہے 'زبردست مارے اور رونے نہ دے' میں ستا سکتی ہوں آپ کو؟ ایک حقیر عورت بھی مرد کو ستانے کی جرأت کر سکتی ہے، خدا کا شکر کیجئے کہ آپ عورت نہیں ہیں۔"

انجم نے کوئی جواب نہیں دیا خاموش پہ جگر نگار باتیں سنتا رہا، رخسانہ کہے جا رہی تھی۔

"ظلم آپ کرتے ہیں الزام مجھ پر رکھتے ہیں۔"

انجم نے کہا۔

"میں تم سے بحث میں جیت نہیں سکتا۔ جانتا ہوں تم اپنے سوا کسی کی نہیں سنتیں۔ صبح جلدی اٹھنا ہے، اب اگر ذرا دیر سونے کی مہلت مل جاتی تو اچھا تھا۔"

"شوق سے سوئیے مجھے تو ابھی بہت کام کرنا ہے۔"

"کون سا کام باقی رہ گیا ہے؟"

"وہ گویا ہوئی۔

"سامان درست کرنا ہے۔ کپڑے ٹھیک کرنا ہیں۔"

"لیکن یہ کام تو صبح بھی ہو سکتا ہے۔ اس وقت کیا ضروری ہے۔ آپ کار ہی پر تو جائیں گے۔"

"ہاں تو۔"

"پہلے کار مجھے چھوڑ آئے گی پھر آپ چلے جائیے گا۔"

انجم نے جواب نہیں دیا منہ لپیٹ کر پڑ رہا۔

انجم نیاز کے ساتھ اس کی دیہاتی قیام گاہ پر چلا آیا۔ رخسانہ بھی اسی دن اپنے میکے چلی گئی۔ نیاز نے انجم کا دل بہلانے کی بہتری کوششیں کیں لیکن نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ ہر پروگرام میں انجم نیاز کے ساتھ رہا۔ قوالی کی مجلس جمی تو اس میں شروع سے آخر تک بیٹھا رہا۔

زہرہ بائی نیاز کی دعوت پر اپنے کمالات رقص و نغمہ دکھانے کے لئے تشریف لائیں اور کوئی شبہ نہیں تھا کہ ان کی نغمہ سرائی اور رقص بے حجابانہ نے فضا پر ایک سحر کی کیفیت طاری کر دی۔ ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ دشت و در خاموش تھے۔ سنگ و خشت مسحور نظر آ رہے تھے شجر و حجر مخمور تھے۔ آسمان کے تارے جھک جھک کر اور زمین کے ذرے اٹھ اٹھ کر اس پری پیکر اور حور شمائل نازنین کے رقص و نغمہ کی کیفیت دیکھ رہے تھے۔ نیاز کا تو یہ عالم تھا کہ جیسے کوئی مدہوش ہو۔ اسے واقعی سدھ بدھ کا کوئی ہوش نہ تھا لیکن انجم اس بے پرواہی سے بیٹھا تھا جیسے اسے رقص سے نہ کوئی دلچسپی تھی نہ نغمے سے۔ نیاز زہرہ کے زہرہ شکن حسن سے کوئی سروکار نہ تھا۔ فضا کی اس رومانیت سے نیاز نے کافی رقم خرچ کر کے ایک ہفتے کے لئے زہرہ کو یہاں بلایا تھا۔ مقصد محض یہ تھا کہ کسی طرح انجم کی طبیعت بہل جائے لیکن زہرہ کے ہزار ہنر، فن اور فن کاری کے باوجود انجم ٹس سے مس نہ ہوا۔ زہرہ بائی کو نیاز نے بتا دیا تھا کہ وہ کیوں بلائی گئی ہے۔ اس نے بھی ڈوب کر اپنے فن کا مظاہرہ کیا تھا۔ لیکن نیاز اور زہرہ دونوں کو مایوسی ہوئی۔ انجم کی کیفیت میں ذرا بھی تغیر نہ ہوا۔ وہی افسردگی، وہی اضمحلال، وہی خاموشی۔

پسینے سے شرابور اور تھکن سے چور ہو کر وہ چپ چاپ بیٹھ گئی ——— نیاز

چونک پڑا۔ اس نے پوچھا۔

"بس!"

وہ تیوری چڑھا کر بولی۔

"جی ہاں بس!..... کب تک اپنی ٹر ٹر سے آپ حضرات کا دماغ چاٹوں!"

نیاز کچھ جھینپ سا گیا۔

"تم تو کچھ خفا ہو گئیں، اتنا بھی نازک دماغ نہیں ہونا چاہیے۔"

زہرہ شاید اس وقت لڑنے پر تیار نہ تھی۔

"سرکار معاف کیجئے گا، فنکار کا معاوضہ صرف چند روپیے پیسے ہی نہیں ہوتے وہ داد بھی چاہتا ہے، تحسین و ستائش سے بھی اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے مجھے تو اب معلوم ہو رہا تھا جیسے دو گونگے اور بہرے اور اندھے آدمیوں کے سامنے میں گا رہی ہوں آج تک مجھے ایسے قدردانوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا۔"

نیاز نے اپنی صفائی دی۔

"بھئی میرا جہاں تک تعلق ہے تمہارے رقص اور نغمہ پر جان دیتا ہوں، میری خاموشی کا راز یہ تھا کہ داد دینے کے لئے مجھے الفاظ نہیں مل رہے تھے میں تو ہمیشہ مسرت اور محو دید ہو کر تمہارا نغمہ سنتا اور رقص دیکھتا ہوں، آج بھی یہی کیفیت طاری تھی۔"

زہرہ نے پوچھا۔

"اور انجم صاحب کا مزاج کیا تھا؟"

نیاز نے کہا۔

"اس کا جواب خود انجم ہی دیں گے..... کیوں بھئی انجم سن رہے ہو؟ زہرہ تمہاری خیریت مزاج دریافت کر رہی ہیں۔"

انجم نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور دل گرفتگی کے عالم میں کہا۔

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کو بھی
کچھ ہماری خبر نہیں آتی

اور پھر خاموش ہو گیا۔

نہ جانے انجم کے اس انداز میں کیا بات تھی کہ زہرہ بہت متاثر ہوئی اس کی برہمی اور آشفتہ مزاجی ختم ہو گئی۔ اس نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔

"آخر بات کیا ہے انجم صاحب آپ اتنے دلگیر اور پریشان خاطر کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

انجم نے دور خلا میں گھورتے ہوئے پر خیال انداز میں کہا۔

"نہیں، اب تو نہیں ہے!"

زہرہ کا حوصلہ بڑھا وہ بولی۔

"میں تو اس لئے آئی تھی کہ آپ کا دل بہلاؤں۔"

پہلی مرتبہ انجم نے ایک نظر زہرہ پر ڈالی اور کہا۔

"آپ اس لئے آئی تھیں!..... شکریہ، میں واقعی آپ کا شکر گزار ہوں اور ساتھ ہی شرمندہ بھی۔"

"شرمندہ کیوں؟"

"بات یہ ہے کہ یہ نیاز شریر انسان ہے، اس نے خواہ مخواہ آپ کا قیمتی وقت ضائع کیا؟"

زہرہ نے زیر لب تبسم کے ساتھ جواب دیا۔

"نہیں، میرے 'قیمتی وقت' کی پرواہ نہ کیجئے کیونکہ قیمت تو میں وصول کر چکی ہوں باقی رہا نیاز صاحب کا شریر ہونا تو آپ دونوں آپس میں بڑے گہرے دوست ہیں میں کیا کہہ سکتی ہوں!"

نیاز بول پڑا۔

تکلف سے کام نہ لیجئے کہئے ضرور کہئے، آپ مجھے اتنے دنوں سے جانتی ہیں کبھی میں نے آپ کے ساتھ شرارت کی، بالکل سچ، بلکہ ایمان سے کہئے گا۔"

زہرہ ہنس پڑی۔

"واقعی نیاز صاحب آپ بڑے شریر ہیں، انجم صاحب سچ ہی تو کہتے ہیں۔"

نیاز نے ایک قہقہہ لگایا۔

"چل گیا جادو اس ساحر اعظم کا، آپ کے اوپر بھی، اسی کی سی آپ بھی کہنے لگیں آہ کیا ہے

اسی کی سی کہنے لگے اہل محشر
کہیں پرسش داد خواہاں نہیں

اس مرتبہ انجم کے ہونٹوں پر بھی ذرا تبسم نمودار ہوا

"کتنی ہی اور کیسی ہی باتیں بناؤ لیکن تمہارا پول کھل چکا ہے مس زہرہ پر وہ تمہاری باتوں میں نہیں آ سکیں تمہیں فخر کرنا چاہیے کہ ان کی بارگاہ سے اتنا مبنی بر حقیقت اور سچا خطاب ملا تمہیں!"

نیاز نے منہ بنا کر کہا۔

"کاش یہ خطاب آپ کو ملا ہوتا اور میں آپ کو مبارکباد دے رہا ہوتا۔

کیوں مس زہرہ کیا آپ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر سکتی ہیں؟"

وہ مسکرائی۔ "جی نہیں!"

انجم نے پوچھا۔

"کیا نیاز کی خاطر سے بھی نہیں؟"

وہ ہنستی ہوئی بولی

"جی نہیں ..... میں معذور ہوں، اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرنے کی حماقت میں نے کبھی نہیں کی۔"

نیاز نے چھاتی ٹھونک کر کہا۔

"بجا فرمایا ..... اس کی گواہی تو میں بھی دیتا ہوں۔"

زہرہ بولی۔

"تو پھر آپ اس کی گواہی بھی دیجئے کہ میرا فیصلہ غلط نہیں ہوتا۔"

قبل اس کے نیاز کچھ کہے، انجم نے کہا۔

"اس کی گواہی میں دیتا ہوں۔"

زہرہ ہنسنے لگی، نیاز نے جھوٹ موٹ بگڑتے ہوئے کہا۔

"اب معلوم ہوتا ہے، مس زہرہ کہ آپ انجم کا دل بہلانے کی بجائے میرا دل توڑنے کے لیے تشریف لائی ہیں آخر میں نے کیا خطا کی ہے؟"

انجم نے زہرہ کو نہیں بولنے دیا، کہنے لگا۔

"خطا؟ ... کوئی ایک آدھ خطا؟ ارے میاں تم تو قصور مجسم ہو، مجسم خطا کیوں مس زہرہ میں غلط تو نہیں کہتا؟"

"سوچ کر جواب دوگی" زہرہ نے کہا۔

نیاز خوش ہو گیا۔

"جزاک اللہ مس زہرہ ..... اگر کہیں اس مرتبہ بھی آپ نے انجم کی تائید کر دی ہوتی تو معلوم ہے میں کیا کرتا؟"

انجم نے لقمہ دیا۔

"زہر کھا لیتے، خودکشی کر لیتے، یا اگر ممکن ہوتا تو شاید چلو بھر پانی میں ڈوب مرتے"

نیاز مصنوعی غصہ کے عالم میں بولا۔

"ہاں میاں یہ سب کچھ کرتا! تم نے حسرت کا شعر نہیں سنا؟"

انجم نے تیز اور شریر نظروں سے نیاز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"نہیں سنا! سناؤ لیکن گا کر سنانے کی کوشش نہ کرنا"

زہرہ نے پوچھا

"ہاں نیاز صاحب وہ کیا شعر ہے حسرت کا؟ یقیناً بہت اچھا ہوگا ذرا ہم بھی سن لیں، سنا دیجئے! اتنی خوشامد کیوں کرتے ہیں؟"

نیاز نے شعر سنایا۔

گر وفاداری، اغیار کا غوغا ہے یہی
جان سے ہم بھی گزر جائیں گے سوچا ہے یہی

سب ہنس پڑے۔

زہرہ طوائف نہیں تھی کسی فلم یا تھیٹر کمپنی سے بھی وابستہ نہیں تھی۔ فنون لطیفہ سے دلچسپی تھی تعلیم حاصل کی میوزک کالج میں نمایاں امتیاز کے ساتھ پاس ہوئی پھر وظیفہ ملا اور تکمیل فن کیلئے انگلینڈ چلی گئی، وہاں دو سال تک قیام رہا، اسی کے دوران میں نیاز سے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے واپس آکر دونوں کی راہیں الگ ہوگئیں۔ نیاز اپنے کام دھندے میں لگ گیا زہرہ نے وقار اور رکھ رکھاؤ کے ساتھ اپنے فن کو ذریعہ معاش بنایا اونچے طبقہ میں اسکی بڑی پوچھ تھی اعلیٰ درجہ کی سوسائٹیوں میں وہ ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھی میلوں، جلسوں اور خاص خاص موقعوں پر منہ مانگے دام دیکر وہ بلائی جاتی تھی اور اپنے فن کا مظاہرہ کرکے سیم و زر سے دامن بھر کر خراج تحسین وصول کرتی اور وہاں واپس جاتی تھی روپے کی اسے کمی نہ تھی خوب کماتی خوب خرچ کرتی تھی بعض سیٹھ اور رئیس تو محض نیاز مندانہ طور پر نوٹوں کی گڈیاں اسکے حضور میں پیش کرتے تھے اور جواب میں شکریہ کا نغمہ سن کر یا برق پاش جسم کا نظارہ کرکے واپس چلے آتے تھے اور دل میں خوش ہوتے تھے کہ جو کچھ کھویا تھا اس سے زیادہ کما لیا اور شاید ان بھی۔ زہرہ کے کیرکٹر کے متعلق وثوق اور یقین کے ساتھ تو کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن بظاہر وہ اس طرح اپنے آپ کو بچائے رہتی تھی کہ کسی بدگمانی کا موقع مل ہی نہیں سکتا تھا نیاز سے اس کے گہرے دوستانہ تعلقات تھے لیکن محض دوستانہ اس سے زیادہ نہ نیاز نے کچھ چاہا نہ زہرہ نے۔ سوچا دونوں جب کبھی مل جاتے تو اس بے تکلفی سے ملتے جیسے دو پرانے اور بے تکلف دوست مل سکتے ہیں۔

نیاز انجم کو اپنے ساتھ لے آیا لیکن جب کسی طرح اسکی طبیعت نہ بہلی تو قوالی وغیرہ کے مختلف تجربے کرنے کے بعد ایک روز وہ موٹر میں بیٹھا اور سیدھا اس زہرہ کے در دولت پر پہنچا وہاں اسکی ویسی ہی پذیرائی ہوئی جیسی ہوا کرتی تھی۔ زہرہ نے کھانے کا تکلف کرنا چاہا لیکن نیاز نے اس کی ایک نہ چلنے دی کہنے لگا۔

بھائی! میرے ماموں نواب محمد علی خاں ہیں۔ عمران کی ستر سے زیادہ ہے لیکن نئی شادی کر رہے ہیں ایک سترہ برس کی ماہ جبیں سے زیادہ خوبصورت اور طرحدار لڑکی ہے ماموں جان خود بھی دولہا بننے پر تلے ہوئے ہیں اور لڑکی والوں کا بھی تقاضا ہے کہ دولہا اس طرح دھوم دھام سے برات لے کر آئے کہ لوگ کہیں ہاں کوئی آیا تھا رخصت جیسی ماہ پارہ کو بیاہنے اس موقع پر ایک مختصر سا پروگرام ادھر کے لئے بھی دولہا ابھی سے سترسالہ ماموں جان کو خوش کرنے کے لئے رقص و نغمہ کا بھی رکھا گیا ہے۔ میں چونکہ خاندان بھر میں سب سے زیادہ نالائق تسلیم کیا جا چکا ہوں اس لئے یہ ڈیوٹی میرے سپرد کی گئی ہے میری نگاہ انتخاب تم پر پڑی، ماموں جان گو بہت بڑے دولتمند ہیں لیکن کنجوس بھی بہت ہیں۔ بڑی مشکل سے ان سے ہزار روپے اینٹھے ہیں۔ فوراً اسباب باندھ لو اور چلو۔"

زہرہ بڑی دلچسپی سے نیاز کی باتیں سنتی رہی پھر بولی۔

"آپ کے ماموں جان تو آپ سے بھی زیادہ دلچسپ نکلے!"

نیاز نے کہا

"شنیدہ کے بود مانند دیدہ، چلو دیکھ لو چل کر!"

وہ بولی۔

"نہیں نیاز صاحب! یہ کاروبار کا معاملہ ہے ایک ہزار میں کیا ہوگا! کم سے کم تین ہزار چاہئیں!"

نیاز نے پوچھا۔

"میرے ساتھ کاروبار؟"

زہرہ بولی۔

"نہیں آپ کے ساتھ بالکل نہیں، شادی کر کے دیکھ لیجئے، کیا مجال ہے جو ایک پیسہ کا بھی مطالبہ کروں لیکن جو رعایت آپ کے ساتھ کر سکتی ہوں آپ کے ماموں جان کے ساتھ نہیں کر سکتی۔"

نیاز نے معنی خیز کا فارمولا پیش کیا۔

"اچھا یہ ایک ہزار تو قبول کر لو، باقی رقم وہاں دلوا دیں گے۔"

وہ سنجیدگی کے ساتھ گویا ہوئی۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے... لیکن کہاں چلنا ہے! میں زیادہ دور کا پروگرام نہیں بنا سکتی۔"

نیاز نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

نہیں بھائی، دور کا کیا سوال ہے یہاں سے زیادہ سے زیادہ تیس چالیس میل ہے کے فاصلہ پر ماموں جان کا گاؤں جمال پور ہے بس وہیں چلنا ہے گھنٹہ بھر میں پہنچ جائیں گے۔

"اچھا چلئے، لیکن کل مجھے واپس کر دیجئے گا۔"

نیاز بولا۔

"ہاں بھئی کر دیں گے اور نہیں کریں گے تو ہزار روپیہ روز لیتی رہنا اور کیا کسی کی جان لو گی!"

زہرہ جھینپ کر بولی

"آپ کوئی ایسی بات کچھ مزور کہتے ہیں جس کا جواب مجھے دینا پڑتا ہے۔"

نیاز نے حیرت سے زہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو تمہیں نے کس نے کیا ہے... لیکن میں نے ایسی کونسی بات کہی ہے جس کا جواب دینا ضروری ہے؟ اور اگر میں نے خدا نخواستہ کوئی ایسی بات کہہ دی ہے جو تمہیں ناگوار گذری ہو تو غیر مشروط معافی مانگتا ہوں... بات یہ ہے کہ اس وقت سوال جواب

میں اگر دیر ہوئی تو ماموں جان بھڑک جائیں گے وہ سراپا انتظار بنے بیٹھے ہیں۔"

زہرہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھا چلئے۔"

نیاز نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور پوچھا۔

"کیا یوں ہی؟"

وہ بولی

"پھر کس طرح؟"

نیاز نے ذرا خفا ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا کہیں تعزیت کرنے جا رہی ہو؟... ارے بھئی میرے ماموں مرے نہیں ہیں، شادی کر رہے ہیں بن ٹھن کر چلو وہاں تمہیں فاتحہ نہیں پڑھنا ہے ناچنا ہے گانا ہے، اپنے فن کا مظاہرہ کرنا ہے۔"

زہرہ ہنسنے لگی

"آپ کی عادتیں جائیں گی نہیں...!"

نیاز نے بغیر مسکرائے ہوئے، بظاہر بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں نہیں جائیں گی۔ لیکن خدا کے لئے آپ دیر نہ کرو، بہت دیر ہو رہی ہے"

زہرہ دوسرے کمرے میں گئی اور کوئی ایک گھنٹہ کے بعد چودھویں کا چاند بن کر طلوع ہوئی، نیاز نے اس کے سراپا پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"بھئی غضب کر دیا تم نے..... اس طرح چلو گی!"

"کیوں؟ کیا ہوا؟..... اور کس طرح چلوں؟"

"میرا تو کوئی حرج نہیں ہے، لیکن سوچ سمجھ لو!"

"کیا سمجھ لوں؟"

"اگر کہیں ماموں جان کی نیت بدل گئی اور وہ زحمت کے بجائے تم سے شادی کرنے پر مچل گئے تو دلہن بننا پڑے گا'..... ہو تیار!"

زہرہ کرسی پر بیٹھ گئی۔

"بس تو آپ تشریف لے جائیے، میں ایسے خطرناک آدمی کے ہاں نہیں جاتی!"

"ارے تم ہمیشہ سے مجھے جھوٹا سمجھتی ہو، اس وقت اتنا سچا سمجھ بیٹھیں کہ ارادہ ہی بدل دیا.... میں تو مذاق کر رہا تھا!"

"نا بابا، میں نہیں جاتی!"

"آخر کیوں نہیں جاتی.... میرے ان مذاقیہ الفاظ سے!"

"جی ہاں، آپ نے تو مذاق کر دیا، اور وہاں اگر یہ مذاق سچ ہو گیا تو میں کیا کروں گی..... کسی کی جان گئی، آپ کی ادا ٹھہری.... ان رئیسوں اور امیروں کا ٹھکانہ بھی کیا ہے، نہ نیت بدلتے دیر، نہ فیصلہ تبدیل کرنے میں تامل، میں آپ کی شکرگزار ہوں کہ آپ نے پہلے سے مجھے آگاہ کر دیا، بہرحال اب میں نہیں جاؤں گی!"

نیاز جھنجھلا گیا۔

"خدا کی قسم میں مذاق کر رہا تھا۔ للہٰ بات کا بتنگڑ نہ بناؤ.... یہ میری عزت کا سوال ہے میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا، عاق کر دیا جاؤں گا گھر میں گھسنے نہیں پاؤں گا!"

زہرہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"کون سی قیامت ٹوٹ پڑے گی، میرے ہاں چلے آئیے گا، میرے گھر کو اپنا گھر سمجھ لیجئے گا!"

نیاز عاجزانہ لہجہ میں بولا۔

"وہ تو سمجھ گیا، لیکن خدا کی بندی میرے پچھلے نامعلوم اور ناکردہ گناہوں کا انتقام نہ لو، میری بیچارگی پر رحم کرو، معاف کر دو، اٹھو دیر ہو رہی ہے آؤ چلیں!"

زہرہ مسکراتی ہوئی اٹھی، اپنی ایک خادمہ اور دو نوکروں کو حکم دیا کہ وہ اگلی موٹر پر پیچھے چلیں اور خود نیاز کے ساتھ آ کر اس کی کار میں بیٹھ گئی۔

کار نیاز خود ڈرائیو کر رہا تھا۔ زہرہ پاس بیٹھی تھی، اس نے پوچھا۔

"آخر آپ کے ماموں جان کو اس عمر میں شادی کرنے کی سوجھی کیا ہے؟"

نیاز نے اسٹیرنگ کو ادھر ادھر جنبش دیتے ہوئے اور ناک کی سیدھ پر نظر رکھتے ہوئے کہا۔

"چل تو رہی ہو، پوچھ لینا انہی سے"

زہرہ نے ذرا خفا ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ نہیں بتائیں گے؟"

نیاز بولا

"بھئی اس کی وجہ تجسس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟"

"ان کی بیوی زندہ تو ہوں گی؟"

"نہیں، خوش قسمت تھیں مر گئیں!"

"کوئی اولاد؟"

"بے اولاد ہیں!.... مجھے متبنیٰ بنایا تھا، لیکن اب جبکہ ان کے ہاں اولاد پیدا ہو گی اور میں محروم رہ جاؤں گا!"

"پھر اتنے جوش و خروش سے اس شادی میں آپ حصہ کیوں لے رہے ہیں؟"

"ماموں جان کا مایوس چہرہ نہیں دیکھا جاتا مجھ سے، اس حالت میں انہیں دیکھ کر میرا جی چاہتا ہے وہ پوری چار شادیاں کر لیں، زندگی کے یہ باقی چند روز بیچارے ہنسی خوشی گزار لیں!"

"کیا کہنا، بڑے سعادت مند ہیں آپ!"

"ماموں جان کا بھی یہی خیال ہے!"

"اور خود آپ کا خیال کیا ہے، اپنے بارے میں، سچ کہیے گا؟"

"وہی جو آپ کا ہے!"

"لیکن وہ تو کچھ زیادہ اچھا نہیں ہے!"

نیاز نے ابھی اس چبھتے ہوئے جملہ کا کوئی جواب نہ دیا کہ ایک خوشنما کوٹھی کے پورٹیکو میں کار آ کر رک گئی، زہرہ نے اترتے ہوئے پوچھا۔

"یہی ہے جمال پور۔"
نیاز نے کار کا دروازہ زور سے بند کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں!"

"لیکن یہ تو بڑی سنسان جگہ نظر آ رہی ہے برات کا دھوم دھڑکا تو نظر نہیں آتا۔"

"یہاں سے ماموں جان کو لے کر ایک گاؤں ہے نسبت پور، وہاں چلیں گے وہیں دھوم دھام نظر آئے گی۔ کیا انتظامات کئے ہیں، واللہ طبیعت خوش ہو جائے گی وہاں جا کر۔"

"تو یہاں اکیلے وہ کیا کر رہے ہیں؟"

"انتظار! گو مجھے سعادت مند سمجھتے ہیں، لیکن میری سعادت مندی پر بھروسہ نہیں کرتے، سوچا ہوگا، ممکن ہے یہ لونڈا یوں ہی گپ ہانک رہا ہو، زہرہ کو نہ لا سکے، یہاں آ کر جم گئے کہ جاؤ، زہرہ کو لے کر آؤ، پھر جاؤں گا نسبت پور اور اگر نہ لائے تو شادی کا پروگرام منسوخ!"

زہرہ غور سے باتیں سنتی رہی، پھر بولی

"بھلے معلوم ہوتے ہیں مجھے تو۔"

نیاز نے تائید کی۔

"اور کیا!..... سیدھے ہی تو گئے ہیں بیچارے، آؤ چلو دیکھ لو چل کر ان ذات شریف کو۔" نیاز زہرہ کو لے کر انجم کے کمرے میں پہنچا اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہی ہیں!"

اور پھر تیزی سے باہر نکل گیا۔

زہرہ حیران و پریشان، انجم کو دیکھتی رہی۔ واقعی جو اس نے نیاز کے ماموں کی تصویر اپنے تصور کے مو قلم سے کھینچی تھی، وہ ایک از کار رفتہ بوالہوس بوڑھے کی تھی لیکن اس کے سامنے ایک جوان رعنا کھڑا تھا۔ جو نظر زیب بھی تھا اور دل فریب بھی۔ جو ایک طرف حسن دلاویز کا ایک حسین مرقع تھا تو دوسری طرف وقار اور وجاہت کی تصویر۔ وہ کس طرح یقین کر لیتی، یہ نیاز کا بوڑھا ماموں ہے۔"

ضرور یہ نیاز کی شرارت ہے۔ نہ معلوم کس آدمی کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا کمبخت نے۔ پیچھے گھوم کر دیکھا تو نیاز صاحب غائب تھے۔

اب تو وہ بہت سٹپٹائی، اسے اس حالت میں دیکھ کر انجم نے پوچھا۔

"آپ کس سے ملنا چاہتی ہیں؟"

زہرہ نے گھبراتے ہوئے لہجے میں پوچھا

"کیا یہ گھر نیاز صاحب کے ماموں کا نہیں ہے؟"

"نیاز کے ماموں کا تو نہیں، خود اسی کا ہے۔ ممکن ہے ماموں ہی کا ہو۔ لیکن اس سے مطلب؟"

"کیا وہ یہاں نہیں ہیں؟"

"کون؟ — ماموں؟"

"جی!"

"نہیں وہ یہاں نہیں ہیں، مجھے یہ بھی معلوم نہیں وہ ہیں بھی یا نہیں! میرے خیال میں تو عرصہ ہوا اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں، لیکن آپ کا مطلب؟"

وہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔

"اس غلط فہمی پر میں نادم ہوں!"

"غلط فہمی پر!"

"جی ہاں اور کیا . . . . یہ غلط فہمی تو ہے۔"

"یعنی آپ مجھے نیاز کا ماموں سمجھ رہی تھیں؟"

کچھ سمجھ میں نہ آیا کیا جواب دے، وہ مسکرا دی لیکن اس مسکراہٹ سے کتنی بے بسی نمایاں تھی۔

انجم نے اخلاق اور تپاک کے ساتھ کہا۔

"تشریف رکھئے!"

وہ بیٹھ گئی۔

پھر انجم ابھی حاضر ہوا کہہ کر باہر چلا گیا وہ تیزی کے ساتھ نیاز کے کمرے میں پہنچا اور کرخت لہجے میں بولا۔

"نیاز! یہ کون صاحبہ میرے کمرے میں رونق افروز ہیں!"

نیاز نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا۔

"میری ایک دوست ہیں"

"لیکن تمہارے ماموں جان کو کیوں تلاش کر رہی ہیں؟"

"ان سے بھی دوستی ہو گی کسی زمانہ میں۔"

"تم اپنی بدمعاشیوں سے باز نہیں آؤ گے؟"

بڑی سادگی کے ساتھ نیاز نے کہا۔

"مجھے نہیں یاد پڑتا ہے کہ اس قسم کا غیر ذمہ دارانہ وعدہ میں نے کیا ہو۔"

انجم نے سفاہت آمیز لہجہ میں کہا۔

"خدا کے بندے بات کیا ہے؟ کچھ بتاؤ تو۔"

وہ کہنے لگا۔

"بات کیا ہوتی، اس کا نام زہرہ ہے، مشہور رقاصہ اور مغنیہ ہے، اپنے فن میں طاق اور شہرۂ آفاق، میری پہلی ملاقات اس سے لندن میں ہوئی تھی جی گھبرا رہا تھا۔ تفریحاً دو چار دن کے لئے یہاں مدعو کر کے لے آیا ہوں، مع پاندان، خاصدان، پیچوان کے تشریف لائی ہیں، ذرا تمہاری بھی جی بہل جائے، عورت بڑی نستعلیق ہے، پڑھی لکھی شائستہ مہذب اس کی طبیعت سے واقف ہو گے تو خوش ہو گے۔"

انجم توجہ سے اس کی باتیں سنتا رہا پھر گویا ہوا۔

"مان لیتا ہوں یہ ساری تعریف بالکل صحیح اور درست ہے۔"

"لیکن پھر بھی شبہ باقی رہ گیا ہے کچھ!"

"جی ہاں . . . سوال یہ ہے کہ آپ اس سے "یہی ہیں" کہہ کر بھاگے کیوں! اور اس نے ماموں جان کے بارے میں مجھ سے سوال کیوں کیا؟"

"اس کے بارے میں میں کیا بتا سکتا ہوں!"

"ضرور یہ تمہاری بدمعاشی ہے، تم نے اسے یہی بتایا ہوگا کہ میں تمہارا ماموں ہوں۔"

"فرض کیجئے آپ کا خیال صحیح ہے، تو کیا آپ کے لئے میرا ماموں ہونا باعث توہین ہے۔"

انجم ہنسنے لگا۔

"بڑے شیطان ہو، لاحول ولا قوۃ۔"

وہ اپنے کمرے میں پھر واپس آ گیا اور زہرہ کو بھی نیاز کے کمرے میں بھیجا گیا، یہاں آ کر جو زہرہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا ہے تو بے چارے کو جان بچانا مشکل ہو گئی لیکن آدمی تھا حاضر جواب اور بذلہ سنج، ذرا دیر میں اس نے زہرہ کو راضی کر لیا اور انجم کی ساری سرگذشت بھی سنا دی۔

انجم کی داستان سن کر زہرہ متاثر ہوئی۔ انجم نیاز سے پورا پورا تعاون کیا لیکن انجم کے مرجھائے ہوئے دل کی کلی نہ کھل سکی اس پر افسردگی اور اضمحلال کی جو کیفیت طاری تھی وہ دور نہ ہو سکی اس روز زہرہ نے گایا بھی تو دل لگا کر اور اس قیامت کا رقص کیا تھا کہ اگر انجم کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید مسحور اور دیوانہ ہو جاتا، لیکن انجم کی کیفیت میں کوئی فرق نہ آیا۔

زہرہ کے مشورہ سے ایک روز نیاز نے شکار کا پروگرام بنایا۔ یہاں سے چند میل کے فاصلے پر ہرن، سانبھر، نیل گائے وغیرہ کے ڈار کے ڈار رہتے تھے خیال یہ تھا کہ شکار کی مصروفیت اور دلچسپی ممکن ہے انجم کے دل میں کوئی اثر پیدا کر دے اور کچھ نہیں تو ذرا ہی دیر کے لئے شائستہ کو بھول کر ایک نئی دنیا سے دلچسپی لینے لگے۔

انجم سے پوچھا گیا تو اس نے بڑی آمادگی کے ساتھ کہا۔

"ضرور چلو!"

زہرہ بولی "لیکن انجم صاحب خالی خولی چلنے کی سند نہیں آپ کو شکار کرنا ہی پڑیگا!"

انجم نے جواب دیا۔

"جی نہیں، مجھ میں اتنی جرأت نہیں ہے!"

نیاز نے پوچھا

"کیا مطلب؟"

انجم گھبرا گیا۔

مطلب یہ کہ شکار مس زہرہ ہی کریں گی، یہ ان کا ہی کام ہے"

زہرہ حیرت سے انجم کا منہ دیکھنے لگی کہ اس حریف بے زبان کو بھی گرم گفتاری کے جوہر دکھانا آتے ہیں۔

نیاز نے کہا۔

"سنا آپ نے مس زہرہ! انجم صاحب فرماتے ہیں مس زہرہ کا کام شکار کرنا ہے — کہئے، کچھ فرمائیے گا اس کے جواب میں؟"

وہ بے چاری جھینپ گئی کہنے لگی۔

"جی نہیں!"

"تو آپ نے معاف کر دیا انجم صاحب کو؟"

"انہوں نے خطا کیا کی تھی جو معافی کا سوال پیدا ہو!"

"ہاں صاحب خطاوار، قصوروار، قابل دار تو ہم ہیں، انجم صاحب ان خوش نصیبوں میں ہیں کہ پھانسی کے پھندے کو بھی ان پر پیار آئے گا۔ خیر اپنی اپنی قسمت اپنا اپنا نصیب — اچھا تو مس زہرہ چلئے، کیجئے چل کے شکار!"

انجم نے پوچھا

"کیا شکار کرنے کے لئے کہیں باہر جانے کی ضرورت بھی ہے؟"

نیاز نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"اور لیجئے مس زہرہ ایک نہ شد دو شد! انجم صاحب کیا فرما رہے ہیں آپ کے سمع مبارک تک پہنچا؟"

وہ اٹھلاتی ہوئی، مسکراتی ہوئی بولی

"جی سن لیا!"

نیاز نے چھیڑتے ہوئے کہا۔

"تو اب بھی کچھ نہیں کہیں گی آپ! ان تیز باتوں کو شربت کا گھونٹ سمجھ کر پی جائیں گی؟"

زہرہ ہنسنے لگی۔

"آخر آپ انجم صاحب کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں۔ انہوں نے ایک بات کہی اور آپ نے دہائی دینا شروع کر دی۔ کیوں انجم صاحب یہ نیاز صاحب آپ سے اتنے الجھے کیوں رہتے ہیں؟ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے بہت دنوں سے تاک میں ہوں!"

انجم نے جواب دیا۔

"بات یہ ہے کہ یہ حضرت چاہتے ہیں کہ ان کا شکار کر لیا جائے لیکن اب تک ان کی یہ تمنا پوری نہیں ہوئی۔ بس یہی ذہنی کشمکش ہے جو تلخ الفاظ کی صورت میں نمودار ہوتی رہتی ہے۔"

زہرہ بولی

"یہ تو عجیب بات کہی آپ نے۔"

"ہاں مس زہرہ میں غلط نہیں کہتا۔ اس بے چارے نے اس مقصد کے حصول کے لئے کیا کیا پاپڑ نہیں بیلے۔ لندن گیا۔ وہاں کئی سال، فرانس کی سیر کی، روم گیا اور وہاں کی ہوٹلوں میں زندگی کے کئی دن اور کئی راتیں بسر کیں، قاہرہ، بغداد، بمبئی، کلکتہ، کراچی، لاہور، کہاں کہاں کی سیر نہ کی۔ ایک جگہ بھی کسی صیاد نے نظر بھر کر اس شکار کو دیکھا، نہ کسی نے تیر پھینکا، نہ پیکان، نہ خنجر، نہ شمشیر، جیسے گئے تھے ویسے ہی پھر پھر کر واپس آ گئے۔"

نیاز جل ہی تو گیا ان باتوں سے۔

"اور آپ کا تو شاید ہر جگہ اتنا شکار ہوا کہ قیمہ بن کر رہ گئے۔"

زہرہ زور سے ہنس پڑی۔

"اچھا چھوڑیئے یہ باتیں، شکار کو چلنا ہے یا نہیں۔"

نیاز نے جواب دیا۔

"میں نہیں جانتا پوچھئے انہی انجم صاحب سے۔"

زہرہ نے انجم سے پوچھا۔

"کیوں انجم صاحب؟"

اسے شاید نیاز کو چھیڑنے اور جلانے میں مزہ آ رہا تھا۔

"میں تو تیار ہوں لیکن اگر نیاز صاحب نہ گئے تو لطف ہی کیا آئے گا خاک؟"

"جی نہیں، آپ تشریف لے جایئے۔ میں یہاں اطمینان سے بیٹھ کر نماز پڑھوں گا جب سے آپ لوگ تشریف لائے ہیں ایک وقت کی بھی نہ پڑھ سکا۔"

انجم نے پھر چھیڑا۔

"تو میرے بھائی اگر واقعی نماز پڑھنی ہے تو یہاں سے زیادہ سکون اور دلجمعی کے ساتھ وہاں پڑھ سکو گے۔ بہر حال چلو مزہ رہے۔"

زہرہ نے صلح کرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا نیاز صاحب اب غصہ تھوک دیجئے شکار کے پروگرام پر عمل کیجئے جلدی۔"

"ورنہ آپ خفا ہو جائیں گی کیوں مس زہرہ؟" انجم نے کہا۔

"ہاں ضرور خفا ہو جاؤں گی بلکہ اسی وقت بوریہ بستر باندھ کر روانہ ہو جاؤں گی اپنے گھر۔" زہرہ مسکراتی ہوئی بولی۔

بڑی دیر تک ان لوگوں میں یونہی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی پھر جلدی جلدی کھانا تیار کیا گیا۔ ناشتہ دان میں رکھا گیا، نیاز نے ایک بندوق خود لی، ایک انجم کو دی، ایک زہرہ کے ہاتھ میں تھمائی، دوسری کار میں ہانکا کرنے والے اور دوسرے ملازم بیٹھے اور یہ مختصر سا قافلہ شکار کا پروگرام بنا کر دن بھر کے لئے دس بارہ میل کے فاصلے پر جابان کے جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔

شکارگاہ میں پہنچنے کے بعد ایک اطمینان کی جگہ پر فرش بچھا کر یہ لوگ بیٹھ گئے اور ہانکا کرنے والے ہرنوں سانبھروں اور نیل گایوں کو ہانکا کرنے اور انہیں گھیر کر شکاریوں کے سامنے لانے کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب تک شکار سامنے نہ آئے کیا کیا جائے۔ گپ ہونی چاہیئے چنانچہ نیاز نے اس سلسلہ کا آغاز کر دیا۔ انجم سے پوچھا۔

"کیوں جی جب جانور گولی کھا کر تڑپتا پھڑکتا اور پھڑپھڑاتا ہے تو تمہیں رحم آتا ہے یا نہیں۔"

انجم نے جواب دیا۔

"بہت آتا ہے اسی لئے تو میں نے شکار کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

"پھر یہ بندوق تمہارے ہاتھ میں کیوں ہے؟"

"لاٹھی کی جگہ۔ اگر کوئی جانور گستاخی پر مائل ہو تو اس سے ڈرا کر بھگا دوں گا۔"

اب نیاز کا روئے سخن زہرہ کی طرف تھا۔

"اور آپ؟"

وہ مسکرائی۔

"میں کیا؟"

نیاز نے پوچھا۔

"میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کو شکار کے تڑپنے، پھڑکنے اور پھڑپھڑانے پر رحم

آتا ہے یا نہیں؟"

وہ بولی

"آتا تو ہے لیکن اس سے زیادہ لطف شکار میں آتا ہے۔ اسی لئے یہ عادت چھوڑے نہیں چھٹتی۔"

انجم ہنسنے لگا۔

"مس زہرہ اس صاف گوئی کی داد دیتا ہوں۔"

نیاز نے کہا۔

"میں بھی داد دیتا ہوں، لیکن صاف گوئی کی نہیں، آپ کے جذبۂ خوں آشامی کی، اللہ اللہ آپ کی سفاکی کا یہ حال ہے کہ شکار کے تڑپنے پھڑکنے پر اتنا رحم نہیں آتا جتنا لطف شکار میں آتا ہے۔ — پھڑکا ہے کہ بچے کا کوئی پہلو مرے دل کا۔"

مصرعہ اس سادگی اور روانی سے نیاز نے پڑھا کہ زہرہ اور انجم دونوں کو بیساختہ ہنسی آگئی۔ زہرہ نے کہا۔

"نیاز صاحب جانتی ہوں آپ کو بہت سے اشعار یاد ہیں لیکن یہ بات آپ مان لیجئے کہ مناسب موقع پر انہیں پڑھنے اور استعمال کرنے کا سلیقہ آپ کو بالکل نہیں آتا ورنہ یہ مصرعہ آپ قطعاً نہ پڑھتے۔"

نیاز نے بڑی بے پروائی کے ساتھ کہا۔

"مانے لیتا ہوں — تم ہی بچے بچی اس بات کا جھگڑا کیا ہے۔"

انجم نے ٹوکا

"پھر شعر؟"

اس نے جواب دیا۔

پہلے شعر اور مصرعہ کے درمیان تمیز کرنے کی صلاحیت پیدا کرو، پھر اعتراض کرنا

— اور یہ ارے واہ ہیں۔"

اور ایک دھماکے کی آواز ہوئی، سامنے ایک ہرن تڑپ رہا تھا۔

بات یہ ہوئی کہ اس گفتگو کے دوران میں کوئی قسمت کا مارا ہرن ادھر سے گزرا
نیاز صاحب کی دوررس نگاہ نے باتیں کرتے کرتے اسے دیکھ لیا اور ایک شست
باندھ کر جو لبلبی دبائی ہے تو رقص بسمل کا تماشا نظر کے سامنے آگیا۔"

جلدی سے اٹھ کر نیاز نے اسے ذبح کیا اور پھر آ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

انجم نے داد دی۔

"بڑے زبردست قادر انداز ہو۔ باتیں کرتے کرتے ایسا نشانہ لگایا کہ دیکھتے
دیکھتے وہ بیچارہ تڑپنے لگا۔"

نیاز نے فخر سے ادھر ادھر دیکھا اور گویا ہوا۔

"بھائی عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔" اسی ایک فن میں تو مہارت
پیدا کی ہے۔ لیکن سچ کہنا کیسا بے پناہ نشانہ لگایا ہے میں نے۔"

زہرہ بولی

"کیا کہنا ہے نیاز صاحب آپ کا، ماشاء اللہ سبحان اللہ۔"

انجم نے پوچھا۔

"لیکن اب اس ہرن کا کیا ہوگا۔"

نیاز نے جواب دیا۔

"کباب بنیں گے، بوٹیاں بھونی جائیں گی اور ہم لوگ نہایت ٹھاٹھ سے
اپنے کام و دہن کو لذت آشنا کریں گے۔"

"لیکن کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ یہ سب یہیں ہو؟"

"یعنی یہیں کباب بنیں۔"

"ہاں اور کیا۔"

"ضرور ہو سکتا ہے، بشرطیکہ مس زہرہ ذرا دیر کے لئے آدمی بن جائیں۔"

مس زہرہ نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"کیا میں اس وقت آدمی نہیں ہوں، کچھ اور ہوں؟"

نیاز نے کہا

"ہاں بے شک اس وقت آپ آدمی نہیں ہیں۔"

زہرہ بگڑ گئی۔

"پھر کیا ہوں۔"

بے ساختگی کے ساتھ نیاز کے منہ سے نکلا۔

"ترکی حور۔"

اسی بے ساختگی کے ساتھ زہرہ اور انجم ہنسنے لگے نیاز نے سلسلہ کلام جاری
رکھتے ہوئے کہا۔

"میرا مطلب یہ تھا کہ آپ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بہت دنوں سے نہیں کھایا
ہے۔ آج اگر آپ کے بنائے ہوئے کباب کھانے میں آجائیں تو کیسا لطف آئے۔"

وہ آمادگی کے ساتھ بولی

"تو میں کب انکار کرتی ہوں۔ شکار سے فارغ ہو کر گھر چلئے، میں خود اپنے
ہاتھ سے جو کچھ مجھے آتا ہے اچھا برا پکا کر پیش کر دوں گی۔"

نیاز چیخ پڑا

"شکریہ، شکریہ، مس زہرہ آپ کی اس نوازش کا بہت بہت شکریہ، لیکن انجم
کا جی تو اس وقت چاہ رہا ہے لہٰذا آپ کو ابھی، اسی وقت، یہیں زحمت کرنی پڑے گی۔"

انجم بیچ میں بول پڑا۔

"جی نہیں، میں نے تو یونہی ایک بات کہہ دی تھی۔ نہ یہاں پکایا جا سکتا ہے
نہ کوئی مہذب آدمی کھا سکتا ہے۔ یہ پروگرام گھر ہی پر ملتوی رکھو۔ کیوں پریشان کر
رہے ہو بیچاری مس زہرہ کو، کسی کے اخلاق اور مروت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہئے۔"

نیاز خاموش ہو گیا۔

زہرہ نے پوچھا۔

"کیوں آپ چپ کیوں ہو گئے؟"

"کیا کہوں، جو بات میرے منہ سے نکلے گی انجم صاحب اس کی مخالفت کریں گے اور آپ تائید کریں گی، پھر فائدہ کیا کچھ بولنے کا۔"

زہرہ نے اطمینان دلایا۔

"نہیں اب ایسا نہیں ہوگا!"

نیاز نے استفساراً دریافت کیا،

"اور اگر آپ دونوں میں سے کسی نے اختلاف کیا تو؟"

زہرہ اور انجم نے بیک آواز یقین دلایا۔

"تو آپ کو اختیار ہے جو سزا چاہیں ہمارے لیے تجویز کریں۔"

اس یقین دہانی کے بعد نیاز صاحب نے نہایت لحاظ سے زہرہ کی طرف دیکھا اور فرمایا۔

"گانا سنائیے۔"

زہرہ حیرت سے نیاز کو دیکھنے لگی۔

"گانا سناؤں؟ — یہاں۔"

نیاز نے فتحمندانہ لہجے میں جواب دیا۔

"جی ہاں گانا سنائیے اور یہاں سنائیے اگر آپ نے لیت و لعل سے کام لیا تو میں فوراً سزا کا فرمان بھی صادر کر دوں گا اور کہوں گا کہ ناچئے بھی، پھر لاکھ لاکھ آپ فرمائیں کہ جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا، لیکن میرا حکم نہیں ٹل سکے گا۔"

وہ عاجزی اور بے کسی کے ساتھ انجم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی،

"لیکن نیاز صاحب سنیئے تو۔"

"سنائیے — اسی کی تو فرمائش کر رہا ہوں اتنی دیر سے۔"

وہ بولی

"میں کہہ یہ رہی ہوں کہ دوپہر کا وقت ہے اس جنگل میں جہاں نہ آدم نہ آدم زاد، گانے کا لطف کیا آئے گا۔"

"مجھے تو آئے گا، میں تو اپنے لطف کے لیے فرمائش کر رہا ہوں، مجھے اس سے کیا سروکار کہ آپ بھی اپنے گانے سے لطف اندوز ہوں گی یا نہیں۔ جی شروع کر دیجیے پھر۔"

زہرہ نے انجم سے کہا۔

"دیکھتے ہیں انجم صاحب آپ نیاز کی زیادتی، بھلا یہ بھی کوئی بات ہوئی؟"

انجم نے کہا

"مان لیجیے مس زہرہ اس دیوانے کی بات۔"

نیاز نے نعرہ سر کیا۔

"اوہو، پتھر میں جونک لگی یعنی حضرت انجم صاحب بھی گانا سننے کے موڈ میں ہیں۔ مس زہرہ، اپنی خوش نصیبی پر آپ فخر کیجیے، میں رشک کرتا ہوں، اور خدا کا نام لیکر بس تو اب شروع کر دیجیے، یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔"

انجم مسکرانے لگا۔ زہرہ کے ہونٹوں پر بھی تبسم کھیلنے لگا۔ وہ ٹھیک سے گانے کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گئی، پھر اس نے پوچھا،

"پکا گانا سناؤں یا کوئی غزل؟"

نیاز نے کہا

"پکا گانا سنکر تو ہرن بھی ہمیشہ کے لیے یہاں سے بھاگ جائیں گے۔ آپ تو براہِ کرم کوئی غزل سنائیے پھڑکتی ہوئی سی — حسرت کی۔"

وہ گانے لگی۔

شکار کا دن مصروفیت اور دلچسپی میں گزر گیا، شام کو یہ قافلہ بخیریت اپنے مستقر پر پہنچا۔ بہت سا گوشت ادھر ادھر تقسیم کر دیا گیا، لیکن ہرن کے گوشت کے کباب اور کوفتے اور [illegible] نکالنے کا بقیہ گوشت زہرہ نے اپنے ہاتھ سے تیار کیا۔ واقعی یہ چیزیں بڑے مزے کی بنی تھیں۔ خوب مزے لے لے کر نیاز نے کھایا اور انجم کو بھی زیادہ سے زیادہ کھانے اور داد دینے پر مجبور کیا۔ اسے نیاز کی وجہ سے بہرحال [illegible]

دلدہی کرتی تھی۔ اس نے کھایا کم اللہ داد زیادہ دی۔

کوئی بارہ بجے رات تک یہ تینوں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ فرش پر نشست تھی، گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے یہ لوگ بیٹھے تھے۔ باتیں کرتے ہوئے انجم نے نیاز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے زہرہ سے کہا۔

"ملاحظہ فرمایئے۔"

زہرہ نے دیکھا تو نیاز بے خبر سو چکے تھے اور ہلکے خراٹوں کی لے بلند ہو رہی تھی۔

وہ ہنستی ہوئی بولی۔

"ان حضرت کی یہ پرانی عادت ہے۔"

انجم نے پوچھا۔

"لندن میں بھی اس کے یہی لچھن تھے؟"

زہرہ نے جواب دیا۔

"جی بالکل یہی، اس وقت تو ہم آپ یہاں موجود تھے، آپ اس کے لنگوٹیا یار، مجھ سے بھی پرانے دوستانہ تعلقات ہی تھیں لندن میں تو بار بار ایسا ہوا ہے کہ کسی کلب میں تشریف فرما ہیں، ادھر ادھر دوست احباب کا مجمع لگا ہے، اس مجمع میں لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی گپیں ہو رہی ہیں، یہ حضرت بڑھ بڑھ کے گپوں میں حصہ لے رہے ہیں، دفعتاً ایسا محسوس ہوا کہ نیاز صاحب خاموش ہو گئے۔ غور سے جو دیکھا تو کرسی سے ٹیک لگائے خواب خرگوش میں مصروف ہیں۔ جھنجھوڑا، جگایا، آنکھیں ملتے ہوئے بیٹھے اور بڑی سادگی سے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا۔

"کیا کروں نیند میری ہے — معاف کیجئے گا۔"

پھر بیٹھے بیٹھے کرسی پر پاؤں پھیلا لیتے، اور غائب۔"

انجم بڑی دلچسپی سے یہ باتیں سنتا رہا پھر اپنے کمرہ میں جانے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا۔

"اس نامعقول آدمی کو یہیں سونے دیجئے — یہ اس کی سزا ہے۔"

زہرہ بھی مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے آپ کی رائے سے کامل اتفاق ہے۔"

دونوں اپنے اپنے کمرہ میں چلے گئے۔

انجم بستر پر لیٹ کر کوئی کتاب پڑھنے لگا۔ یکایک اسے آہٹ سی محسوس ہوئی نظر اٹھا کر دیکھا تو زہرہ کھڑی تھی، وہ ہڑبڑا کر پہلے تو بستر پر بیٹھا پھر بستر سے اتر کر کھڑا ہو گیا، اسنے کہا

"آیئے مس زہرہ، تشریف لایئے"

وہ سامنے کی آرام کرسی پر اطمینان سے بیٹھتی ہوئی بولی۔

"آپ کی کمزوری بھی تو کہیں نیند نہیں ہے کہ میں باتیں شروع کروں اور آپ خراٹوں سے جواب دیں۔"

انجم نے ایک زوردار قہقہہ لگایا

"نہیں نہ نیند میری کمزوری نہیں ہے بلکہ میں اس کی کمزوری ہوں۔"

ایک برق پاش تبسم کے ساتھ سوال ہوا۔

"وہ کیسے۔"

"میں نیند کو اپنے قریب بہت کم موقع دیتا ہوں آنے کا۔"

"کب سے —؟ میرا مطلب یہ ہے کہ یہ کم خوابی کی عادت پرانی ہے یا ادھر کچھ دنوں سے اس مرض میں مبتلا ہو گئے ہیں آپ؟"

یہ ذرا چبھتا ہوا سا سوال تھا، حاضر جواب ہونے کے باوجود انجم اس کا جواب فوراً نہ دے سکا۔ اور جھجکتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا مس زہرہ!"

زہرہ کو ہنسی آ گئی

یہ سوال بھی ایسا ہی بے ڈھب تھا۔

انجم کھسیانہ سا ہو گیا

زہرہ نے پھر وار کیا

"میرا مطلب یہ تھا کہ اختر شماری آپکی دیرینہ عادت ہے یا اب اس سے پالا پڑا ہے؟"

انجم نے جواب دیا۔

شاید آپ یہ پوچھنا چاہتی ہیں کہ یہ مرض یہاں آپ کی تشریف آوری کے بعد سے ہوا ہے یا پہلے سے تھا۔ میں بہت صاف گو آدمی ہوں لیکن اس سوالی کا صاف جواب اگر میں دوں تو شاید آپ برا مان جائیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی خاطر سے کہہ دوں یہ مرض بہت پرانا ہے۔"

یہ باتیں انجم نے کچھ ایسے مزے سے کہیں کہ زہرہ کے کان کی لویں تک سرخ ہو گئیں وہ خاموش ہو گئی انجم اپنی اس فتحمندی پر خوش ہوا

"آپ تو خاموش ہو گئیں۔ کہئے اس وقت کیسے زحمت گوارا فرمائی آپ نے۔"

اب وہ اپنے آپ میں واپس آ چکی تھی، کہنے لگی۔

"آپ کا مرض متعدی معلوم ہوتا ہے۔ جب سے یہاں آئی ہوں نیند آتی ہی نہیں ہے۔"

پھر بات کا پہلو بدلتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہنے کو جی چاہتا ہے آپ سے —— اجازت ہے۔"

وہ مستعدی اور آمادگی کے ساتھ بولا۔

"ضرور۔ فرمایئے۔"

وہ کہنے لگی

نیاز کا بیان ہے کہ آپ کسی غم میں مبتلا ہیں خود میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہی ہوں۔"

انجم نے سوال کیا

"آپ کیا محسوس کر رہی ہیں؟"

"یہ کہ آپ کچھ کھوئے کھوئے سے رہتے ہیں، ہماری مجلسوں میں حصہ لیتے ہیں لیکن بے دلی سے مسکراتے ہیں ہنستے ہیں قہقہے لگاتے ہیں لیکن اوپری دل سے

یوں تو آج ہمارے ساتھ شکار کو بھی گئے تھے۔ لیکن ——"

"نہیں مس زہرہ مروت کی ضرورت نہیں۔ جو کچھ کہہ رہی تھیں ضرور کہئے۔ جی لیکن ——

وہاں بھی آپ ایسے گم سم بیٹھے رہے جیسے کسی مزار پر فاتحہ کے لئے گئے ہوں۔"

انجم نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"اور کچھ"

وہ بولی

"میں نے کتنے چاؤ اور شوق سے کباب تیار کئے، کوفتے بنائے گوشت پکایا لیکن آپ نے مشکل سے دو چار لقمے کھائے ہوں گے۔"

"لیکن میری کسر نیاز نے پوری کر دی پھر آپ کو شکایت کا کیا موقع ہے؟"

"لیکن یہ محنت میں نے نیاز کے لئے تو نہیں کی تھی۔ میں نے تو آپ کے لئے پکایا تھا یہ سب، نیاز نے سب چٹ کر دیا تو کیا ہوا، آپ نے تو نہیں کھایا۔ آپ اگر کھاتے تو مجھے خوشی ہوتی۔"

"اچھا تو پھر کسی روز تکلیف کیجئے انشاء اللہ شکایت کا موقع نہیں دوں گا، لیکن پہلے سے بتا دیجئے گا تاکہ دن کا روزہ نہ رکھ لوں۔"

زہرہ نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"آپ تو مذاق کرتے ہیں۔ بنا رہے ہیں مجھے۔"

ابھی انجم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ اس کے کانوں میں آواز آئی۔

"جناب نہ میں پہلے سو رہا تھا نہ اب سو رہا ہوں جب میری آنکھیں بند تھیں اور بظاہر بالکل خوب بند تھیں۔ جب بھی میں سب کچھ سن رہا تھا اور اب بھی میری آنکھیں کھلی ہیں اور حضرات نہایت انہماک اور اپنایت کے ساتھ مصروف تکلم ہیں سب کچھ سن رہا ہوں۔"

نیاز شوخی اور شرارت کی تصویر بنا سامنے کھڑا تھا۔"

انجم نے کہا

"واقعی تمہاری کمی محسوس ہو رہی تھی آؤ بیٹھو۔"

نیاز نے زہرہ پر ایک نگاہِ غلط انداز ڈالتے ہوئے اور اس کے قریب کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"کیوں مس زہرہ اجازت ہے؟"

اس وقت نیاز کا یوں آنا اور اس طرح کی باتیں کرنا اسے ناگوار گزرا تھا۔ لیکن وہ اپنی اس کیفیت کا اظہار نہیں کر سکتی تھی یا کرنا نہیں چاہتی تھی اس نے بظاہر مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کو بھی اجازت کی ضرورت ہے؟"

نیاز نے پوچھا،

"کیوں؟ میں کیوں اس عام ایٹی کیٹ سے مستثنیٰ ہوں؟ یہ تو قاعدے کی بات ہے کہ جب دو آدمی خلوت میں بیٹھے باتیں کر رہے ہوں تو کسی اور آدمی کو بلا اجازت وہاں نہیں جانا چاہیئے۔"

زہرہ کا تبسم اور زیادہ نمایاں ہو گیا۔

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن ایک ہستی ایسی بھی ہے جس سے لوگ پناہ مانگتے ہیں لیکن وہ ہر جگہ آ موجود ہوتی ہے اور وسوسہ اندازی کرتی رہتی ہے۔"

انجم نے لقمہ دیا۔

"جی ہاں اس ہستی سے پناہ ضرور مانگتے ہیں لیکن جب چاہیں لاحول پڑھ کر بھگا بھی سکتے ہیں لاحول پڑھیئے یہ شیطان ابھی یہاں سے رفو چکر ہو جائیگا۔" زہرہ ہنسنے لگی۔

"آپ لوگ آپس میں گہرے اور بے تکلف دوست ہیں۔ جو چاہیں کہیں میں تو اشارہ ہی اشارہ میں اپنا مطلب ظاہر کر سکتی ہوں۔"

انجم نے جواب دیا

"جی بلاشبہ آپ اول درجے کے شیطان ہیں۔"

سب ہنسنے لگے۔

تقریباً ایک ہفتے کے بعد زہرہ بھی واپس چلی گئی اس کے جاتے ہی چمن پور کی فضا بھی اداس ہو گئی، جب تک وہ یہاں تھی ایک رونق سی تھی۔ اس کے جانے کے بعد سناٹا چھا گیا۔ جب تک وہ چمن پور میں رہی انجم نے اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں لی۔ آ گئی تو باتیں کر لیں نہ آئی تو خبر بھی نہ لی۔ یہ کہنا مشکل تھا کہ زہرہ نے بھی انجم سے کوئی دلچسپی نہ لی۔ اس کے انداز و اطوار سے صاف ظاہر تھا کہ وہ انجم سے ہمدردی رکھتی ہے اس سے دلچسپی لیتی ہے اس کی نقل و حرکت کی نگرانی کرتی ہے۔ اس کی راحت و آسائش اور تکلیف و آرام کا احساس رکھتی ہے۔ نیاز بناتا تھا، فقرے چست کرتا تھا لیکن وہ اپنے طرزِ عمل میں کوئی تبدیلی نہ کر سکی، خود انجم کا جہاں تک تعلق تھا اس نے کبھی نیاز کی شوخ بیانیوں کو اہمیت دی نہ زہرہ کے اس طرزِ عمل کے کوئی خاص معنی لئے۔ ہاں رخصت ہوتے وقت اس نے انجم سے یہ وعدہ لے لیا کہ جب وہ شہر آئے گا تو اس سے ضرور ملے گا۔ اور انجم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ نہ صرف ملیگا، بلکہ وقتاً فوقتاً ملتا رہے گا۔

آج نیاز پر بے طرح بے کیفی چھائی ہوئی تھی۔ شاید یہ زہرہ کے چلے جانے کا

rekhta

رد عمل تھا، انجم نے اسے چھیڑا

"کیا سوچا جا رہا ہے؟"

نیاز نے کوئی جواب نہیں دیا،

انجم نے پوچھا۔ "یاد کر رہے ہو کسی کو۔؟"

اس مرتبہ نیاز خاموش نہ رہ سکا۔

"ہاں۔ ایک دشمنِ ایمان و آگہی کو۔"

انجم نے جواب دیا۔

"میں سمجھ گیا، تمہیں مس زہرہ یاد آ رہی ہے۔"

نیاز نے سوال کیا۔

"تم نہیں یاد کرتے کبھی بے چاری کو؟"

انجم پر سنجیدگی طاری ہو گئی۔

"میں دنیا میں کسی کو یاد نہیں کرتا، میں سب کچھ بھول جانا چاہتا ہوں۔ حتیٰ کہ اپنے آپ کو بھی۔"

نیاز نے ناصح مشفق کے لب و لہجہ میں کہا

"لیکن انجم، اس طرح تو زندگی نہیں ہو گی۔"

"ہو جو رہی ہے۔"

"یہ بھی کوئی زندگی ہے؟"

"مجھے اس سے زیادہ کچھ نہ چاہیئے۔"

"یار عجیب آدمی ہو، تم تو اس طرح شائستہ کا سوگ منا رہے ہو کہ اگر لیلیٰ بیوہ ہو جاتی تو مجنوں کا بھی سوگ نہ مناتی۔"

"تمہیں میرا مذاق اڑانے کا حق ہے اور بھی اگر کچھ کہنا ہو تو کہہ سکتے ہو، کہہ لو میری طرف سے اجازت ہے۔"

"انجم اس قدر خفا نہ ہو جایا کرو۔"

انجم نے ایک آہ سرد کے ساتھ کہا۔

"نہیں دوست میں خفا نہیں ہوتا، خفا ہونے کی وجہ بھی کیا ہے۔ ہر شخص اپنے تاثرات و مشاہدات کی بنا پر ایک رائے قائم کرتا ہے تم نے بھی جو کچھ دیکھا اور محسوس کیا اس کی بنیاد پر ایک رائے قائم کر لی۔ وہ صحیح ہے یا غلط یہ ایک الگ سوال ہے۔"

نیاز نے خلوص اور تاثر کے عالم میں کہا۔

"مجھ سے تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔ تم خودکشی کر رہے ہو، موت کو دعوت دے رہے ہو، خود اپنے ہاتھوں اپنا گلا گھونٹ رہے ہو، میں کس طرح دیکھ سکتا ہوں۔"

انجم مسکرایا

"دیکھو، دیکھو، یہ ایک دلچسپ تماشا ہے۔"

نیاز جوش کے عالم میں بولا۔

"نہیں، تم تماشا نہیں بن سکتے، تم اس لیے نہیں پیدا کئے گئے ہو کہ اپنی زندگی غارت کر لو، تمہاری صورت، تمہاری سیرت، تمہارا علم، تمہارا کردار یہ سب چیزیں قدرت کا عطیہ ہیں، ان سے فائدہ اٹھاؤ فائدہ پہنچاؤ۔"

انجم کے چہرہ پر ذرا تازگی سی آ گئی

"تقریر اچھی کر لیتے ہو، کوشش کرو تو وعظ بھی اچھا کہنے لگو گے، شہر کی جامع مسجد میں تمہیں جگہ دلوانے کا میں ذمہ لیتا ہوں۔"

"جب کبھی میں تمہارے دل کے دروازے پر دستک دیتا ہوں تم اسی طرح باتوں میں میری بات اڑا دیتے ہو۔ میں تمہیں اپنے ساتھ زبردستی گھسیٹ کر اسلئے نہیں لایا ہوں کہ تمہارے اضمحلال اور افسردگی میں کچھ اور اضافہ ہو جائے جس حالت میں تم آئے تھے اس سے بدتر حالت میں واپس جاؤ۔"

انجم نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"واپس جانے کا کوئی امکان نہیں۔"

نیاز چونک پڑا۔

"کیا کہا ۔۔۔ ؟"

انجم نے جواب دیا۔

"میں اب واپس نہیں جاؤں گا۔ یہیں رہوں گا اور جب ایک دن مر جاؤں تو یہیں میری قبر بنوا دینا۔"

نیاز کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"انجم ایسی باتیں خدا کے لئے نہ کرو۔"

"اچھی بات ۔۔۔ نیاز شہر میں زہرہ کا مکان کس طرف ہے؟ میں ان سے وعدہ کر چکا ہوں کہ ضرور ملنے جاؤں گا۔ تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا میرے وہاں جانے پر؟"

نیاز نے ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ مختار صاحب آتے ہوئے نظر آئے بے سامان و بے گمان دیکھ کر نیاز چونک پڑا۔

"ارے یہ تو تمہارے مختار صاحب معلوم ہوتے ہیں، یہ کہاں سے آ گئے ۔۔۔؟"

اتنی دیر میں مختار صاحب سامنے آ کر کھڑے ہو گئے، نیاز نے پوچھا۔

"کہئے مختار صاحب خیریت تو ہے کیسے بھول پڑے ہمارے غریب خانے پر؟"

مختار صاحب نے رومال سے چہرے کا پسینہ پونچھا اور کہا۔

"خدا کا شکر ہے!"

اس پر انجم بھنا گیا۔

"آپ جھوٹ بولتے ہیں اور آپ کو جھوٹ بولتے شرم آنی چاہیے۔"

شاید مختار صاحب کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا وہ یہ سوال کرنے پر مجبور ہو گئے۔

"میں جھوٹ بولتا ہوں؟"

انجم نے پھر اپنے الفاظ دہرائے اور کہا۔

"خدا کا شکر ادا کرنے کے لئے آپ کو یہاں تشریف لانے کی کیا ضرورت تھی؟ ضرور کوئی خاص بات ہے۔ بتائیے کیوں آئے ہیں آپ؟"

انجم کی ان باتوں سے بے چارے مختار صاحب سٹ پٹا گئے سراسیمگی کے عالم میں گویا ہوئے

"نہ آپ کا کوئی خط گیا نہ خیریت معلوم ہوئی، میں نے کہا، دیکھ بھی آؤں اور خیریت بھی معلوم کر آؤں، اسی لئے آ گیا۔"

انجم نے پوچھا۔

"اور کوئی خاص بات!۔۔۔"

مختار صاحب نے پہلے ایک نظر نیاز کے چہرے پر ڈالی پھر انجم کے مطلب یہ تھا کہ جو کچھ کہنا چاہتا ہوں، وہ نیاز کے سامنے کہوں یا نہ کہوں؟ انجم نے ان کی یہ کیفیت بھانپ لی

"مجھ میں اور نیاز میں کوئی فرق نہیں ہے، جو کچھ آپ مجھ سے الگ کہنا چاہتے ہیں بے تامل ان کے سامنے کہہ دیجئے۔"

مختار صاحب کی جان میں جان آئی۔

"بیگم صاحبہ نے اپنا سارا سامان واپس منگا لیا ہے۔"

"آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ رخسانہ نے اپنا سامان واپس منگا لیا ہے۔"

"جی ہے!"

"تو بھیج دیا ہوتا۔"

"کیا آپ مجھے خائن یا لٹیرا سمجھتے ہیں؟ کسی کا مال روکنے کا مجھے کیا حق ہے؟"

"فوراً بھیج دینا چاہیے تھا آپ کو!"

سعادت مندانہ لہجے میں مختار صاحب نے فرمایا۔

"بجا ارشاد ہوا!"

انجم نے کہا۔

"لیکن آپ یہ کس طرح معلوم کریں گے کہ کون سا سامان رخسانہ کا ہے؟"

"جی ہاں، یہ تو میں نے پوچھا تھا۔"

"پھر کیا جواب مرحمت فرمایا بیگم صاحبہ نے؟"

"وہ کہنے لگیں جن بکسوں پر "آر" لکھا ہوا ہے، وہ سب ان کے ہیں اور ان کے اندر جو چیزیں ہیں وہ بھی ان کی ہیں۔"

"خود تشریف لائی تھیں غریب خانہ پر، یا آپ ان کے دولت کدہ تک تشریف لے گئے تھے؟"
بڑی بے بسی کے ساتھ مختار صاحب نے کہا۔
"آدمی بھیج کر انہوں نے مجھے بلوایا تھا۔ میں چلا گیا تھا"
"بہت اچھا کیا۔ بس تو آپ تشریف لے جائیے اور پہلا کام یہ کیجئے کہ سارا سامان رخسانہ کے ہاں پہنچا دیجئے، بلکہ جن چیزوں پر "ر" نہ لکھا ہو، اُن میں سے بھی اگر کوئی چیز وہ مانگیں تو بے تامل دے دیجئے، نقد روپیہ جتنا آپ کے پاس جمع ہو وہ سب بھی ان کے حوالے کر دیجئے۔ جائیے"

مختار صاحب انجم کے سامنے سے ہٹ گئے اور نیاز کے کمرے کے سامنے جو برآمدہ تھا وہاں جا کر اس مجرم کی طرح گردن جھکائے کھڑے تھے جیسے کورٹ مارشل کے بعد کسی کے لئے گولی سے مارے جانے کا حکم صادر کر دیا گیا ہو۔
نیاز نے انجم اور مختار صاحب کی گفتگو کے بعد وہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور واپس آ گیا۔ واپس آیا تو دیکھا مختار صاحب عالم نزع میں کھڑے ہیں، انہیں دیکھ کر نیاز اپنے کمرہ میں داخل ہوتے ہوتے ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔
"ارے آپ ابھی تک گئے نہیں؟ — آخر ارادہ کیا ہے آپ کا؟ انجم بڑا سر پھرا آدمی ہے اس نے آپ کو دیکھ لیا تو یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی بزرگی کا خیال نہ کرے اور کوئی گستاخانہ حرکت سرزد ہو جائے؟"
مختار صاحب نے بڑی بے بسی کے ساتھ جواب دیا۔
"لیکن جاؤں کیسے؟"
"کیوں کیا زنجیر ڈال دی ہے کسی نے آپ کے پاؤں میں؟"
"ایسا ہی سمجھئے"
نیاز کو اس مشتِ خاک سے ایسے بے باکانہ جواب کی توقع نہیں تھی اس نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا،

"آخر بات کیا ہے؟"
مختار صاحب گویا ہوئے۔
"آپ کو کیسے بتا دوں؟"
بتا دیجئے، انجم اپنی کوئی بات مجھ سے نہیں چھپاتا"
"یہ صحیح ہے لیکن جو چھپانے کی بات ہو گی میں اسے سب کے سامنے نہیں بیان کر سکتا تھا انجم میاں کی آپ سے بے تکلفی ہو، اپنایت ہو، یارانہ ہو، ایکدوسرے کے آپ ہمدم و ہمراز ہوں، لیکن —
مختار صاحب لیکن کے آگے کچھ نہ کہہ سکے، چپ ہو گئے، لیکن نیاز کا جذبۂ تجسس اور ابھرا۔ اس نے کہا۔
"لیکن کے آگے بھی تو کچھ کہئے، آپ پہیلیاں بجھا رہے ہیں"
مختار صاحب نے کچھ سوچتے اور جھجکتے ہوئے کہا۔
"لیکن غیرت اور عزت بھی تو کوئی چیز ہے"
بے ساختہ نیاز کے منہ سے نکلا۔
"غیرت! عزت؟ —؟"
پھر وہ کچھ نہ پوچھ سکا۔
کچھ دیر تک دونوں آمنے سامنے بالکل خاموش کھڑے رہے، پھر نیاز نے دھیمی سی آواز میں کہا۔
"آپ نے ایسی بات کہدی ہے کہ میں اب کچھ نہیں پوچھ سکتا۔ یہ بہتر ہے آپ یہیں ٹھہرئیے، میں انجم کے پاس جاتا ہوں اس سے کہوں گا کہ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ سن لے"

نیاز انجم کے پاس آیا۔ انجم کے چہرے پر اب تک برہمی اور خشونت کے آثار تھے اس نے نیاز کی طرف توجہ بھی نہ کی چپ چاپ بیٹھا سامنے سبزہ زار پر گلاب کا پودا تھا اس کے زرد تازہ پھول کو ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا۔

کچھ دیر تک تو نیاز خاموش بیٹھا رہا پھر اس نے کہا۔

"اگر جان کی امان ملے تو غلام کچھ عرض کرنا کی اجازت چاہتا ہے؟"

انجم نے نیاز پر ایک نگاہِ غلط انداز ڈالی اور نیم متبسم ہو کر جواب دیا۔

"جان کی امان دیجاتی ہے لیکن کچھ عرض کرنے کی نہیں دی جا سکتی۔"

نیاز نے کہا۔

"میں مذاق نہیں کرتا، سنجیدہ گفتگو کر رہا ہوں!"

"یہ بیماری کب سے پیدا ہوئی ہے جناب من؟"

"صرف آج اور وہ بھی — پہلی اور آخری مرتبہ۔"

"بکو — !"

"مختار صاحب موجود ہیں!"

"کیا مطلب؟" — "وہ ابھی تک گئے نہیں؟"

"نہیں — اور جب تک تم سے گفتگو نہ کر لیں، نہیں جائیں گے!"

"لیکن گفتگو تو ہو چکی!"

"ہاں، لیکن نامکمل!"

"تو انہیں گفتگو سے روکا کس نے تھا؟"

"میری موجودگی نے، وہ اکیلے میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں، حرج کیا ہے، اس لو میں چلا جاتا ہوں۔"

یہ کہہ کر نیاز اٹھا، لیکن انجم نے اسکا ہاتھ پکڑ کر بٹھا لیا۔

"گفتگو تمہارے سامنے ہوگی۔"

نیاز نے کہا۔

"ہر بات میں ضد نہیں کیا کرتے، ہوگی کوئی ایسی ہی وجہ جو مختار صاحب میرے سامنے لب کشائی کرتے جھجکتے ہیں، ان کی خواہش پوری کرو، تنہائی میں وہ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں سن لو پھر مجھے بتا دینا کہ کیا باتیں ہوئیں۔ تمہاری ضد پوری ہو جائے گی۔ ان کی بات رہ جائے گی۔"

انجم نے نیاز کو کوئی جواب نہیں دیا، آواز دی۔

"مختار صاحب — مختار صاحب تشریف لائیے۔"

آواز سنتے ہی مختار صاحب تشریف لے آئے اور سر جھکا کر کھڑے ہو گئے

انجم نے سوال کیا۔

"آپ کچھ مزید گفتگو کرنا چاہتے ہیں؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"جی ہاں، بہت ضروری۔"

"بسم اللہ فرمائیے!"

نیاز اٹھنے لگا، انجم نے پھر ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھا لیا اور ذرا کرخت لہجے میں کہا۔

"بیٹھو۔"

وہ بیٹھ گیا، انجم نے مختار صاحب سے کہا۔

"فرمائیے!"

لیکن مختار صاحب نے کچھ نہیں فرمایا، انجم کی تیوریاں چڑھ گئیں۔

"کیا آپ سن نہیں رہے ہیں، میں نے کیا کہا ہے ـــ کچھ اونچا سنتے ہیں آپ؟"

انہوں نے جواب دیا۔

"نہیں اونچا نہیں سنتا لیکن جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ اس طرح کہ دوسرا کوئی نہ سن سکے۔"

"یہاں کوئی دوسرا نہیں ہے ـــ کہئے جو کچھ آپ کو کہنا ہے۔"

نیاز نے کہا۔

"مختار صاحب کہہ دیجئے، میں اٹھ جاؤں تو بھی آپ کی اور انجم کی گفتگو سے بے خبر نہیں رہ سکتا، وہ سب کچھ بتا دے گا مجھے۔"

مختار صاحب شاید اس وقت بحث کرنے پر تل گئے تھے۔

"وہ تو ٹھیک ہے میرے میاں، میری سرکار، مگر انجم میاں اپنے فعل کے مختار رہے ہیں اپنے فعل کا اچھی بری بات وہ آپ سے کہہ سکتے ہیں، اور جانتا ہوں ضرور کہہ دیں گے لیکن میری زبان نہیں کھلتی آپ کے سامنے، اب کیا کروں!"

انجم حیرت سے مختار صاحب کو دیکھنے لگا۔

"آخر وہ ایسی کیا بات ہے؟" ـــ بہرحال میں آپ کو حکم دیتا ہوں، بے تامل کہہ دیجئے جو کچھ کہنا ہے!"

مختار صاحب رونے لگے

"میں نہیں جانتا تھا، مجھے یہ دن بھی دیکھنا پڑے گا، یہ بات ہوگی اور مجھے اپنے منہ سے کہنا پڑے گی، کاش زمین پھٹ جاتی اور میں اس میں سما جاتا، آسمان ٹوٹ پڑتا اور مجھے ہمیشہ کے لئے ڈھانپ لیتا، بھلا شریفوں کے گھر میں بھی کبھی ایسا ہوا ہے؟"

مختار صاحب شاید ابھی کچھ چلے جاتے، لیکن انجم نے ڈانٹا۔

"مختار صاحب!"

وہ سہم گئے۔

"جی میرے سرکار!"

انجم نے ترش روئی کے ساتھ کہا۔

"میں مہمل قسم کی باتیں نہیں سننا چاہتا...... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں بغیر اس اندیشہ کے کہ زمین پھٹ جائے گی، اور آسمان ٹوٹ پڑے گا، فرما دیجئے!"

مختار صاحب نے لرزتے ہوئے کہا۔

"بیگم صاحب نے ـــ بیگم صاحبہ نے ـــ میرے سرکار، بیگم صاحبہ نے فارغ خطی مانگی ہے، آپ سے! ـــ ہائے یہ غضب!"

انجم یک بیک سنجیدہ ہو گیا۔ اس نے پوچھا۔

"رخسانہ نے طلاق کا مطالبہ کیا ہے مجھ سے!"

"جی ہاں" ـــ یہ اندھیر، یہ سب قریب قیامت کی علامتیں ہیں، عورت یوں آزاد ہو جائے؟ بیوی یوں شوہر سے طلاق مانگے؟ اتنی عمر آگئی، مگر ہم نے تو نہ کبھی سنا تھا نہ کہیں دیکھا تھا، شریف بہو بیٹیاں تو مر جاتی تھیں، مگر کیا مجال ہے جو ان کے منہ سے اف نکل جائے اور ایک یہ ـــ"

انجم نے قطع کلام کیا۔

"یہ میرے ذاتی معاملات ہیں، میں آپ کو ہرگز رائے زنی کی اجازت نہیں دے سکتا!"

مختار صاحب خاموش ہو گئے انجم بھی چپ ہو گیا۔ ذرا دیر کے بعد بولا۔

"لائیے قلم دوات کاغذ لکھ دوں ـــ"

نیاز بیچ میں بول پڑا۔

"کیا پاگل ہو گئے ہو ـــ جائیے مختار صاحب میرے کمرے میں بیٹھئے جا کر!"

پھر وہ انجم سے مخاطب ہوا۔

عقل کے ناخن لو، ہوش کی باتیں کرو، اگر رخسانہ حماقت پر تلی ہوئی ہے تو تم گھر پھونک تماشہ دیکھنے اور دکھانے پر کیوں تیار ہو!" ـــ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا تم رخسانہ کو طلاق نہیں دے سکتے!"

"ہاں — بھلا سوچو تو سہی اس حرکت کا انجام کیا ہوگا؟"

انجم نے پوچھا

"کیا ہوگا؟"

"تمہارا گھر مٹ جائے گا، تمہارا خاندان تباہ ہو جائے گا، دو معزز خاندان اس طرح الگ ہوں گے کہ پشتہا پشت تک دشمنی کی بنیاد پڑ جائے گی — اور یہ سب کچھ تمہارے منہ سے نکلے ہوئے ایک لفظ طلاق کا نتیجہ ہوگا۔"

انجم نے کہا

"تمہارا خیال صحیح نہیں ہے، نیاز تم کہتے ہو، میرا گھر مٹ جائے گا، میرا خاندان تباہ ہو جائے گا، میرے اور رخسانہ کے خاندان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دشمنی کی بنیاد پڑ جائے گی۔"

نیاز بولا

"ہاں میں یہی کہتا ہوں، اور کچھ غلط تو نہیں کہتا۔"

انجم نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن میرے دوست، تم ایک بات بھول جاتے ہو۔"

"وہ کیا؟"

"یہ کہ میرا گھر اب میرا گھر نہیں ہے، میرا خاندان، اسی دن مٹ گیا جس دن میں نے رخسانہ سے شادی کی تھی — اب کیا رہا ہے جس پر رقیبوں کا ڈر کریں؟"

"پھر وہی بہکی بہکی باتیں! — آخر تم یہ سب کیوں کرنا چاہتے ہو؟ کیا اس لئے کہ شائستہ کو پا سکو؟"

"ہاں صرف اسی لئے!"

"لیکن یہ ایک امر محال ہے۔"

"یہ کیوں؟"

"اس لئے کہ شائستہ تمہیں نہیں مل سکتی، وہ عورت ہونے کے باوجود تم سے زیادہ

انجم نے بڑی ملائمت کے ساتھ نیاز کو سمجھایا۔

نیاز، تم نہیں جانتے اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے — میرا اور رخسانہ کا نباہ نہیں ہو سکتا۔ ہم دونوں میں کوئی چیز مشترک نہیں ہے میرے اور اس کے مزاج میں بعد مشرقین ہے اتنے دنوں سے کوشش کر رہا ہوں کہ جو رشتہ بندھ چکا ہے وہ قائم رہے لیکن میں ناکامی اور شکست کا اعتراف کرتا ہوں اس مشکل کا واحد حل یہی ہے کہ ہم دونوں شریفانہ طور پر الگ ہو جائیں، میں نے رخسانہ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی ہے سوا اس کے کہ میں اس سے محبت نہ کر سکا۔ حالانکہ اس کی یہی کوشش تھی اور اب کہ اس نے خود ہی علیحدگی کا مطالبہ کیا ہے، مجھے یہ نادر موقع ہاتھ سے نہ دینا چاہئے وہ جس عزت و احترام کے ساتھ میرے گھر میں آئی تھی اس سے زیادہ عزت و احترام کے ساتھ میں اسے رخصت کروں گا۔ میں صرف یہی نہ کروں گا کہ اس کی چیزیں اس کے حوالے کر دوں، میں اسے اپنی بھی ہر چیز دے دوں گا۔ مکان، جائداد، باغات زمین، زیورات، نقد روپیہ سب کچھ۔ مجھے یہ کچھ نہیں چاہئے۔ میں صرف اپنے آپ کو بچا لینا چاہتا ہوں۔ یہ سب کچھ ہے کہ اگر رخسانہ مجھے چھوڑ دے تو میں اس کا شکر گزار ہوں گا۔ نیاز مجھے دکھ تو یہ کام مجھے کرنا ہے، یہ بات ہو کر رہے گی۔ آج نہیں تو کل پھر جو چیز ہونے والی ہے وہ آج ہی کیوں نہ ہو جائے، لیپ پوت کی جتنی کوششیں ہو سکتی ہیں وہ سب کیں، لیکن ناکام رہیں، اب آخری چارہ کار یہی ہے۔

نیاز خاموشی سے انجم کی باتیں سنتا رہا، پھر اس نے کہا۔

"تم احمق ہو!"

انجم کو یہ توقع نہ تھی کہ اتنی لمبی چوڑی تقریر کا اتنا مختصر اور تلخ جواب نیاز کی طرف سے ملے گا۔ اس نے حیرت سے نیاز کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تمام باتیں جو میں نے تم سے کہیں ان کا خلاصہ یہی ہے کہ میں احمق ہوں؟"

نیاز نے سگریٹ سلگاتے ہوئے جواب دیا۔

عقلمند ہے، وہ کمزور ہونے کے باوجود تم سے زیادہ صاحبِ ایثار ہے، وہ بے سہارا ہونے کے باوجود تم سے زیادہ باحوصلہ ہے وہ صرف اس لئے تمہارے راستے سے ہٹ گئی کہ تم تباہ نہ ہو جاؤ، برباد نہ ہو جاؤ، تمہارا خاندان نہ مٹ جائے، مجھے نہیں معلوم وہ کہاں ہے؟ اور کہاں گئی؟ لیکن ایک بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اب کبھی تمہاری زندگی میں داخل نہیں ہو گی، اگر وہ تمہاری بن سکتی تو یوں یک بیک غائب نہ ہو جاتی، وہ یقیناً تم سے محبت کرتی ہے اور اسی محبت نے اسے مجبور کیا ہے کہ وہ تم سے قریب نہ رہے، دور ہو جائے، تم چاند کو پکڑنے کی کوشش کرتے ہو لیکن وہ تمہارے ہاتھ نہیں آسکتی تم حقائق کا سامنا کرنے سے بھاگتے کیوں ہو؟ ان کا مقابلہ کیوں نہیں کرتے؟

"کیا کروں؟"

"اگر تمہیں یقین ہے کہ اب شائستہ تمہاری زندگی میں داخل نہیں ہو سکتی تو تم اسے بھول کیوں نہیں جاتے؟"

"نہیں بھول سکتا۔"

"کوشش کرو!"

"کر چکا۔"

"اور کرو، اور کرو، تم رخسانہ سے محبت کرو، صرف رخسانہ سے؟"

"یہ کر سکتا ہوں لیکن ایک شرط سے:"

"شرط ——؟"

"ہاں —— اگر تم میری بات مان لو، تو میں رخسانہ سے محبت کرنے لگوں گا۔"

"اگر تم رخسانہ سے محبت کرنے لگے تو میں تمہاری ہر بات ماننے کو تیار ہوں!"

"سن تو لو وہ بات کیا ہے؟"

"سننے کی کوئی ضرورت نہیں، سمجھ لو کہ مان لیا۔"

"لیکن اگر سن لو تو اپنے یہ بلند بانگ صباطن پُر الفاظ بھی واپس لے لوگے۔ کہوں!"

"فرمائیے!"

"اگر تم ہمارے مختار صاحب سے محبت کرنے لگو تو میں رخسانہ سے محبت کرنے لگوں گا!"

نیاز ہنس پڑا۔

"میں مختار صاحب سے محبت کرنے لگوں! — کیا مطلب؟"

"ہم دونوں اپنی مادری زبان میں گفتگو کر رہے ہیں! کسی غیر زبان میں نہیں!"

"لیکن مختار صاحب سے محبت کر کے میں کیا کروں گا؟ وہ میرے کس کام آئیں گے؟"

"یہی سوال تو میرا بھی ہے، میں رخسانہ سے محبت کر کے کیا کروں گا؟ — وہ میرے کس کام آئے گی ——؟"

نیاز نے ذرا بگڑتے ہوئے کہا۔

"پھر وہی احمقانہ باتیں شروع کر دیں تم نے؟ — اچھا میں اپنے مشورے میں ترمیم کرتا ہوں! — تم شائستہ سے محبت کرتے رہو، مگر رخسانہ کو طلاق نہ دو!"

"مجھے اس مشورے کے ماننے میں کوئی تامل نہیں، بشرطیکہ رخسانہ کو کوئی اعتراض نہ ہو ..... بے شک مجھے رخسانہ سے محبت نہیں ہے، ہو بھی نہیں سکتی، لیکن میں اسے طلاق دینا بھی نہیں چاہتا، جب میں اسے طلاق دینے کا ارادہ کرتا ہوں، میری مرحوم محبت کرنے والی اور مجھ پر اپنی جان چھڑکنے والی بہن یاد آجاتی ہے کس اصرار سے کس چاؤ سے کس ارمان سے اس نے میری مرضی کے خلاف یہ بیاہ رچایا تھا، میں اپنی مرحوم بہن سے بہت محبت کرتا ہوں نیاز، وہ مر چکی ہے لیکن میرا دل کسی طرح گوارا نہیں کرتا کہ کوئی ایسی بات کروں جو اس کی مرضی کے خلاف ہو — نیاز میں تمہارا شکرگزار ہوں گا اگر تم رخسانہ کو اس پر آمادہ کر لو کہ وہ طلاق کا مطالبہ نہ کرے۔"

یہ کہتے کہتے انجم کی آواز بھرا گئی اور اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

نیاز نے انجم کی پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے، محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"لیکن میرے دوست یہ کام میں نہیں کر سکتا تم ہی کر سکتے ہو جاؤ اسے منا کر راضی کر لو!"

"تم نہیں جانتے وہ کتنی سفاک اور بے درد ہے!"

"میں یہ جانتا ہوں کہ عورت رحم اور مروت کا مجسمہ ہے!"

"تم نے رخسانہ کو دیکھا نہیں ہے، ورنہ ہرگز یہ نہ کہتے!"

"تم نے اس کے عورت پن کا امتحان نہیں کیا ہے، ورنہ یہ الفاظ ہرگز تمہارے منہ سے نہ نکلتے!"

انجم نے عاجز آتے ہوئے پوچھا:

"آخر تم کیا چاہتے ہو! میں کیا کروں؟"

نیاز نے جواب دیا۔

"تم اس کے پاس جاؤ، اکڑی ہوئی گردن کے ساتھ نہیں، جھکی ہوئی گردن کے ساتھ اس سے نرمی اور ملائمت کی باتیں کرو اگر اس کا دل نہیں جیت سکتے تو اس کے جذبۂ رحم سے اپیل کرو!"

"کئی بار ایسا کر چکا ہوں لیکن ——

کام اس سے آ پڑا ہے کہ جس کا جہان میں
لیوے نہ کوئی نام ستم گر کہے بغیر

وہ نہیں مانتی، نہیں سمجھتی، وہ بڑی ضدی ہے، خود سر ہے، مغرور ہے، وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتی، اس نے میری مرحوم بہن کی توہین کی، اس نے میرے معصوم بھائی کا دل توڑا، اس نے شائستہ کو ذلیل کیا، اس نے مجھ پر طنز و تعریض اور حقارت کے تیر چلائے، آپا نے بھی اسے جواب نہیں دیا، شائستہ نے بھی اس سے مقابلہ نہیں کیا، میں نے بھی اس سے جنگ نہیں کی، لیکن اس سفاک کے دل میں رحم کا جذبہ نہ پیدا ہو سکا۔ اب اگر تمہارے کہنے سے میں پھر جاؤں، اس سے بات چیت کروں، اسے رام کرنے کی کوشش کروں تو جانتے ہو نتیجہ کیا ہوگا؟"

"کیا ہوگا؟"

"وہ دو چار صلواتیں شائستہ کو سنائے گی اور زہر میں بجھے ہوئے چند تیر میرے سینہ پر چلائے گی، بات وہیں رہے گی۔ جہاں تھی کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا، بھلا اس سے کیا فائدہ؟

کہ تمہارے مشورے پر عمل کروں! وہی ہوگا کہ:

بات بھی کوئی انتخاب کرے
کیا ملا عرض مدعا کر کے

—— بتاؤ کیا اب بھی تمہاری رائے یہی ہے کہ میں رخسانہ کے پاس جاؤں! اس سے بات چیت کروں اور اسے رحم و کرم پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں!"

نیاز نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں دوست میری اب بھی یہی رائے ہے، نہیں ایک مرتبہ اور کوشش کرنی چاہئے۔ اس مرتبہ بھی اگر تم ناکام رہے تو میں اپنا مشورہ واپس لے لوں گا!"

انجم اٹھ کھڑا ہوا

"تم نہیں مانتے تو جاتا ہوں!"

انجم کو کبھی ایسی ذہنی کشمکش سے دوچار ہونا نہیں پڑا تھا، جس میں رخسانہ کے مطالبہ طلاق کے بعد وہ گرفتار ہو گیا تھا

واقعی وہ رخسانہ سے محبت نہیں کرتا تھا، کر ہی نہیں سکتا تھا —— پہلو میں کسی شخص کے دو دل نہیں ہوتے —— اسے شائستہ سے محبت تھی، بڑی بے پناہ محبت اس محبت سے وہ کسی قیمت پر دستبردار نہیں ہو سکتا تھا، یہ محبت اس کا ایمان تھی جان تھی، زندگی تھی، شائستہ جا چکی اس گھر سے ہمیشہ کے لئے وداع ہو چکی تھی اب بظاہر اس کے دوبارہ آنے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن وہ اس سہارے جی رہا تھا کہ شائستہ اسے ایک بار پھر ملے ایک بار پھر اس کے اجڑے چمن میں بہار آ جائے گی ایک خواب ہوگا ایسا ہوگا کہ وہ جوش مسرت سے بے تاب ہو کر نظر اوپر اٹھائے گا اور کہہ اٹھے گا

اے فلک رشک سے نہ جل مرنا
پھر وہ ملتے ہیں آج مدت کے

یہ سہارا بڑا سہارا تھا، اگر اس سے چھین لیا جاتا تو وہ زندہ نہیں رہ سکتا تھا...

میں اگر کوئی کشش تھی تو صرف اس لئے کہ شائستہ سے تھی۔ شائستہ کا خیال الگ کر دینے کے بعد زندگی کے کوئی معنی نہیں تھے۔

رخسانہ بلائے جان بن کر اس کے گھر نازل ہوئی تھی۔

کوئی چیز بھی تو ان دونوں میں مشترک نہیں تھی۔ وہ اگر شائستہ کو چاہتا ہوتا تو بھی رخسانہ کے ساتھ نباہ آسان نہیں تھا۔ لیکن شائستہ کا روپ، اس کا سبھاؤ، اس کا اخلاق اس کی کشش اس کے اطوار و انداز دیکھ کر تو رخسانہ بالکل بے حقیقت ہو کر رہ گئی تھی۔ شائستہ اگر اخلاق کی بلندیوں پر جلوہ فرما تھی تو رخسانہ انتہائی پستیوں میں گری ہوئی تھی۔ نہ اسے بات کرنے کا سلیقہ تھا نہ موقع محل دیکھ کر گفتگو چھیڑنے کا انداز آتا تھا اسے اس میں لطف آتا تھا کہ وہ مردوں کی توہین و تذلیل کرے۔ وہ نوکروں کو ہر وقت ڈانٹا پھٹکارا کرتی اور انہیں نہایت کردہ و قبیح خطابات سے نوازا کرتی تھی۔ شوہر کے ساتھ اس کا وہی برتاؤ تھا جو ایک بلند مرتبت آقا کا ایک پست خادم کے ساتھ ہو سکتا ہے گھر کے کسی معاملہ سے اسے سروکار نہ تھا لیکن وہ یہ بھی گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ کوئی دوسرا شخص گھر کے معاملات میں دخل دے۔ وہ انجم سے کڑے تیور اور چڑھے ہوئے تیوری سے مخاطب ہوتی تھی لیکن اس کی خواہش یہ تھی کہ انجم اسے چاہے، پوجے، اس کی محبت میں ہر وقت سرشار رہے۔ عجیب تضاد تھا اس کے طرز عمل اور اس کے انداز و اطوار میں۔

شاید انجم نے بہت جلد اس عورت سے خلاصی حاصل کر لی ہوتی، لیکن مرحوم بہن کا پاس خاطر ایسا کرنے سے اسے روکتا تھا اور پھر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ رخسانہ سے بے تعلق ہونے کے بعد شائستہ کسی قیمت پر اسے نہیں مل سکتی کہ انجم رخسانہ کو چھوڑ کر اسے اپنائے اسی لئے تو اس نے یہ گھر چھوڑا تھا، چاہ اور محبت کے دعوے کے باوجود اس گھر سے چوروں کی طرح دبے پاؤں کسی نامعلوم منزل کی طرف چلی گئی تھی لہٰذا اگر شائستہ کو کبھی بھی پا سکنے کی امید تھی تو صرف اس صورت میں کہ رخسانہ سے جو رشتہ قائم ہو چکا ہے وہ استوار رہے ٹوٹنے نہ پائے۔

لیکن رخسانہ ضدی، اکھڑ، سراپا آتش زیر پا، غرور کی پتلی، تکبر کا مجسمہ، خود پسندی اور

خود بینی کی تصویر — "کیا یہ رخسانہ کسی سمجھوتہ پر آمادہ ہو سکتی تھی؟ کیا رخسانہ سے بگڑے ہوئے تعلقات سدھر سکتے تھے؟" — کتنی ناممکن بات ہے، لیکن محبت کی قوت ناممکن باتوں کو ممکن بنا دیتی ہے' وہ سوچنے لگا۔ اگر مجھے شائستہ سے محبت ہے تو پھر رخسانہ کو منانا ہی پڑے گا۔ نیاز ٹھیک ہی تو کہتا ہے۔ اس بت کافر کے منائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

یہ سوچ کر انجم مختار صاحب کے پاس پہنچا، وہ اب تک برآمدے میں بصورت مجرم سر جھکائے خاموش کھڑے تھے انجم اس کے پاس پہنچ کر کھڑا ہو گیا اسے دیکھ کر مختار صاحب گھبرا گئے دل ہی دل میں یا حفیظ کا ورد کیا کہ اگر انجم کی صورت میں کوئی مصیبت آئی ہو تو ٹل جائے لیکن انجم اس وقت مصیبت نہیں رحمت بن کر آیا تھا۔ اس نے تپاک اور اخلاق کے ساتھ مختار صاحب کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور پوچھا۔

"کیوں مختار صاحب، آپ سے اور رخسانہ سے باتیں کیا ہوئی تھیں۔ اس سلسلہ میں؟"

اس نوازش نے مختار صاحب کی دہشت دور کر دی۔ انہوں نے فرمایا۔

یہاں بیٹھا کام کر رہا تھا اپنے کمرہ میں کہ موٹر سامنے آکر رکی۔ اس میں سے وہ اتریں میں کھڑا ہو گیا۔ مجھے دیکھ تیوری چڑھائی اور خفگی کے لہجے میں پوچھا۔

"آپ کے صاحب کہاں ہیں؟"

میں نے کہا۔

"چھپن پور گئے ہیں۔"

پوچھا۔

"کب آئیں گے؟"

میں نے جواب دیا۔

"معلوم نہیں۔"

پھر دال گیا۔

"کوئی خط آیا؟"

خط تو کوئی آپ نے لکھا نہیں تھا۔ میں نے کہہ دیا۔

"نہیں!"

مجھے گھورا۔ پھر کہا۔

"ہوں ————"

اس کے بعد کہنے لگیں:

"جائیے، اپنے صاحب بہادر کے پاس تشریف لے جائیے، ان سے کہہ دیجئے میرا ان کا نباہ نہیں ہو سکتا۔ میرا جتنا سامان ان کے گھر میں ہے سب بھیج دیں، وہ سامان بکسوں میں بندھا رکھا ہے جس بکس پر "آر" لکھا ہے وہ میرا ہے اور یہ بھی کہہ دیجئے کہ چونکہ میرا ان کا نباہ نہیں ہو سکتا، لہٰذا اب ظاہری رکھ رکھاؤ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ بہتر یہ ہے کہ طلاق نامہ لکھ کر دے دیں، میرا مہر ادا کر دیں پھر وہ اطمینان سے جس کی یاد میں چاہیں مراقبہ کریں!"

یہ باتیں سن کر میرے تو پاؤں کے نیچے کی زمین نکل گئی، میں نے کہا۔

"یہ میں کیا سن رہا ہوں؟"

وہ بگڑ گئیں، مجھے ڈانٹا اور کہنے لگیں۔

"یہ اداکاری کے جوہر اپنے صاحب بہادر کے سامنے دکھائیے گا، وہی داد دیں گے ان کمالات کی، میں نے جو کچھ آپ سے کہا ہے، وہ گرہ میں باندھ لیجئے اور فوراً تشریف لے جائیے!"

اب میں انکار کیسے کرتا! میں نے عرض کیا،

"بہت اچھا سرکار، آپ کا حکم سر آنکھوں پر ———— جاتا ہوں!"

کہنے لگیں۔

"ہاں جائیے ——— میں آپ کو ۴۸ گھنٹے کی مہلت دیتی ہوں، اس عرصہ میں آپ واپس آجائیے۔ انجم صاحب سے طلاق لے کر!"

میں نے عرض کیا۔

"جاتا ہوں سرکار، جو کچھ آپ نے فرمایا ہے وہ کہہ بھی دوں گا، لیکن میں تو پیغام رساں ہوں، نہ مانی انہوں نے میری بات اور طلاق نامہ لکھ کر نہ دیا تو کیا کروں گا پھر؟"

یہ سنتے ہی وہ تو آگ بگولہ ہو گئیں، کہنے لگیں۔

"تو پھر آپ وہیں رہ جائیے گا، یہاں تشریف نہ لائیے گا، اور اگر آئے تو پٹرول چھڑک کر دیا سلائی دکھا دوں گی۔ چند منٹ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو جائے گا آپ کا۔ اور ہاں، انجم صاحب کو یہ بھی بتا دیجئے کہ اگر وہ شوہر بنے رہنے پر بضد رہے تو پھر میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گی اور اس کی ساری ذمہ داری صرف انہی پر ہو گی!"

"سرکار، یہ باتیں ہوئیں میرے اور بیگم صاحبہ کے درمیان، اب آپ جیسا حکم دیں ویسا کیا جائے۔ میں تو حکم کا بندہ ہوں!"

انجم نے مختار صاحب کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا،

"آپ ذرا بھی پریشان نہ ہوں، چلیے میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں!"

انجم مختار صاحب کے ساتھ اپنے گھر پہنچا۔ یہ گھر جو کبھی اس کی آرزوؤں، تمناؤں، حسرتوں اور امیدوں کا مسکن تھا۔ آج اسے کاٹنے دوڑ رہا تھا، یہی گھر تھا جہاں شائستہ رہتی تھی۔ اس سے گھنٹوں اور پہروں باتیں ہوا کرتی تھیں — قہقہے، چہچہے، ہنسی دل لگی، طنز، الغرض آج یہ سب باتیں خواب و خیال ہیں، نہ شائستہ ہے، نہ وہ رونق!

تھوڑی دیر باہر بیٹھ کر وہ گھر کے اندر پہنچا اور سیدھا بالاخانہ پر چلا گیا۔ سامنے ہی شائستہ کا کمرہ تھا۔ بغیر کسی ارادہ کے وہ اس کمرہ میں داخل ہو گیا۔ شائستہ جب یہاں رہتی تھی تو یہ جنت کا ٹکڑا تھا، کمرہ کیا تھا آئینہ خانہ تھا۔ آج اس مزار میں خاک اڑ رہی تھی۔ نہ وہ صفائی، نہ ترتیب نہ سلیقہ، دیواروں پر مکڑی نے جالا تان رکھا تھا۔ کوڑے کرکٹ کی کثرت تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جب سے شائستہ گئی ہے، نہ اس کمرہ کی صفائی ہوتی ہے نہ دیکھ بھال۔ ان دیواروں پر کتنی اچھی، اچھی تصویریں لگا رکھی تھیں شائستہ نے لیکن اب نہ کوئی تصویر تھی، نہ فریم، ہاں چند کیلیں دھر ادھر ٹھکی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔

یہ وہ میز ہے جس پر شائستہ کی کتابیں رکھی رہتی تھیں، جہاں بیٹھ کر وہ لکھا پڑھا کرتی تھی لیکن اس وقت نہ کوئی کتاب تھی، نہ قلم، نہ دوات نہ کاغذ۔

انجم میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا جس پر شائستہ بیٹھا کرتی تھی۔ پھر نہ جانے کیا خیال آیا۔ اس کی درازیں کھولیں، بہت سے مڑے تڑے، پھٹے ہوئے کاغذات پڑے تھے، یہ سب شائستہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے تھے۔ شائستہ کی تحریر کی کشش نے انجم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ ان پھٹے ہوئے اور تڑے مڑے

کاغذات کو ٹھیک کر کے پڑھنے کی کوشش میں مصروف ہو گیا۔

پہلا ورق جو ہاتھ میں آیا تو اس میں کچھ حساب کتاب درج تھا۔ بھلا حساب کتاب سے اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی ویسے ہی الگ رکھ دیا۔

دوسرا ورق اٹھایا اس پر ایک شعر درج تھا۔

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
رو کر اسے گزار کہ ہنس کر گزار دے

انجم نے یہ شعر پہلے نظروں سے پڑھا پھر آواز سے پھر گنگنانے لگا۔ اس شعر میں اسے کچھ عجیب لطف آ رہا تھا، ایک نامعلوم سی لذت بڑی دیر تک یہی شعر گنگناتا رہا، کاغذ تہ کر کے اس نے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ شائستہ کی تحریر اور اتنی معنی خیز، کاغذات کے انبار میں اس نے پھر ہاتھ ڈالا، ایک چھوٹی سی پاکٹ ڈائری پر نظر پڑی، بیتابی سے اٹھایا اور ورق الٹنے لگا۔ دو تین صفحے سادہ تھے، پھر ایک صفحہ پر لکھا نظر آیا۔

"۱۱ رمئی

آج رات بھر نیند نہیں آئی، میری قسمت کا ستارہ گردش میں ہے آج جو گفتگو ہوئی، اس نے میری روح کو جھنجوڑ دیا ہے، یا اللہ میں کیا کروں، تو ہی میری رہنمائی کر۔"

دوسرا ورق اٹھا۔ یہ عبارت نظر آئی:۔

جی چاہتا ہے خودکشی کر لوں۔ مجھ سا بدنصیب بھی دنیا میں کوئی نہ ہوگا، پانی سامنے ہے پی نہیں سکتی، پھول ہاتھ میں ہے، سونگھ نہیں سکتی۔ کوئی میرا ہے لیکن میں اس کی بن نہیں سکتی، اسی کو تو مقدر کہتے ہیں اسی کا نام تو نصیب ہے!"

ایک ورق اور الٹا۔

مجھ سے انجم کی حالت نہیں دیکھی جاتی، وہ جس کشمکش میں مبتلا ہیں وہ ان سے زیادہ میرے لئے جان لیوا ہے، میں بدقسمت بھی ہوں اور مجرم بھی مجرم یوں کہ میں نے ہی مجبور کر کے کشمکش کے اس گرداب میں ڈالا

ہے اور بدقسمت یوں کہ میرے دل کے اندھیرے میں ایک ستارہ چمکا اس انجم کی تابانی سے میرا سیہ خانہ جگمگا اٹھا، لیکن —— جب آنکھ کھل گئی تو زیاں تھا نہ سود تھا!"

ایک ورق اور:-

"آج تو غضب ہو گیا تھا۔ انجم سے اور رخسانہ سے لڑائی ہو گئی۔ بڑی زبردست لڑائی —— لڑائی کا سبب میرا وجود ہے۔ رخسانہ نہیں چاہتی کہ میں اس گھر میں رہوں، انجم نہیں چاہتا کہ میں اس گھر سے جاؤں۔ لیکن بات رخسانہ کی پوری ہونی چاہئے۔ وہ اس گھر کی مالک ہے۔ انجم تو ضد کے عادی ہو گئے ہیں۔ ہر بات میں ضد۔ آخر رخسانہ مجھے کیوں رہنے دے یہاں!

میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یہاں سے چلی جاؤں بہت جلد! —— لیکن کہاں جاؤں؟ کیا اس دنیا میں میرا کوئی ہے؟ کیا خدا کی اس وسیع زمین میں کوئی ایسا ٹھکانا ہے جہاں میں پناہ لے سکوں؟ یہاں آ کر میں نے ایک نئی دنیا بسائی تھی۔ اس دنیا کو اپنے ہاتھ سے اجاڑنا پڑ رہا ہے۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ لیکن اجاڑنے کے بعد کوئی گوشہ ایسا نہیں نظر آتا جہاں سر چھپا سکوں! —— پھر؟

سنبھلنے دے مجھے اے ناامیدی کیا قیامت ہے
کہ دامانِ خیالِ یار چھوٹا جائے ہے مجھ سے!

لیکن کچھ بھی ہو، جانا ہی پڑے گا۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے!"

دو تین ورق اور الٹے، پھر یہ صفحہ نظر آیا:-

"آج تو انجم بہت خفا تھے۔ پھر رخسانہ سے لڑائی ہوئی ہے۔ غضب خدا کا وہ اسے طلاق دینے پر تیار ہیں اور مجھ سے شادی کر لینے کا فیصلہ کر چکے ہیں کتنے ہولناک ہیں دونوں فیصلے! انجم سا رفیقِ حیات جسے مل جائے اسے اپنی خوبیٔ قسمت پر ناز کرنا چاہئے۔ رخسانہ بیوقوف ہے جو ایسے اچھے اور

اونچے انسان کی قدر نہیں کرتی۔ میں جہاں تک سمجھی ہوں وہ انجم کو چاہتی ضرور ہے، لیکن میری وجہ سے غلط فہمی میں مبتلا ہے، اس لئے بگڑ جاتی ہے۔ میں اگر اس گھر کو چھوڑ دوں تو کانٹا ہٹ جائے گا اور دونوں سکھ اور چین کی زندگی بسر کریں گے۔ رہی میں تو میرے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ انجم کی محبت لے کر جا رہی ہوں۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی زادِ راہ ہو سکتا ہے؟"

آخری ورق:-

"اور کل فیصلہ کا دن ہے۔ آخری فیصلہ کا دن! —— بہرحال میں نے تو آخری فیصلہ کر لیا۔ یہ پوٹلی جس میں دو جوڑے کپڑے ہیں، سامنے رکھی ہے۔ یہی دو جوڑے لے کر اس گھر میں آئی تھی اور یہی دو جوڑے لے کر اس گھر سے واپس جا رہی ہوں۔ جب آئی تھی تب بھی میرا ہاتھ روپے پیسے سے خالی تھا۔ جا رہی ہوں تو بھی اسی طرح —— لیکن ہاں جب آئی تھی تو میں اپنی مالک تھی۔ جا رہی ہوں تو اپنے آپ کو یہیں چھوڑے جا رہی ہوں۔ جسم میرے ساتھ جا رہا ہے۔ مگر روح یہیں اٹکی رہے گی۔ کیسا گھاٹے کا سودا کیا ہے اس گھر میں! مگر کاش میں اس گھر میں نہ آئی ہوتی! آئی تھی تو میرا اور انجم کا رابطہ بڑھا ہوتا۔ خیر اب یہ باتیں یاد کرنے سے کیا حاصل؟ سب لوگ سو رہے ہیں۔ یہ بڑا اچھا وقت ہے یہاں سے نکل جانے کا۔"

انجم نے یہ ڈائری بھی جیب میں رکھ لی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور بستر پر لیٹ گیا۔ سامنے دیوار پر کئی تصویریں آویزاں تھیں۔ مرحوم بہن رابعہ بیگم کی، ماں سے زیادہ پیاری بھابی تویری کی، رخسانہ کی اور شائستہ کی۔

وہ ٹکٹکی لگا کر ان تصویروں کو دیکھتا رہا۔ پھر اٹھا اور شائستہ کی تصویر کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ تصویر نہ تھی رعنائی کا ایک مجسمہ تھا۔ بڑی بڑی آنکھیں، چہرہ پر

وقار اور تمکنت!

پھر اس کی نظر رخسانہ کے چہرے پر پڑی۔ صباحت، ملاحت، حسن، ہر چیز قدرت نے بڑی فیاضی سے اُسے عطا کی تھی۔ لیکن چہرے پر خشونت برس رہی تھی۔ تیوریاں چڑھی ہوئی تھیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کسی بات پر غصہ آ گیا ہے۔ اور اب قیامت آیا چاہتی ہے۔ انجم کو ایسا محسوس ہوا جیسے یہ دو تصویریں نہیں، جنت اور جہنم کے فرشتے ہیں۔ ایک کو دیکھ کر روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے، دوسری کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے، جیسے کسی نے نشاط اور مسرت کے جذبات کچل دیئے —!

بڑی دیر تک ٹکٹکی لگائے وہ ان تصویروں کو دیکھتا رہا —— اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے!

ساری رات اسی طرح گزر گئی۔ کبھی بستر پر، کبھی تصویر کے سامنے، ایک پل کے لئے نیند نہیں آئی۔ صبح ہوتے ہوتے وہ چادر اوڑھ کر لیٹ رہا، کروٹیں بدلیں، خیالات سے جنگ کی، نیند کو بلانے کی کوشش کی، مگر کامیابی نہ ہوئی تھوڑی دیر کے بعد اسے کمرہ میں کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی۔ چادر منہ سے ہٹائی۔ سکینہ سامنے کھڑی تھی۔

انجم نے ذرا ترش لہجہ میں پوچھا۔

"کیا ہے؟"

وہ بولی۔

"آٹھ بج گئے ہیں سرکار، کیا ناشتہ لے آؤں؟"

وہ جمائی لیتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ اس نے کہا۔

"ناشتہ لا کر کیا کرو گی۔ صرف چاء کی ایک پیالی لے آؤ۔"

سکینہ نے کہا۔

"آپ نے رات بھی کچھ نہیں کھایا۔ اس وقت ناشتہ کر لیجئے!"

انجم نے اسے تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"تمہیں اس سے کیا؟ —— کیا رابعہ بیگم کے مر جانے اور شائستہ بیگم کے رخصت ہو جانے کے بعد بھی، اس گھر میں میرا کوئی ہمدرد موجود ہے؟"

سکینہ رونے لگی۔

"بھیا، تم نے اپنی یہ حالت کیا بنا رکھی ہے؟"

انجم نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھ تو رہی ہو!"

وہ روتی ہوئی بولی۔

مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا۔ خدا غارت کرے اس موئے مختار کو، اسی نے لگائی بجھائی کر کے بہو بیگم (رخسانہ) کے غصہ کی آگ اور تیز کی ہے۔ تمہارے سامنے کچھ کہتا ہے، ان کے سامنے کچھ۔ میرا بس چلے تو مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دوں نگوڑے کے پنڈے میں، جل کر کوئلہ بن جائے، تب مجھے سکھ ملے! ——

لیکن میرے بھیا۔ ناشتہ تو کر لو!"

ان بے ساختہ باتوں کا انجم پر اچھا اثر پڑا، وہ غسل خانے کی طرف جاتا ہوا بولا

"جاؤ لے آؤ!"

ناشتہ کر کے انجم باہر آیا۔ منشی ثابت علی صاحب مختار عام اپنے تخت پر گاؤ تکیہ سے ٹیک لگائے، دو تین رجسٹر کھولے، عالم مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ حقہ کی نال منہ سے لگی تھی۔ اتنے منہمک کہ انجم سر پر آ کے کھڑا ہو گیا، پھر بھی انہیں خبر نہ ہوئی۔

انجم نے پوچھا۔

"اس حقہ میں آپ کون سا خمیرہ استعمال کرتے ہیں؟"

انجم کی آواز سن کر وہ چونکے اور پھر جو قلابازی کھاتے ہوئے اٹھے ہیں تو حقہ کہیں، قلم کہیں، رجسٹر کہیں، گھگھیاتے ہوئے کہنے لگے۔

"ارے آپ! ——— مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا!"

انجم پاس ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا!

"کیا سوچ رہے تھے آپ؟"

مجرم کی طرح جواب دیا۔

"کچھ بھی تو نہیں! ——— وہ سکینہ ہے نا، اب وہ بنی ہے اس گھر کی مالک صبح ہی صبح اکو بکس پڑی، میں تو عاجز آ گیا ہوں ان باتوں سے! ———"

انجم نے بظاہر ہمدردانہ لہجہ میں کہا۔

"بڑی ضیق میں جان پڑ گئی ہے آپ کی، کوئی اور ہوتا تو پاگل ہو جاتا۔ مجھے تو بہت ترس آتا ہے آپ پر!"

بالکل میت کی تصویر مجسم بن کر مختار صاحب نے کہا۔

"آپ ہی دیکھ لیجئے سرکار! میں کیا عرض کروں!"

انجم نے جواب دیا۔

"نہیں آپ کو جواب دینے کی ضرورت نہیں، صورت سے میں عالم پرسش ہمہ سب کچھ سمجھتا ہوں، خدا رحم کرے آپ پر!"

مختار صاحب روہانسے ہو گئے۔

"صرف آپ کی محبت ہے جو اس گھر میں ٹکا ہوا ہوں، ورنہ کب کا ——— بچ کو چلا گیا ہوتا ——— کیوں مختار صاحب؟!"

انجم کے اس بے ساختہ سوال پر مختار صاحب چکرا سے گئے، انہوں نے محسوس کیا، انجم ان سے ہمدردی نہیں کر رہا تھا، بلکہ بنا رہا تھا۔ ابھی انکے حواس بجا نہ ہوئے تھے اور وہ صورت حالات کا صحیح اندازہ نہ کر سکے تھے کہ انجم کی آواز انکے کان میں آئی۔

"جب تک شائستہ یہاں رہی، آپ سولی پر لٹکتے رہے، پھر خسانہ کا دور دورہ ہوا تو آپ کی حیثیت ایک مجرم سے زیادہ تسلیم نہیں کی گئی۔ اب سکینہ ہے وہ آپ کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی ہے ——— آخر ان حالات میں آپ کس طرح گذر کر لیتے ہیں! میرے خیال میں تو آپ کے ولی اور خدا رسیدہ ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ناموافق فضا، ناسازگار ماحول اور غلط قسم کے لوگوں میں وہ گزر کر رہے ہیں۔"

مختار صاحب فیصلہ نہ کر سکے کہ یہ طنز ہے یا ہمدردی! اس لئے کوئی جواب نہ دے سکے، بت بنے کھڑے رہے۔ انجم نے پھر انہیں چھیڑا۔

"کبھی میرے لئے بھی نماز پڑھ کر دعا کر دیا کیجئے ——— شائد خدا آپ ہی کی سن لے!"

مختار صاحب کو بالکل نہیں یاد تھا کہ انہوں نے کبھی نماز پڑھی ہو، پھر نماز کا تذکرہ انجم کی زبان پر کیسے آ گیا؟ کیا یہ کھلا ہوا طنز نہیں تھا؟ کہنے لگے۔

"ہم گنہگار لوگوں کی دعا کیا؟"

انجم نے سراپا حیرت اور تعجب بن کر کہا۔

"آپ گنہگار؟ ـــــ نہیں، آپ گنہگار نہیں ہو سکتے۔ ہم جیسے لوگوں سے ہمارا حق نہ چھینئے، گنہگار تو ہم ہیں، آپ سے اور گناہ سے کیا نسبت، جس دن آپ سے گناہ سرزد ہوگا، اس دن قیامت آجائے گی، زمین پھٹ جائے گی، آسمان ٹوٹ پڑے۔

یہ باتیں مختار صاحب کے لئے قطعاً ناقابل برداشت تھیں۔ اگر انجم نے آتے ہی ایک طمانچہ مار دیا ہوتا تو شاید اتنی تکلیف نہ ہوتی جتنی ان باتوں سے ہو رہی تھی۔ یہ باتیں سکینہ نے کی ہوتیں تو وہ شاید ایک کی دس سناتے، زرخانہ نے کی ہوتیں تو بھی کسی نہ کسی حد تک اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے۔ لیکن انجم کو کیا جواب دیتے؟ پھر بھی اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے گویا ہوئے۔

"آج سرکار کے تیور کچھ بدلے ہوئے محسوس کر رہا ہوں ـــــ، اگر کوئی غلطی ہوئی ہو"

انجم نے قطع کلام کیا۔

"غلطی؟ ـــــ آپ سے غلطی سرزد ہو سکتی ہے؟ یہ الزام کوئی کافر ہی آپ پر لگا سکتا ہے! آپ معصوم ہیں۔ بھلا معصوموں سے بھی کبھی غلطی سرزد ہو سکتی ہے؟ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں مختار صاحب! خدا کے لئے اپنی زبان سنبھالئے اور ایسی باتیں نہ کیجئے جن سے میرا ایمان متزلزل ہو جائے!"

اگر انجم بالکل سامنے نہ کھڑا ہوتا تو یقیناً مختار صاحب سر پر پاؤں رکھ کر سامنے سے بھاگ جاتے، پھر ان کی دھول بھی ڈھونڈے سے نہ ملتی۔ یہ الفاظ تیر و نشتر بن کر ان کے قلب نازک پر چرکے لگا رہے تھے۔ انہوں نے بڑی بے بسی کے ساتھ اپنے حقوق یاد دلاتے ہوئے کہا۔

"تین پشتیں ہو گئیں اس گھر کی خدمت کرتے ہوئے"

انجم نے اعتراف کیا۔

"جی ہاں! ـــــ اسی لئے تو آپ یہاں ہیں!"

"اسی لئے تو آپ یہاں ہیں"۔ مختار صاحب نے اس جملہ کا مطلب یہ سمجھا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو کب کے آپ نکال دیئے گئے ہوتے! اور یہ سمجھتے ہی وہ سفید کی

طرح کانپنے لگے۔ بھلا اس بڑھاپے میں اب وہ کہاں جا سکتے ہیں؟ کون نوکر رکھے گا انہیں؟ کہنے لگے۔

"پرانا نمک خوار ہوں اور مر کر ہی نکلوں گا اس گھر سے میرے سرکار!"

انجم مسکرایا۔

"جی ہاں آپ پرانے نمک خوار ہیں اس گھر کے، لیکن یہ آپ نے کیا کہا کہ اس گھر سے مر کر ہی نکلیں گے!"

مختار صاحب نے فخر کے ساتھ جواب دیا۔

"بے شک!"

انجم نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس گھر کے تباہ ہونے سے پہلے آپ نہیں مر سکتے، یہ مجھے یقین ہے۔ لہٰذا شوق سے اپنی زندگی کا بیمہ کرا لیجئے۔ پرانے گھر مٹتے ہیں تو بھی کافی دیر لگتی ہے۔ یہ گھر بھی مٹے گا۔ لیکن مٹتے مٹتے کافی مدت لے گا۔"

مختار صاحب نے بڑی عاجزی سے پوچھا۔

"آج آپ کس طرح کی باتیں کر رہے ہیں!"

انجم نے سوال کیا۔

"کیا آپ کو یہ باتیں ناگوار گذر رہی ہیں؟"

ناگوار تو گذر رہی تھیں لیکن اقرار کیسے کر لیتے؟

"توبہ کیجئے، بھلا آپ کی باتیں بھی ناگوار گذر سکتی ہیں؟"

انجم نے پھر پوچھا۔

"لطف آ رہا ہے ان باتوں سے؟"

دل ہی دل میں جل کر کباب ہو گئے۔ مختار صاحب بھلا ایسی جلی کٹی باتوں سے لطف لیا جا سکتا ہے؟ پھر بھی انہوں نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی باتوں میں ٹھٹھول تو ہمیشہ سے ہوتا ہے، خدا مغفرت کرے بڑی بیگم

صاحب کی وہ تو ہنستے ہنستے لوٹ جایا کرتی تھیں آپ کے ایک ایک فقرہ پر ——
چھوٹی بیگم (شائستہ) کا بھی یہی حال تھا۔ ہاں بہو بیگم (رخسانہ) البتہ اپنے آپ کو
ضرورت سے زیادہ لئے دیئے رہتی ہیں!"

انجم نے کہا۔

"آپ ان دونوں میں سے کس کے اخلاق انسانیت اور معقولیت سے
متاثر ہیں؟ کسے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں؟ کون آپ کی نظر میں زیادہ اچھا ہے؟"

بچھو نے اگر ڈنک مار دیا ہوتا تو بھی شاید مختار صاحب اتنے دل گرفتہ نہ ہوتے
جتنے اس ٹیڑھے اور نازک سوال سے ہوئے۔ لیکن انجم حاکم مرگِ مفاجات انجم نے
سوال کیا تھا۔ اس کا جواب دیئے بغیر بھی تو چارہ نہیں تھا۔ لیکن خوشی کی بات
یہ تھی کہ رخسانہ اس وقت نہیں تھی۔ لہٰذا اطمینان سے مسکراتے ہوئے کہنے لگے:

"چھوٹی بیگم کی بات ہی اور ہے۔ خدا گواہ ہے ایسی شریف اور اچھی لڑکی میں
نے زندگی بھر نہیں دیکھی —— پھر لوگ اگر ان سے جلتے ہیں تو جلیں۔
ہوتی آتی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں"

انجم نے ایک قہقہہ لگایا۔

مختار صاحب حیرت سے دیکھنے لگے!

انجم کے قہقہے کی گونج جیسے ہی ختم ہوئی، ایک کار دروازہ کے سامنے آکر رکی
اور اس میں سے رخسانہ برآمد ہوئی۔ چہرہ بشرہ سے ایسا اندازہ ہو رہا تھا جیسے غصہ
میں ہے۔ اسے دیکھتے ہی مختار صاحب کانپ گئے۔ وہ آئی۔ انجم اسے دیکھ کر
کھڑا ہو گیا۔ اور تپاک و گرم جوشی کے ساتھ گویا ہوا۔

"آؤ رخسانہ، ہم تمہارا ہی انتظار کر رہے تھے!"

رخسانہ "زہے قسمت!" کہہ کر پاس کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

انجم نے مختار صاحب سے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اب رخسانہ آ گئی ہیں ان سے بہت سی باتیں کرنا ہیں ——"

مختار صاحب نے رجسٹر اور کاغذات سمیٹتے ہوئے کہا:

"ہاں ہاں ضرور ——!"

لیکن انجم نے کہا۔

"پہلے اپنی بات تو پوری کر لیجیے!"

مختار صاحب سوالیہ نشان بن کر رہ گئے۔ انجم نے انہیں یاد دلایا۔

"ابھی ابھی آپ کے اور میرے مابین جن دو ہستیوں کے اخلاق، شرافت،
انسانیت اور معقولیت کا تذکرہ ہو رہا تھا —— جی آگے!"

مختار صاحب سن ہو گئے —— کاٹو تو لہو نہیں بدن میں! انہوں
نے سوچا اگر انجم نے وہ ساری باتیں دہرا دیں جو ابھی شائستہ اور رخسانہ کے بارہ میں
محض دفع الوقتی کے طور پر انہوں نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے کہہ دی تھیں تو غضب
ہو جائے گا۔ انکی یہ پیشینگوئی تو حرف بہ حرف پوری ہو گی کہ اس گھر سے مر کر نکلیں گے،
لیکن موت بن بلائے مہمان کی طرح ابھی ہاتھ باندھ کر حاضر ہو جائے گی۔ وہ اسی عالم نزع
میں گرفتار تھے کہ رخسانہ نے ان کی مصیبت ختم کر دی۔ اس نے پوچھا۔

"آپ پولیس چوکی سے کیا کر کے آئے ہیں؟"

مختار صاحب ابھی کوئی جواب نہ دے پائے تھے کہ انجم نے کہا۔

"مجرم کو اپنے ساتھ لائے ہیں!"

مختار صاحب مسکرانے لگے۔ انجم اٹھ کھڑا ہوا، اس نے رخسانہ کے ہاتھ میں
ہاتھ دے کر کہا۔

"آؤ چلیں، اپنے کمرہ میں بیٹھ کر باتیں کریں گے!"

رخسانہ نے سوال کیا:

"کیا ابھی باتیں کرنے کی گنجائش ہے؟"

انجم نے ذرا بھی بدمزہ ہوئے بغیر کہا۔

"ہاں کیوں نہیں آؤں!" ——— مختار صاحب بیچارے اس وقت سخت مصیبت میں گرفتار ہیں۔ ان کو اس جنجال سے نجات دلاؤ!"

مختار صاحب کانوں سے یہ باتیں سنتے رہے اور ہاتھوں سے رجسٹر اور کاغذات سمیٹتے رہے۔ رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ انجم اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں ڈالے زنان خانے میں پہنچا۔ اور وہاں سے بالاخانہ پر اپنے کمرہ میں چلا گیا۔

انجم اور رخسانہ پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ انجم کے چہرے پر تبسم تھا لیکن پھیکا پھیکا سا۔ رخسانہ کے ماتھے پر شکنیں پڑی تھیں۔

انجم نے پوچھا۔

"تم نے مختار صاحب سے کیا کہہ دیا تھا؟"

وہ بولی۔

"کیا انہوں نے آپ سے کچھ نہیں کہا؟"

انجم۔ کہا تو تھا۔ لیکن مجھے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ کس طرح یقین کرتا کہ تم مجھ سے طلاق کا مطالبہ کرو گی!"

رخسانہ۔ یہ کوئی ایسی بات تو نہ تھی کہ جس کے یقین کرنے میں آپکو دشواری پیش آئی۔

انجم۔ وہ تو اب تک آ رہی ہے۔

رخسانہ۔ اب یقین کر لیجئے۔

انجم۔ واقعی تم نے مختار صاحب سے یہی کہلایا تھا؟

رخسانہ۔ تو کیا وہ جھوٹ بول رہے تھے۔

انجم۔ جھوٹ تو ان کی گھٹی میں پڑا ہے۔ اگر کبھی انصاف سے وہ سچ بولدیں تو حیرت ہوتی ہے۔ لیکن جھوٹ بولنے پر تو حیرت کے کوئی معنی نہیں —— یہ تو ان کا پیدائشی حق ہے!

رخسانہ کے سامنے مختار صاحب کی تصویر پھر گئی وہ خود بھی ان کی عادتوں اور فتنہ طرازیوں سے اچھی طرح واقف تھی۔ ذرا کے ذرا اس کے ہونٹوں پر تبسم کی ایک لہر نمودار ہو گئی اور اس کے بعد وہ پھر سنجیدہ ہو گئی۔

انجم نے کہا۔

"رخسانہ کیا تم مجھے چھوڑ دو گی؟"

یہ سوال کچھ ایسی بے بسی کے ساتھ کیا گیا تھا کہ رخسانہ فوراً جواب نہ دے سکی اس نے اس پر ایک نظر ڈالی اور سر جھکا لیا۔

انجم نے پوچھا۔

"بتاؤ رخسانہ میرے سوال کا جواب دو!"

رخسانہ نے کہا۔

میں یک سو تسم کی زندگی پسند کرتی ہوں۔ میں نے کوشش کی کہ آپ کی رفیق زندگی صحیح معنوں میں بن سکوں نہ بن سکی۔ پھر اس کے بعد اور چارہ کار ہی کیا ہے کہ ہم ایک دوسرے سے الگ ہو جائیں۔

"تمہیں مجھ پر رحم نہیں آتا!"

"عجیب سوال ہے یہ بھی —— آپ کو رحم کی ضرورت ہے؟ اس کی محتاج تو میں ہوں!"

"میں بھی ہوں!"

"آپ کو اگر رحم مل سکتا ہے تو شائستہ سے!"

شائستہ کا نام سن کر انجم کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ لیکن اس نے اپنی کیفیت پر جلد ہی قابو حاصل کر لیا۔

"لیکن وہ تو چلی گئی!"

"ڈھونڈھے سے مل جائے گی!"

"وہ ملنے کے لئے نہیں گئی ہے!"

"اس طرح کے ڈھونگ پر میں اعتماد نہیں کرتی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"یہ کہ آپ شائستہ سے محبت کرتے ہیں عشق کرتے ہیں اس سے، اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ آپ صرف اسی کے لئے زندہ ہیں۔"

"اچھا فرض کرو تمہارا یہ خیال صحیح ہے۔"

"فرض کیوں کروں، آپ اقرار کیجئے کہ میں سچ کہہ رہی ہوں۔"

"میں اقرار کرتا ہوں اپنے جرم کا۔"

"اس کے بعد بھی آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے دامن سے بندھی رہوں۔"

"ہاں ——— میں یہی چاہتا ہوں۔"

یہ اتنا غیر متوقع جواب تھا کہ رخسانہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ اس نے پوچھا، کیوں؟

انجم نے جواب دیا۔

اس لئے کہ تم میری بیوی ہو، میری عزت ہو، میری لاج ہو۔ تم سے میں نے شادی کی ہے۔ زندگی بنانے کا عہد کیا ہے۔ میں اپنے عہد پر قائم رہنا چاہتا ہوں میں تم سے جدا ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تم اس گھر میں دلہن بن کر آئی تھیں پھر یہاں سے کس طرح جا سکتی ہو، تم اس گھر کی مالک تھیں، پھر اسے کس طرح چھوڑ سکتی ہو۔ تمہیں مجھ پر ہر طرح کا حق ہے۔ پھر مجھ سے دستبردار ہو رہی ہو؟

یہ کہتے کہتے انجم کی آنکھیں بھر آئیں، اس نے گلوگیر آواز میں کہا۔

"آج مجھے صاف اور سچی بات کہہ ہی دینی چاہئے۔ ہاں میں شائستہ سے محبت کرتا ہوں، محبت کوئی اختیاری چیز تو نہیں ہوتی لیکن اس محبت کو کبھی میں نے تم پر اثر انداز ہونے کی اجازت نہیں دی۔ میرے دل میں تمہارا جو خیال، جو عزت اور جو وقعت ہے اس میں بھی کوئی کمی نہیں آئی۔"

رخسانہ نے طنز کیا۔

"معلوم ہے۔"

انجم نے کہا۔

"نہ معلوم ہو تو میں یاد دلاؤں؟"

"نہیں اس کی زحمت نہ کیجئے۔"

"سن لینے میں حرج کیا ہے؟"

"فرمائیے ——— لیکن فائدہ کیا ان باتوں سے؟"

"سنو رخسانہ!" ———

"ہاں سن رہی ہوں، کہئے کیوں نہیں؟"

"تم جانتی ہو، میں اپنی بہن خانم سے کتنی بے پناہ محبت کرتا تھا! بولو جانتی ہو نا!"

"ہاں، خوب جانتی ہوں مگر اس سے کیا؟"

"تم جانتی ہو۔ میں تنویر سے کتنا پیار کرتا ہوں، کیا وہ میری زندگی نہیں ہے؟"

"ضرور ہے ——— اس سے مجھے کب انکار ہے؟"

"تم نے یہ بھی جان لیا کہ میں شائستہ سے محبت کرتا ہوں!"

"ہاں یہ حقیقت تو روز روشن کی طرح مجھ پر منکشف ہو چکی ہے۔"

"لیکن تم نے میری بہن کی توہین کی، تم نے تنویر کو مار، ڈانٹ کر گھر سے نکال دیا۔ تم نے شائستہ کی تذلیل کی، تم نے مجھے میرے منہ پر ہمیشہ اور ہمیشہ نہیں تو جب جی میں آیا ذلیل کر دیا۔ لیکن میں نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ میں نے تمہاری توہین نہیں کی۔"

رخسانہ نے جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھی رہی۔ انجم نے پوچھا۔

"بتاؤ، بولو، کیوں رخسانہ میں غلط تو نہیں کہتا؟"

رخسانہ نے سوال کیا۔

آخر ان باتوں سے آپ کا مطلب کیا ہے؟"

"یہ کہ تمہاری جگہ کسی کو نہیں مل سکتی۔ دوسرے اپنی جگہ ہیں تم اپنی جگہ!"

رخسانہ نے طنز کیا۔

کیا میری بھی کوئی جگہ ہے؟"

انجم نے جواب دیا۔

"کیوں نہیں! ــــ جو تمہاری جگہ ہے، وہ کسی کی نہیں، میں کس کا ہوں!
شائستہ سے محبت کرنے باوجود میں کس کا ہوں!"

رخسانہ کے ہونٹوں پر پھر ذرا سا تبسم نمودار ہوا۔ اس نے کہا۔

"آپ ہی بتائیے"۔

انجم نے کہا۔

"تمہارا ــــــ"

وہ بولی۔

"کاش یہ سچ ہوتا!"

انجم نے جوش کے عالم میں کہا۔

"یہ بالکل سچ ہے رخسانہ، یہ گھر تمہارا ہے ــــــ"

رخسانہ بول پڑی۔

کاش یہ سب چیزیں کوئی لیکر مجھے آپکے دے دیتا۔ میں بڑی خوشی سے اس سے سودا کر لیتی۔ آپ یہ سب چیزیں شائستہ کو دے دیجئے اور صرف اپنے آپ کو مجھے دے دیجئے۔ پھر کبھی آپکو مجھ سے شکایت نہ ہوگی۔ میں بھی تو گوارا نہیں کر سکتی کہ آپ کسی اور کے ہوں"۔

انجم نے پوچھا۔

"کیوں! ــــ کیا مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

رخسانہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے ہونٹ لرزنے لگے۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی گلوگیر آواز پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا نہیں کرتی!"

اور کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

انجم نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔ اس کا سر اپنے شانہ پر رکھ لیا۔ اس کے گالوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

تم ہی سوچو، کیا میں اتنا کٹھور ہوں کہ تم جیسی عورت کی محبت کو ٹھکرا دوں گا"۔

رخسانہ چونک سی پڑی۔ اس نے پوچھا۔

"کیا آپ مجھ سے بھی محبت کرتے ہیں؟"

انجم نے بھی ایک سوال کر دیا۔

"کیا تم سمجھتی ہو، نفرت کرتا ہوں! ــــ رخسانہ میں شائستہ سے محبت ضرور کرتا ہوں یہ جرم ہے تو اس کی سزا دے لو۔ لیکن نہ اسے اپنا بنا سکا۔ نہ بنا سکتا ہوں۔ نہ وہ خود میری بننے پر آمادہ ہو سکتی ہے، کیا تم نے اس کا وہ خط بھلا دیا ہے۔ جو چلتے وقت چھوڑ گئی تھی۔ اور جسے پڑھ کر تم آج ہی کی طرح رونے لگی تھیں اور مجھ سے اصرار کیا تھا۔ کہ جاؤں اور شائستہ کو ڈھونڈھ لاؤں؟ وہ ہمارے راستے کا کانٹا نہیں ہے۔ تم اسے غلط سمجھی ہو، مجھے غلط سمجھی ہو اور اسی غلط فہمی نے تمہاری زندگی تلخ کر دی ہے ــــ میں کس طرح اپنا دل تمہارے سینے میں ڈال دوں۔ کس طرح تمہیں یقین دلاؤں، کہ ــــ!

انجم کی بات ابھی پوری نہ ہوئی تھی کہ تنویر آئی اور اس کے کلیجہ سے لپٹ گئی ــــ اسکول میں چھٹیاں ہو گئی تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد انجم کسی کام سے اٹھکر باہر چلا گیا۔ رخسانہ گھر کو ٹھیک کرنے میں لگ گئی۔ ان چند دنوں میں گھر کا کیا حال ہو گیا تھا۔ جیسے کوئی کھنڈر، وہ سوچنے لگی، واقعی گھر کی رونق عورت کے دم سے ہوتی ہے جب تک میں یہاں تھی یہی گھر گلزار بنا ہوا تھا۔ چند روز کے لئے چلی گئی تو جیسے کسی نے جھاڑو پھیر دی گھر کا سنبھالنا مرد کا کام نہیں ہے مرد اگر گھر سنبھالنے بیٹھ جائے تو باہر کا کام کون کرے!

تھوڑی دیر کے بعد وہ انجم کے کمرے میں پہنچی۔ اسے صاف کر دیا۔ سامان ٹھیک طرح سے رکھا۔ بکھرے پڑھنے کی میز درست کی۔ انجم کا بستر کافی میلا ہو گیا تھا۔ چادر، بدلی تکیوں کے غلاف اتروائے اور نئے چڑھوائے۔ ٹیبل لیمپ کا بلب نہ جانے کس وجہ سے ناکارہ ہو چکا تھا اسے بدلوایا۔ اس کام میں کافی دیر لگ گئی۔ یہ کام وہ اپنی نگرانی میں کروا رہی تھی۔ لیکن کھڑے کھڑے اور بتاتے بتاتے تھک گئی۔ بستر کے پاس آرام کرسی پڑی تھی اس پر بیٹھ گئی۔ دیوار پر نظر گئی اور سب سے پہلے اپنی تصویر دکھائی دی۔ یہ تصویر دیکھ کر وہ خوش ہو گئی۔ اس نے سوچا، میرے اور انجم کے درمیان اتنی تلخیاں پیدا ہو گئیں۔ لیکن میری تصویر اپنی جگہ قائم رہی۔ اسے نہیں ہٹایا گیا اور میں نے سب سے پہلا کام یہی کیا تھا کہ انجم کی تصویر اتروا کر دیوار سے میز بند رکھ دی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ انجم کا چہرہ بار بار دیکھنے میں آئے۔ یہ سوچ کر وہ شرمندہ سی ہو گئی۔ اپنی تصویر سے نظر ہٹی تو شائستہ کا ننھا ایک فریم میں جلوہ فرما نظر آیا۔ شائستہ سے بھی اب اس کا دل صاف ہو چکا تھا لیکن یہ تصویر دیکھ کر وہ جل ہی تو گئی۔ اس کے دل میں نفرت اور عداوت کی ایک لہر سی دوڑ گئی وہ سوچنے لگی۔

یہی وہ بدذات عورت ہے جس نے میری زندگی برباد کر رکھی ہے جس نے مجھ سے میرے محبوب و مطلوب کو چھڑا رکھا ہے۔ شاید اس موقع پر دل نے کوئی سوال کیا خود ہی کو مخاطب کرتے ہوئے اس نے کہا ——— کیوں! کیا میں نہیں چاہتی انہیں ——— ؟ ابا جی نے جب انہیں چھ مہینہ کے لئے جیل بھیج دیا تھا تو کیا میں چھپ چھپ کر کتنا رویا کرتی تھی۔ اگر محبت نہ ہوتی تو روتی کیوں؟ کبھی محبت دبے پاؤں آتی ہے۔ کبھی کھلے بندوں کبھی اس کے جلو میں الفاظ کا قافلہ ہوتا ہے کبھی بے زبانی میں نے محبت کا دعوے شاید کبھی نہیں کیا لیکن اس سے انکار بھی تو نہیں کر سکتی کہ انجم کو چاہتی ہوں۔ اس کے نہ چاہنے کے باوجود ایک دوسری عورت کے محبت کرنے کے باوجود چاہتی ہوں۔ ہاں یہ فرق ہے کہ میری چاہت، میری خودی اور خودداری پر غالب نہیں آسکتی۔ اگر کوئی ایسی بات دیکھتی ہو جو میرے پندار اور

وقار کو مجروح کرنے والی ہو تو پھر میں آپے میں نہیں رہتی۔ پھر میری محبت دل کے کسی گوشہ میں دبک جاتی ہے اور میں تند، سخت گیر اور درشت مزاج بن جاتی ہوں۔

پھر وہ مسکرائی۔ شاید دل ہی دل میں کہہ رہی تھی۔

یہ سب محبت کے گرشمے ہیں، محبت کے مختلف روپ ہیں۔

گذشتہ حالات پر اس وقت اسے غور کرنے اپنا اور انجم کا جائزہ لینے کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ اسے رابعہ خانم بھی یاد آئیں تنویر بھی۔ جو آج بہت دنوں کے بعد اسکول کی سالانہ چھٹیوں میں واپس آئی تھی اور انجم کے ساتھ کوئل کی طرح چہک چہک کر باتیں کر رہی تھی۔ رابعہ اور تنویر کے ساتھ اس کا جو برتاؤ رہا تھا اسے یاد کر کے دل ہی دل میں اس نے شرمندگی اور ندامت محسوس کی۔ رابعہ بیگم اس دنیا سے سدھار چکی تھیں۔ تنویر موجود تھی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ تلافی کرے گی۔ اور کبھی تنویر کا نہ حرف دل نہیں دکھائے گی۔ بلکہ اسے ہاتھوں ہاتھ لے گی۔

رخسانہ نے اب یہ طے کر لیا تھا کہ اسی گھر میں رہے گی۔ انجم سے شائستہ کے معاملہ میں نہیں الجھے گی۔ اور کوئی ایسی بات نہیں کرے گی جو واپس کی بدمزگی تلخی اور جنگ و جدل پر ختم ہو۔ اب زندگی کا نیا دور شروع ہو گا ——— شاندار اور قابل رشک۔

———

کئی دن گزر گئے!

کوئی خاص اور قابلِ ذکر واقعہ رونما نہیں ہوا۔

انجم بہت سکون اور خاموشی کے ساتھ زندگی کے دن بسر کر رہا تھا۔ رخسانہ کو خوش رکھنے کی کوشش میں وہ اپنے اصول بھی بھول جاتا تھا۔ رخسانہ کی سہیلیاں آتیں وہ ان کے پاس بیٹھتا۔ باتیں کرتا۔ ہنسی دل لگی میں شریک ہوتا۔ سینما کا پروگرام بنتا تو اس میں بھی شریک ہو جاتا۔ ہاں ایسے موقعوں پر تنویر ضرور اس کے ساتھ سایہ کی طرح لگی رہتی۔ رخسانہ بھی اب عادی ہو چکی تھی۔ وہ برا نہ مانتی بلکہ خود کہہ کر اسے ساتھ لے جاتی۔ اس کا بناؤ سنگھار کرتی۔ وہی تنویر جو اس کے سایہ سے بھڑکتی تھی اب اس سے اتنی گھل گئی تھی جیسے ایک جان دو قالب۔ زیادہ سے زیادہ وقت اس کے پاس صرف کرتی۔ اپنے اسکول کی باتیں کرتی۔ ہیڈ مسٹرس اور دوسری استانیوں کے قصے سناتی۔ اپنی سہیلیوں اور ہم جولیوں کی کہانیاں کہتی۔ سارا دن اسی طرح گزر جاتا۔ یہ پتہ بھی نہ چلتا کب صبح نے ڈیرے ڈالے۔ کب ستاروں کی محفل جمی۔ اور کب نیند نے لوریاں دے کر سلا دیا۔

رخسانہ کی کوشش یہ تھی کہ جو کچھ ہو چکا ہے اسے فراموش کر دیا جائے۔ نئی زندگی اس طرح شروع کی جائے کہ اس میں گزشتہ تلخی اور بدمزگی کی جھلک بھی نظر نہ آئے اور کوئی شبہ نہیں۔ اس کی یہ کوشش بڑی حد تک کامیاب تھی۔ شاید اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ انجم پورا پورا تعاون کر رہا تھا۔ اگر اتفاق سے کوئی ایسی بات

ہو بھی جاتی جس کا نتیجہ تلخی اور بدمزگی کی صورت میں نکل سکتا ہو تو وہ ٹال جاتا۔ یا خود موقعہ واردات سے ٹل جاتا۔

بیچارے مختار صاحب اب اور زیادہ اپنے آپ کو بے یار و مددگار، تنہا اور بے سہارا محسوس کرنے لگے تھے۔ انجم تو ان کی باتوں میں آ ہی نہیں سکتا تھا۔ رخسانہ سے وہ ایک کی دس لگاتے تھے لیکن اب وہ بھی ان کی حقیقت اور ماہیت سے آشنا ہو چکی تھی۔ اس نے منہ لگانا چھوڑ دیا تھا۔ گئے حساب کتاب کھانے کچھ کہنا چاہتے لیکن زبان ساتھ نہ دیتی۔ کبھی کبھی ان کی اس بے بسی کو دیکھ کر رخسانہ خود کو رحم کرنے لگتی۔ سکینہ گھر کی ملازمہ تھی، وفادار، باشعور، خاموش، مرنجاں مرنج، فرض شناس، کارگزار۔ جب ہر طرف سے مایوس ہو گئے تو اس پر جال ڈالا۔ لیکن وہ اتنی زیرک تھی کہ ایک ہی جھٹکے میں جال اور شکاری دونوں کو ناکارہ کر دیا۔ ہوا یہ کہ حسبِ معمول دوپہر کے وقت سکینہ کھانا لے آئی۔ بڑی دیر سے بھوکے بیٹھے تھے کھانے کی سینی دیکھتے ہی اس طرح ٹوٹ پڑے جیسے کئی دن کے بھوکے ہوں۔ جب دو چار لقمے پیٹ میں گئے تو ذرا جان میں جان آئی۔ اور ترنگ میں آ کر ایک بڑا سا لقمہ اپنے ہاتھ سے منہ میں رکھتے ہوئے فرمایا۔

"خدا کی قسم کیسے مزے کے کباب ہیں کیا نمک ہے کیا مرچ ہے۔ کیا سواد ہے جی چاہتا ہے اس کے ہاتھ چوم لوں جنہیں نے پکائے ہیں — کیا تم نے پکائے ہیں؟"

سکینہ پہلے تو انہیں گھورتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

"نہیں — بہو بیگم نے۔ ابھی جا کر انہیں بھیجے دیتی ہوں کہ جائیے۔ مختار صاحب آپ کے ذرا ہاتھ چومنا چاہتے ہیں؟"

یہ سنتے ہی لقمہ جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ اٹھ کھڑے ہوئے۔ بغیر چبائے ہوئے لقمہ حلق سے نیچے اتارا۔ پھر ہاتھ جوڑ کر اس کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

"خدا کے لئے ایسا نہ کرنا۔ اس سفید داڑھی کی لاج تمہارے ہاتھ ہے۔"

سکینہ نے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟ ڈر کیوں گئے؟"

مختار صاحب نے اپنے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"غلطی ہو گئی۔ بڑے ہو وہ آدمی ہو گیا ہوں۔ بعض اوقات تو خود اپنے آپ کو پیٹنے اور سزا دینے کو جی چاہتا ہے۔"

سکینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں مختار صاحب آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں یہ کام تو بہو بیگم بہت اچھی طرح کر سکتی ہیں ـــــ کیا بھول گئے!"

وہ اسی طرح تخت پر کھڑے کھڑے بولے۔

"تمہیں یاد ہے جو ایسی مہمل بات منہ سے نکل گئی۔ لاحول ولا قوۃ ـــــ خدا کے لئے معاف کر دو۔ سکینہ بیگم اس گنہگار کو یا ایسا کرو جوتی اتار دو اپنے پاؤں سے اور مار لو۔ لیکن بہو بیگم سے کچھ نہ کہنا۔"

کھانے کی سینی سامنے رکھی تھی۔ مختار صاحب ہاتھ باندھے ایک چور اور مجرم کی طرح کھڑے تھے۔ چہرہ سفید پڑ گیا تھا جیسے کسی نے سارا خون نکال لیا ہو سکینہ کو ترس آ گیا۔ اس نے کہا۔

"اچھا اچھا نہیں کہوں گی۔ کھانا تو کھا لو۔ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

مختار صاحب پھر سینی کے سامنے بیٹھ کر اپنے کام و دہن کو آسودہ کرنے لگے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد آخری طشتری اپنی طرف بڑھائی، اس میں گاجر کا حلوہ تھا۔ حلوہ کیا تھا معجونِ فلک سحر تھا۔ پہلا لقمہ کھاتے ہی سب کچھ بھول گئے۔ ترنگ میں آ کر کہا۔

"کیا میٹھا سن ہے؟"

سکینہ نے کوئی جواب نہیں دیا صرف اتنا کہا۔

"ہاں بڑا میٹھا ہے۔"

مختار صاحب نے زبان چاٹتے ہوئے کہا۔

"زبان بند ہی جا رہی ہے۔ میں نے تو زندگی میں پہلی مرتبہ ایسا حلوہ کھایا ہے یہ تو تمہیں نے پکایا ہو گا۔"

سکینہ نے جھڑکا۔

"پھر آ گئے اوقات پر؟"

مختار صاحب پھر سہم گئے۔ دو تین لقمے کھانے کے بعد پھر بولے۔

"کیا صاحب نے کھانا کھا لیا ـــــ؟"

وہ بولی۔

"نہیں ابھی نہیں کھایا۔"

مختار صاحب نے دوسرا سوال کیا۔

"اور بہو بیگم نے؟ کیا انہوں نے بھی نہیں کھایا؟"

سکینہ نے کہا۔

"نہیں انہوں نے بھی نہیں کھایا اب تک۔"

اب اور سوال مختار صاحب کی زبان پر آیا۔

"کیا پھر کچھ کھٹ پٹ ہو گئی ہے دونوں میں؟ ـــــ ضرور ہوئی ہے۔ تم چھپا رہی ہو بتاؤ نا؟"

سکینہ نے جواب دیا۔

"کچھ دماغ چل گیا ہے۔ کھٹ پٹ کیوں ہوتی؟ اب تو میاں بیوی اچھی طرح رہ رہے ہیں۔ نہ لڑائی نہ جھگڑا۔"

مختار صاحب کو یقین نہیں آیا۔

"کیوں جھوٹ بول کر اپنی عاقبت خراب کرتی ہو خواہ مخواہ!"

سکینہ کو غصہ آ گیا۔

"تم اپنی باتوں سے باز نہیں آؤ گے مختار صاحب اور کہے دیتی ہوں بری

طرح ذلیل کر کے نکالے جاؤ گے اس گھر سے"
مختار صاحب نے عینک ناک ماتھے پر لگاتے ہوئے کہا۔
"واہ نکالا کیوں جاؤں گا؟ ـــــ اب کون سی خطا سرزد ہوئی ہے گنہگار سے؟
ہاں اگر تم نہیں چاہتیں کہ بندہ درگاہ یہاں رہے تو میں استعفا دئیے دیتا ہوں ـــــ!"
سکینہ نے پوچھا۔
"استعفا دے دو گے مختار صاحب؟"
سینہ ٹھونک کر بڑی آمادگی کے ساتھ فرمایا۔
"ہاں، استعفا دے دوں گا!"
سکینہ نے سوال کیا۔
"میری وجہ سے استعفا دو گے؟"
"ہاں صرف تمہاری وجہ سے!"
سکینہ۔ لیکن کیوں؟
مختار صاحب۔ پھر یہاں رہ کر کروں گا کیا!
سکینہ۔ ایسی ایسی باتیں بہت سنی ہیں!
مختار صاحب:۔ تو کیا تم مجھے جھوٹا سمجھتی ہو؟
سکینہ۔ بڑے سچے۔
مختار صاحب۔ آزما لو۔
سکینہ:۔ آزماؤں گی مناسب وقت آنے پر"
مختار صاحب سکینہ کی یہ آمادگی دیکھ کر آپے سے باہر ہوا چاہتے تھے کہ سکینہ نے دھمکی دینے کے لئے ذرا بلند آواز میں "بہو بیگم" کہہ کر پکارا۔ مختار صاحب کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور وہ میدان چھوڑ کر چپکے سے کھسک گئے

رات کے دو بجے نور پور کے اسٹیشن پر گاڑی رکی!
مسافر جلدی جلدی سامان سنبھال کر اپنے اپنے ڈبے سے باہر نکلے۔ انہی مسافروں میں ایک عورت بھی تھی۔ اندھیرے میں یہ اندازہ کرنا تو دشوار تھا کہ اس کی صورت شکل کیسی ہے لیکن اتنا اندازہ بہر حال ہو جاتا تھا کہ جوان ہے وہ سہمی سہمائی کسی مجرم کی طرح ادھر ادھر دیکھتی گھبرائی اور سہمی ہوئی باہر نکلی۔ دو آدمی اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ ایک نے دوسرے کی طرف اشارہ کیا پھر آہستہ سے کہا۔
"بھاگ کر آئی ہے!"
وہ بولا۔
"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے"
پہلے نے کہا۔
"بس تو چلو اپنا پارٹ ادا کر دو!"
دوسرا مسکرایا۔
"لیکن یار، اگر کھیل بگڑ گیا۔ تو ـــــ؟"
پہلے نے تسلی دی۔
"بگڑ کیسے جائے گا ـــــ ہمت سے کام لو، ہمارا پارٹ ہمیشہ کامیاب رہا ہے۔ روٹی اسی کی کھاتے ہیں!"

دوسرا ذرا تامل کے ساتھ آمادہ ہو گیا۔

"اچھا چلو!"

اب وہ عورت یارڈ کی اسٹیشن کے دروازہ سے باہر نکل چکی تھی، سامنے دو تانگے کھڑے تھے۔ لیکن سواریوں سے مایوس ہو کر تانگے ہی پر کوچبان چادر اوڑھے سو رہے تھے۔ وہ عورت عجیب کش مکش کے عالم میں نظر آ رہی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تذبذب کے عالم میں ہوں، کبھی وہ مسافر خانہ کی طرف دیکھنے لگتی۔ لیکن قدم آگے نہ اٹھتے، کبھی تانگے کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگتی لیکن آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوتا، لور پور چھوٹا سا اسٹیشن تھا۔ چند ہی مسافر اترے تھے وہ جا چکے تھے، اسٹیشن کی چہل پہل اور رونق پہلے ہی کیا تھی۔ گاڑی کے روانہ ہونے کے بعد تو بالکل ہی سناٹا چھا گیا تھا۔ جیسے اس اسٹیشن پر کوئی گاڑی رکتی ہی نہیں وہ اب تک پریشانی اور اضطراب کی تصویر بنی کھڑی تھی۔ کسی طرح فیصلہ ہی نہیں کر چکی تھی کہ کہاں جانا ہے، کیا کرنا ہے۔

اتنے میں وہ دونوں آدمی آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں اپنے قریب کھڑا دیکھ کر وہ اور سہم گئی۔ اس نے جلدی سے ساری کا پلو ٹھیک کیا۔ اور آگے بڑھی۔ ایک آدمی نے کڑک کر گرجدار آواز میں اسے مخاطب کیا۔

"اے، تم کون ہو؟"

وہ خاموش رہی، اس آدمی نے پھر سوال کیا۔

"بتاؤ، تم کون ہو؟"

وہ گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہنے لگی۔

"میں ابھی اسٹیشن پر اتری ہوں!"

اب اس آدمی کا لب و لہجہ اور سخت ہو گیا۔

"یہ تو ہم بھی جانتے ہیں ــــ مگر تمہارا نام کیا ہے؟"

وہ پریشان ہو گئی۔

"میرا نام ــــ؟"

پہلے نے کہا۔

"ہاں اپنا نام بتاؤ!"

دوسرے نے لقمہ دیا۔

"اگر یاد نہیں آ رہا ہے تو سوچ لو۔ لیکن جلد کرو۔ ہم زیادہ انتظار نہیں کر سکتے۔"

عورت نے ہمت کر کے پوچھا۔

"لیکن آپ ہیں کون؟ کیوں اس طرح کے سوالات مجھ سے کر رہے ہیں؟"

پہلے نے قہقہہ لگایا۔

"ہم کون ہیں؟ یہ معلوم کرنا چاہتی ہو؟"

اس نے اپنے حواس بجا کئے اور کہا۔

"ایک عورت سے اس طرح کے سوالات کرنے کا کیا حق ہے کسی غیر مرد کو؟"

اس نے ایک اور قہقہہ لگایا۔

"ایک عورت ــــ غیر مرد ــــ سنئے جناب عورت صاحبہ ہم پولیس والے ہیں۔ ٹھیک ٹھیک اپنا پتہ، نام و نشان بتائیے ورنہ ــــ"

عورت نے گلوگیر آواز میں پوچھا۔

"ورنہ کیا ہو گا؟"

وہ بولا۔

"ورنہ آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا پڑے گا۔"

عورت نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"میرا نام یاسمین ہے!"

دوسرا آدمی ہنسنے لگا۔

"اچھا ادبی ذوق رکھتی ہیں آپ، ذرا دیر تو لگی آپ کو اپنا نام تلاش کرنے

ہیں لیکن بالکل حسب موقع نام تجویز کیا ہے۔ یہ رات کا وقت' یہ سناٹا۔ اور یاسمین کی مہک — "یار اختر، ہمارا تو مشام جاں معطر ہوا جا رہا ہے!"

اختر نے اپنے ساتھی کو شوخ نظروں سے دیکھا اور کہا۔

"خاموش رہو نعیم' یہ وقت مذاق کا نہیں ہے — تو ہاں مس یاسمین' میں آپ کو مس کہہ کر غلطی تو نہیں کر رہا ہوں؟"

نعیم نے پھر مداخلت کی۔

"اس غلطی کی تصحیح پھر ہوتی رہے گی۔ یہ بتائیے آپ کہاں سے تشریف لائی ہیں۔"

یاسمین نے ذرا تلخ لہجہ میں کہا۔

"جہاں سے یہ گاڑی آ رہی ہے! — آخر ان سوالات سے آپ کا مطلب کیا ہے؟"

اختر نے پوچھا۔

"آپ کہاں جائیں گی؟"

یاسمین سٹ پٹا گئی۔

"یہاں میری ایک سہیلی رہتی ہے عذرا' اسکے پاس جاؤں گی!"

اختر:۔ بہت خوب — وہ آپ کی سہیلی بھی ٹھیک آپ کی طرح اس وقت کوچہ گردی نہ کر رہی ہو؟"

نعیم:۔ خیر ہمیں اس سے کیا مطلب! — ہاں تو وہ آپ کی مس عذرا کہاں رہتی ہیں؟ کس محلہ میں؟

اختر:۔ ہم پولیس والوں کا فرض ہے بھولے بھٹکوں کی رہنمائی کرنا' چلئے ہم آپ کو وہاں پہنچا دیتے ہیں!"

یاسمین:۔ (گھبرا کر) میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی!"

اختر:۔ پھر کس طرح جایئے گا؟

یاسمین:۔ میں اکیلی چلی جاؤں گی' کچھ بچہ نہیں ہوں جو کسی کا ہاتھ پکڑ کر [illegible]!"

نعیم:۔ نہیں صاحب آپ ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ ہیں ورنہ بھلا اسوقت رات کو دو بجے تن تنہا اس اسٹیشن پر اتر سکتی تھیں آپ؟ اچھا تو چلئے' آپ کی مس عذرا کو بھی تلاش کر لیں۔

یاسمین:۔ میں نے کہہ دیا میں خود چلی جاؤں گی۔

اختر:۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ہمارے ساتھ چلنا پڑے گا' اگر آپ عذرا کا پتہ نہیں بتائیں گی یا اپنے بارے میں صحیح حالات کا انکشاف نہیں کریں گی تو آپکو یہ رات پولیس اسٹیشن پر گذارنا پڑے گی۔ صبح ہم آپکو آوارہ گردی کے الزام میں مجسٹریٹ صاحب کی عدالت میں پیش کریں گے پھر آپ کی قسمت' چاہے وہ آپ کو رہا کر دیں یا سرکاری مہمان بنا لیں۔

یاسمین:۔ چلئے پولیس اسٹیشن!

نعیم:۔ اور وہ عذرا صاحبہ؟ ان کے در دولت پر حاضری دیکر انہیں شرف باریابی عطا نہیں ہوگا۔

یاسمین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اختر نے کہا۔

"آیئے!"

پھر اس نے تانگے والے کو جو بے خبر پڑا سو رہا تھا' جگایا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا۔ اختر نے کہا۔

"ابے اُلو کے پٹھے' یہ سونے کا وقت ہے!"

یہ کہکر وہ یاسمین کے ساتھ بیٹھ گیا۔ کوچبان کے پاس نعیم صاحب تشریف فرما ہوئے۔

"پیلی کوٹھی چلو" انہوں نے حکم دیا۔

یاسمین نے اب تک بہت ضبط سے کام لیا تھا، لیکن پیپل کوٹھی کا نام سن کر وہ لرز گئی۔ اس کے ذہن میں نہ جانے کیوں یہ بات قائم ہو گئی کہ پیپل کوٹھی ضرور کوئی خطرناک جگہ ہے۔ ضرور یہ لوگ بدمعاش ہیں، پولیس سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس نے اختر سے جو اس کے پاس بیٹھا سگریٹ کا دھواں اڑا رہا تھا، پوچھا۔

"کیا یہاں کے پولیس اسٹیشن کا نام پیپل کوٹھی ہے۔"

اختر ہنسنے لگا اس نے نعیم سے کہا۔

"سنتے ہو کیا پوچھ رہی ہیں؟"

نعیم نے اختر کے بجائے یاسمین کو جواب دیا

"یہ آپ کو وہیں چل کر معلوم ہو جائے گا۔"

یاسمین میں اب حالات کا مقابلہ کرنے کی ہمت پیدا ہو رہی تھی اس نے تانگے والے سے کہا۔

"تانگہ روک لو۔"

نعیم نے تانگے والے سے کہا۔

"اگر روکا تو سمجھ لو خیریت نہیں۔ اے دیکھتے ہو یہ کیا ہے۔"

تانگے والے نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اس کے ہاتھ میں کھلا ہوا چاقو تھا۔ جو اس اندھیرے میں بھی چمک رہا تھا۔ اس نے یاسمین کو کوئی جواب نہیں دیا، بدستور تانگہ چلاتا رہا۔ اس مرتبہ یاسمین نے ذرا بلند آواز سے کہا۔

"روکتے ہو یا نہیں؟ یہ بدمعاش لوگ زبردستی مجھے کہیں لیے جا رہے ہیں۔ تمہارا نمبر میں نے یاد کر لیا ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ نہ پہچانے جائیں اور بھاگ کھڑے ہوں، لیکن تم نہیں بچ سکتے۔"

بات تانگے والے کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ اس چاقو سے ضرور ڈرتا تھا جو ابھی ابھی نعیم نے دکھایا تھا۔ لیکن پولیس کے چکر، تاریک کوٹھری اور جیل کی زندگی سے بھی خائف تھا۔ اس نے تانگہ روک لیا۔

اختر نے اسے ڈانٹا۔

"ابے کیا کرتا ہے؟"

تانگے والے نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

"صاحب معاملہ خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ میں غریب آدمی ٹھہرا، ایک بوڑھی ماں ہے۔ ایک جوان بیوی۔ اگر جیل چلا گیا تو انھیں کون کھلائے گا۔ نا صاحب میں نہیں جاتا۔ تم جاؤ اور تمہارا کام۔ دو پیسے ہو تو میں کہاں جا پڑوں گا۔"

نعیم نے پھر چاقو نکال لیا۔ تانگے والا جیالا معلوم ہوتا تھا وہ تانگے سے کود پڑا اس نے نعیم سے کہا۔

"بڑے ظالم کہاں چلے ہو۔ آؤ، ذرا دو دو ہاتھ ہو جائیں وہ دن ہوا ہوئے جب چاقو دیکھ کر ڈر جاتا، ہو تو مجھے نام نہیں۔"

اختر نے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

"ابے تجھ سے نام کس نے پوچھا تھا۔ یار نعیم یہ تو بڑا احمق نکلا۔"

نعیم اور اختر دونوں نیچے اتر آئے اور تانگے والے کو سمجھاتے ہوئے

"میاں تم نہیں جانتے معاملہ کیا ہے؟"

تانگہ والے نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔

"صاحب! مجھے ضرورت ہی کیا ہے کسی کا معاملہ جاننے کی، نہ جانتا ہوں نہ جاننا چاہتا ہوں، بیگم صاحبہ آپ اتر آیئے۔ میں اپنا تانگہ لے کر جاؤں۔ نہ جانے آج کس منحوس کا منہ دیکھا تھا کہ سارا دن گذر گیا اب رات آگئی دو روپیہ بھی نہیں کما سکا۔"

نعیم اب سمجھوتہ پر مائل تھا اس نے کہا۔

"بیلی کوٹھی یہاں سے زیادہ دور نہیں، وہاں تک چلے چلو ہم تمہیں دس روپے دیں گے۔"

اختر نے دس روپے کا نوٹ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا اور کہا۔

"یہ لو دس روپے۔"

لیکن وہ اپنی ضد پر قائم تھا کہنے لگا۔

"صاحب میں ایسی چوکھوں کا کام نہیں کرتا، فاقہ کر لوں گا۔ مگر یہ روپے نہیں چاہئیں۔"

نعیم نے بات بنانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"بھائی تانگہ والے تم بڑے ناسمجھ آدمی ہو، یہ کوئی غیر نہیں، ہماری بھابی ہیں۔ یہ جو ان کے پاس بیٹھے ہیں شوہر ہیں، میاں بیوی میں لڑائی ہو ہی جاتی ہے۔ آج بھی کچھ کھٹ پٹ ہو گئی۔ بھابی جان روٹھ کر اسٹیشن پہنچ گئیں کہ میں تو اپنے میکہ جاتی ہوں کوئی اور بات جو تم سمجھ رہے ہو نہیں ہے۔"

لیکن تانگہ والا اپنی ضد پر اور فیصلہ پر قائم رہا۔

"اگر یہ بات ہے تو تھانہ چلئے، وہاں انسپکٹر صاحب سے اپنا فیصلہ کرا لیجئے۔ لیکن اتنی رات کے وقت میں کوٹھی جانے سے رہا۔ ہاں بیگم صاحبہ راضی ہو جائیں تو چلا چلوں گا۔"

یاسمین اب تک خاموش تھی اب بولی۔

"تانگہ والے یہ بدمعاش بالکل جھوٹے ہیں، میں انھیں جانتی بھی نہیں۔ اپنے آپ کو پولیس والا ظاہر کرکے مجھے تھانے لے جانا چاہتے تھے۔ بیلی کوٹھی کا نام سن کر میں چونکی اور انہیں آگے بڑھنے سے منع کر دیا۔ میں ہرگز ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

تانگہ والے نے بیڑی سلگاتے ہوئے کہا۔

"بس تو ہم بھی نہیں جا سکتے۔"

نعیم کو غصہ آگیا اس نے تڑ سے ایک چانٹا تانگہ والے کے منہ پر جما دیا اور چاقو نکال لیا۔ لیکن وہ بھی غضب کا چھوٹ تھا اس نے بجلی کی سی تیزی سے وہ چاقو چھین لیا۔ نعیم کے ہاتھ سے اور سڑاک سے ایک چابک جو لگائی تو بلبلا ہی تو گئے۔ "حضرت"، اختر نے نعیم سے کہا۔

"لعنت بھیجو، آؤ چلیں۔"

چابک کھا کر نعیم کا حوصلہ بھی پست ہو گیا۔ سامنے درختوں کا جھنڈ تھا، خاموشی سے وہ دونوں اس میں غائب ہو گئے۔

تانگہ والا پھر آکر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

"بڑا طرم خاں سمجھتے تھے اپنے آپ کو۔ الو کے پٹھے، ایک ہی چابک میں چیں بول گئے۔ ہاں بیگم صاحبہ کدھر لے چلوں۔"

"کیا یہاں کوئی اچھا اور شریف ہوٹل ہے۔؟"

گھسیٹے نے جواب دیا۔

"بہت، پالو ہوٹل ہے، نگار ہوٹل ہے۔ گلزار ہوٹل ہے، جہاں کہئے لے چلوں،"

یاسمین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

"میں اس شہر میں پہلی مرتبہ آئی ہوں، تم نے اس وقت بڑی شرافت کا ثبوت دیا کہ میری جان اور عزت ان بدمعاشوں سے بچا دی۔ کسی ایسے ہوٹل کو

لے چلو جو واقعی شریف ہو۔"

گھسیٹے نے تانگہ آگے بڑھایا اور کہا۔

"آپ کہیں باہر سے آ رہی ہیں۔؟"

وہ بولی

"ہاں ـــ ابھی تھوڑی دیر پہلے جو گاڑی آئی تھی اس سے اتری ہوں۔"

"کہاں سے آ رہی ہیں آپ؟"

یاسمین نے کہا

"کیا کرو گے پوچھ کر۔ دکھ کے ماروں کا حال سنکر کوئی لطف نہ آئیگا تمہیں۔"

گھسیٹے نے گھوڑے کے ایک چابک جمایا، پھر ایک بیڑی سلگائی، پھر پوچھا۔

"اس شہر میں آپ کی جان پہچان کا کوئی نہیں ہے۔؟"

یاسمین نے ایک ٹھنڈی سانس لیکر کہا۔

"نہیں ـ ساری دنیا میں میرا کوئی نہیں۔"

گھسیٹے نے پھر کچھ نہیں دریافت کیا، بیڑی پھینکی اور گنگنانے لگا۔

ـ "غریبوں کا بھی کوئی آسرا ہوتا تو کیا ہوتا۔"

پھر کہا۔

"آپ نے بھی غضب کیا اکیلی اور ایسے وقت چلی آئیں آخر یہاں کیا کیجئے گی"

یاسمین نے جواب دیا۔

"کروں گی کچھ نہ کچھ، نہیں نوکری کروں گی، اس وقت تو سوال یہ ہے کہ کوئی جگہ رات گذارنے کے لئے مل جائے۔"

"وہ تو مل جائے گی۔ لیکن بیگم صاحبہ میں آپ سے پھر کہتا ہوں، آپ سے بڑی چوک ہوئی۔ جوان ہیں، سندر ہیں، رات کا وقت اور تنہا آپ، دیکھئے نا یہ دو بدمعاش لگ ہی گئے تھے آپ کے پیچھے، اور پھر آپ تانگے والوں کو

کیا سمجھتی ہیں۔ یہ بھی تو بڑے بدمعاش ہوتے ہیں۔"

یاسمین نے کہا۔

"تم بھی تانگے والے ہو۔"

"ہاں بیگم صاحبہ، لیکن خدا نے پانچوں انگلیاں برابر نہیں بنائی ہیں جھوٹ کیوں بولوں میں خود چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔"

یاسمین کا بدن سنسنانے لگا، دل دھڑکنے لگا۔ وہ سوچنے لگی۔ تھا، کیونکہ ہو بھی تو سکتا ہے، اگر یہ بھی بدمعاش نکلا تو۔"

لیکن تانگے والا کہے جا رہا تھا۔

"لیکن جب سے میری جورو جو مری ہے دنیا سے جی بیزار ہو گیا، بوڑھی ماں اور بچوں کا ساتھ نہ ہوتا تو خودکشی کر چکا ہوتا۔"

کہتے کہتے گھسیٹے کی آواز بھرا گئی، وہ خاموش ہو گیا، پھر اس نے کوئی گفتگو نہیں کی، کسی گہرے خیال میں کھویا ہوا تھا اور تانگہ چلا رہا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک چھوٹے سے ہوٹل کے سامنے اس نے تانگہ روک دیا۔

"یہ ہے اپالو ہوٹل، سب شریف لوگ یہاں رہتے ہیں۔"

یاسمین نے پانچ روپے کا ایک نوٹ اس کے ہاتھ پر رکھا اور اتر پڑی، گھسیٹے نے نوٹ واپس کرتے ہوئے کہا۔

"بیگم صاحبہ یہ نوٹ رکھ لیجئے۔"

یاسمین نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کیوں؟ ـــ یہ میں نے تمہیں دیا ہے لے لو۔!"

تانگے والا نیچے اتر آیا۔

"نہیں بیگم صاحبہ میں نہیں لے سکتا، یہ حرام ہے مجھ پر۔"

یاسمین کو اور زیادہ حیرت ہوئی۔

"آخر کیوں نہیں لیتے؟ اگر تمہارے نزدیک یہ رقم کم ہے تو جو اور کہو دیدوں۔"

گھسیٹے نے جواب دیا۔

"بیگم صاحبہ میں آپ سے ایک پیسہ بھی نہیں لے سکتا۔ شاید میں ان دونوں بدمعاشوں کا آلہ کار بن جاتا۔ شاید میں خود کہیں آپ کو اڑا لے جاتا اور کسی بدمعاش کے حوالے کر کے اپنی جیبیں نوٹوں سے بھر لیتا۔"

یاسمین اب اپنے کو محفوظ سمجھ رہی تھی، لیکن گھسیٹے کے یہ الفاظ سن کر اس کا رنگ فق ہو گیا۔

گھسیٹے اپنی دھن میں مست کہے جا رہا تھا۔

"لیکن میرے لئے کچھ نہیں اس لئے کہ آپ کی آواز میری بہن دلاری سے جو قبر میں اپنے پاؤں پھیلائے سو رہی ہے اتنی ہے اور کچھ صورت بھی مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے آج تھوڑی دیر کے لئے دلاری زندہ ہو گئی ہے، بیگم صاحبہ میں آپ سے کچھ نہیں لوں گا، اگر لے لیا تو میرا دل پھٹ جائے گا۔ بھلا دلاری سے اپنی بہن سے کچھ لوں۔"

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ گریہ گلوگیر ہو گیا۔

یاسمین نے نوٹ واپس لے لیا، گھسیٹے نے اسے ممنون و مشکور نگاہوں سے دیکھا، اور آستین سے آنسو پونچھتا اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ہاتھ میں لگام لی اور گھوڑا آگے بڑھایا۔ پھر وہ کچھ سوچ کر رک گیا۔ اس نے کہا۔

"بیگم صاحبہ ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔"

یاسمین نے اجنبیت کے لہجے میں کہا۔

"ضرور کہو۔"

وہ کہنے لگا۔

"میرے تانگہ کا نمبر آپ نے یاد ہی کر لیا ہے، میرا نام گھسیٹے ہے، یہ بھی یاد

رکھئے، خدا آپ کو خوش رکھے، میں نہیں جانتا آپ اپنے گھر سے اس شہر میں آئی ہیں ضرور کوئی خاص بات ہو گی۔ لیکن میرا دل گواہی دیتا ہے آپ بھی اتنی ہی پاک، نیک اور شریف ہیں جتنی میری دلاری تھی۔ تانگہ چلاتے اتنے دن ہو گئے ہیں سواری بھانت بھانت کی سواری سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ آدمی کی صورت دیکھ کر ہی پہچان لیتا ہوں کیسا ہے، میں نے دھوکا نہیں کھایا ہے، آپ ضرور مصیبت زدہ ہیں اور شریف ہیں۔ کبھی کسی خدمت کی ضرورت ہو تو مجھے آپ کے پسینے پر اپنا خون بہانے میں بھی دریغ نہ ہو گا۔"

یاسمین نے تاثر کے عالم میں کہا۔

"مجھے یقین ہے گھسیٹے۔"

تانگہ چلا گیا اور وہ ہوٹل کی طرف بڑھی۔

یہ رات کا آخری حصہ تھا۔ گھڑی نے تین بجائے کہ یاسمین منیجر کے کمرے میں پہنچی، یہاں ایک خوبصورت اور شکیل نوجوان کرسی پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا، پاؤں اطمینان سے میز پر پھیلے ہوئے تھے اتنے میں چک اٹھا کر یاسمین اندر پہنچی، منیجر سے دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا، گھبراہٹ اور اضطراب کا یہ عالم تھا کہ میز سے پاؤں ہٹاتے ہوئے اگرتے گرتے بچا، جلدی سے چوکس ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا

یاسمین نے پوچھا۔

"کیا آپ کے یہاں کوئی کمرہ خالی ہے؟"

منیجر نے جواب دیا۔

"جی ہاں خالی ہے۔"

یاسمین نے دریافت کیا۔

"ایک کمرہ کا کرایہ روزانہ کیا لیتے ہیں آپ؟"

منیجر نے کہا۔

"سنگل کمرہ کے پانچ روپے، ڈبل روم کے دس روپے، ڈبل کمرہ کے ساتھ ایک چھوٹا سا ڈریسنگ روم بھی ہوتا ہے۔"

یاسمین نے کہا۔

"تو ایک ڈبل کمرہ میرے نام بک کر لیجئے۔"

منیجر نے رجسٹر اٹھایا اور قلم سنبھال کر پوچھا۔

"آپ کا اسم شریف۔"

"یاسمین۔"

"کہاں سے تشریف لائی ہیں آپ؟"

"کوئی شہر بھی لکھ لیجئے۔"

اس نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا اور غور سے یاسمین کی صورت دیکھنے لگا۔

"معاف کیجئے گا محترمہ، ہم قانون اور ضابطہ کی پابندی پر مجبور ہیں، بغیر اس کے خواہ وہ کتنا معزز کیوں نہ ہو نہیں ٹھہرا سکتے۔"

یاسمین نے منیجر پر ایک نگاہ ڈالی اور گویا ہوئی،

"دیکھئے منیجر صاحب! میں یہ ہرگز نہیں بتاؤں گی کہ کہاں سے آئی ہوں، ویسے آپ جو شہر چاہیں لکھ لیں مجھے قطعاً کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

منیجر ہچکچایا

"لیکن میں اپنی طرف سے کیسے لکھ لوں؟"

"اچھا تو آپ رنگ پور لکھئے۔ آپ کا مطالبہ پورا ہو گیا۔"

"آپ فرماتی ہیں تو رنگ پور لکھے لیتا ہوں لیکن آپ وہاں سے آ نہیں رہی ہیں؟"

"اس سے آپ کو کیا سروکار؟ کیا ہر مسافر آپ کے ہاں اپنے شہر کا نام لکھواتا ہے؟ آپ پولیس کی طرح اس سے سوال کرتے ہیں کہ تو وہاں سے آ رہا ہے یا نہیں؟ فرض کیجئے میں غلط کہتی ہوں لیکن اس کی ذمہ داری بھی پر ہے، اگر میرا یہ جھوٹ قابل اعتراض و تعزیر ثابت ہوا تو میں بھگت لوں گی، اس کا نتیجہ آپ پر کوئی آنچ نہیں آنے دے گی۔"

"بہت بہتر۔"

منیجر نے شہر کی جگہ رنگ پور لکھ لیا، پھر پوچھا۔

"آپ تنہا آئی ہیں؟"

"جی ہاں۔"

"کوئی آپ کے ساتھ نہیں۔"

"جی نہیں۔"

"کسی مرد کے بغیر آپ تنہا یہاں رہیں گی؟"

"یہ ہوٹل دنیا سے تو بہر حال چھوٹا ہے۔ جب بہت سی مجھ جیسی عورتیں اس وسیع و عریض دنیا میں تنہا رہ رہی ہیں تو میں ہوٹل میں کیوں نہیں رہ سکتی؟"

"جی ہاں یہ تو درست ہے لیکن زمانہ بڑا نازک ہے۔"

"وہ تو مجھے معلوم ہے، زمانہ نازک نہ ہوتا تو میں یہاں، آپ کے اس شہر میں آپ کے ہوٹل میں، آپ کے اس کمرہ میں کیوں موجود ہوتی۔ کیا آپ کو میرے تنہا رہنے پر اعتراض ہے کچھ؟"

"جی مجھے تو نہیں۔"

"پھر آپ اتنے پریشان کیوں نظر آ رہے ہیں اس سلسلہ پر؟"

"بہر حال یہ بات قابلِ اعتراض ہے، اس سے تو آپ بھی انکار نہیں کر سکتیں۔"

"کیا اعتراض ہے آپ کو؟"

"ایک جوان اور ——"

"ہاں کہیے —— خوبصورت عورت ——"

"جی میں یہی کہنا چاہتا تھا ایک جوان اور خوبصورت عورت کا تنہا رہنا معیوب تو ہے۔"

"یہ آپ ٹھیک کہتے ہیں، لیکن حالات انسان کو بہت سی معیوب باتیں کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں، بہر حال اگر آپ کو اعتراض ہو تو میں چلی جاؤں، کوئی جگہ تلاش کر لوں گی۔"

منیجر کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ یاسمین چلی جائے۔

"اب آ گئی ہیں تو کہیں اور کیوں جائیے۔ یہیں رہیے۔"

"شکریہ۔"

"سامان آپ کا کہاں ہے؟ کیا ہے؟"

"میرے ساتھ کوئی سامان نہیں ہے۔"

"آپ کے ساتھ کوئی سامان نہیں ہے؟"

"بالکل نہیں۔ صرف یہ اٹیچی ہے جس میں چند جوڑے کپڑے ہیں۔"

"اور بستر۔"

"وہ کرایہ پر غالباً آپ کے یہاں سے مل سکے گا۔"

منیجر سر کھجانے لگا۔ اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں مل تو سکتا ہے۔ لیکن ——"

"کیا پھر کوئی قابلِ اعتراض بات ذہن میں آئی ہے؟"

"قابلِ اعتراض نہیں خطرناک —— آپ کا اس طرح یکہ و تنہا اور بے سروسامان آنا یقیناً خطرناک ہے۔"

"کس کے لئے؟"

"آپ کے لئے بھی اور ہمارے لئے بھی۔"

"میری پرواہ نہ کیجئے۔ میں سب کچھ بھگت لوں گی۔ آپ کے لئے کیوں خطرناک ہے؟"

"اگر آپ کی اس آمد کی تہ میں کوئی راز پوشیدہ ثابت ہوا، یا پولیس آپ کو تلاش کرتی ہوئی آئی اور اس نے پا لیا، یا کوئی اور بات اٹھ کھڑی ہوئی تو ہم کیا جواب دیں گے۔ منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے ہماری ساکھ مٹی میں مل جائے گی۔ آپ کا معاملہ تو زیادہ سے زیادہ پُراسرار ہوتا جاتا ہے —— بہتر ہو کہ آپ کہیں اور انتظام کر لیں۔"

یہ بات منیجر نے فیصلہ کن لہجے میں کہی۔ یاسمین کا چہرہ اتر گیا۔ وہ پریشان نظر آنے لگی۔ اب تک وہ اطمینان سے منیجر سے الجھ رہی تھی اب اسے پاؤں کے نیچے سے زمین نکلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ وہ سوچنے لگی اب کہاں جاؤں، کس ہوٹل کا رخ

کروں؟ جہاں جاؤں گی یہی سوالات پیدا ہوں گے۔ ہر منیجر یہی پوچھے گا کہاں
سے آئی ہو؟ تنہا کیوں ہو؟ سامان کہاں ہے؟ ۔۔۔ یا اللہ کہاں جاؤں کیا کروں؟
کیا تیری اس وسیع دنیا میں مجھے ایک گوشہ بھی ایسا نہیں مل سکتا جہاں میں سکون
و اطمینان اور عافیت کی زندگی بسر کر سکوں؟ میں دولت نہیں چاہتی، حشمت
نہیں چاہتی، اچھا کھانا اور اچھا کپڑا نہیں چاہتی۔ صرف یہ چاہتی ہوں کہ گوشۂ
عافیت میسر آجائے اور میں اپنی زندگی گزار دوں، مگر میرے لئے یہ تیری وسیع
دنیا اتنی تنگ ہے کہ ایک گوشۂ عافیت بھی نہیں مل سکتا۔"

یہ سوچتے سوچتے یاسمین کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں وہ خاموشی سے اٹھی
اور جانے لگی۔

"آپ کہاں جا رہی ہیں۔"

وہ بولی

"خدا معلوم۔"

منیجر نے سمجھایا۔

"خطرناک شہر ہے۔ یہاں کے لوگ بھی خطرناک ہیں۔ آخر آپ اپنی قسمت
سے کیوں کھیل رہی ہیں؟ کیا سوجھی تھی آپ کو گھر سے نکلنے کی؟"

یاسمین نے کہا۔

"میرا مذاق نہ اڑائیے۔ میری مجبوری اور بے کسی سے استہزا نہ کیجئے۔ میری
طرح اور بھی نہ جانے کتنی لڑکیاں اور عورتیں ہوں گی جو چین کی نیند سو رہی ہوں گی
اس وقت ان میں سے کوئی بھی، کسی ہوٹل میں، کسی منیجر سے قیام کی بھیک نہیں مانگ
رہی ہے۔ نہ اسے چور، قاتل، اور رہزن سمجھ کر منیجر اس قسم کے سوالات کر رہا ہوگا۔
جیسے آپ مجھ سے کر رہے ہیں تو ایسا محسوس کر رہی ہوں، جیسے میں ایک
مجرم ہوں، یہ کمرہ ایک عدالت ہے اور آپ جج یا مجسٹریٹ ہیں (ٹھنڈی
سانس لے کر) خیر زندگی کا ایک دور یہ بھی ہے۔ گزر ہی جائے گا کسی نہ کسی طرح

کبھی نہ کبھی یہ بھی۔"

منیجر نے کچھ سوچتے ہوئے تاثر کے عالم میں کہا۔

"عجیب پُر اسرار اور پیچیدہ معاملہ ہے۔"

یاسمین نے تائید کی۔

"جی ہاں معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔ لیکن ایک بات بتا دوں؟"

منیجر نے اشتیاق اور آمادگی کے ساتھ کہا۔

"ضرور بتائیے۔ ارشاد؟"

وہ کہنے لگی۔

"اس دنیا میں میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ اس دنیا میں کوئی ایسا نہیں ہے
جو میرا عزیز یا دعویدار ہو، نہ باپ، نہ ماں، نہ بھائی نہ بہن، نہ شوہر
آپ کے اندیشے بجا ہیں۔ لیکن یقین کیجئے۔ پولیس میرا تعاقب نہیں کر رہی ہے،
نہ کرے گی، کوئی بھی میری تلاش میں نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے۔ آپ شاید کہیں گے
ہی کہ میرے پیچھے، میری تلاش میں، میرے عزیزوں کا قافلہ پوچھتا پوچھتا یہاں
نہ پہنچ جائے۔ مجھے پکڑ کر اپنے ساتھ لے جائے اور آپ سے پوچھے، کیوں اس بے
خاندان کو آپ نے پناہ دی۔ لیکن منیجر صاحب مطمئن رہیے۔ ایسا نہیں ہوگا۔
میرا کوئی خاندان نہیں ہے۔ لہٰذا میں نہ ننگِ خاندان ہوں نہ فخرِ خاندان۔ بہرحال
میں آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے اپنا وقت عزیز ضائع کیا اور میری
باتیں سنیں۔ آداب عرض۔"

یہ کہہ کر یاسمین باہر جانے کے لئے اٹھی، مڑی ہی تھی کہ منیجر صاحب کی
آواز کان میں آئی۔

"بیٹھیے تو!"

یاسمین آکر سامنے کھڑی ہو گئی۔

"فرمائیے۔"

"کہاں جائیں گی آپ"

"پہلے بھی آپ نے یہی سوال کیا تھا اور میں نے عرض کیا تھا خدا معلوم، اب بھی میرا جواب یہی ہے۔"

منیجر نے گھنٹی بجائی، فوراً ایک بیرا سامنے آکر کھڑا ہو گیا، منیجر نے اسے حکم دیا۔

"جاؤ بیگم صاحبہ کے لیے ۱۳ نمبر کا کمرہ صاف کر دو، بستر وغیرہ ٹھیک کر دو، پھر آکر اطلاع دو۔"

بیرے کے جانے کے بعد منیجر نے پوچھا۔

"یقیناً آپ نے کھانا تو نہیں کھایا ہوگا۔"

یاسمین نے جواب دیا۔

"کھایا تو نہیں ہے لیکن اس وقت کھاؤں گی بھی نہیں، ناوقت کھانا کھانے کی میں عادی نہیں اور اب بھوک بھی نہیں ہے۔"

منیجر نے قدرے متبسم ہو کر کہا۔

"کھانا تو اب اس وقت ہے بھی نہیں، صرف چائے پی لیجئے۔"

یاسمین خاموش ہو گئی، منیجر نے پھر گھنٹی بجائی، ایک دوسرا بیرا حاضر ہوا، منیجر نے اسے چائے بنانے کا حکم دیا اور یہ سوچنے لگا اس کی باتیں، اس کی صورت، اس کے انداز و اطوار، اس کے طور طریقے، اس کی نگاہ شرمگیں، اس کی سنجیدگی اور جبلت کوئی چیز بھی تو ایسی نہیں ہے جس سے اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کی جائے۔ یقیناً یہ کوئی آبرو باختہ عورت نہیں ہے اور یقیناً اس پر کوئی بپتا پڑی ہے لیکن اپنے حالات ظاہر کرتے ہچکچاتی ہے۔

اتنے میں بیرا چائے لے کر آگیا، چائے کے ساتھ کچھ بسکٹ، کیک، پیسٹری بھی تھی۔ منیجر نے خود اپنے ہاتھ سے چائے بنائی اور پیالی اس کی طرف بڑھا دی، اس نے صرف چائے پی لی، بسکٹ اور چیزوں کو ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ پیالی اس نے رکھی تھی کہ بیرا آگیا۔ یاسمین نے ایک مرتبہ پھر منیجر کا شکریہ ادا کیا اور اپنے کمرہ میں چلی گئی۔

صبح ہوئی تو بیرے نے حاضر ہو کر دریافت کیا۔

"کیا ناشتہ لے آؤں۔"

اس نے تولیہ سے منہ پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں لے آؤ۔"

ذرا دیر میں ناشتہ آگیا، ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد اس نے بیرے سے کہا۔

"دیکھو ہر روز ایک اخبار میرے کمرے میں آنا چاہیئے۔"

"بہت خوب۔"

یہ کہہ کر وہ چلا گیا، اس کے جانے کے بعد یاسمین نے اپنا لباس ٹھیک کیا اور منیجر کے کمرہ میں پہنچی، وہ اسے دیکھ کر سروقد کھڑا ہو گیا۔

"تشریف رکھئے مس یاسمین۔"

وہ کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنا پرس کھولا۔ اور اس میں سے سو سو کے دو نوٹ نکال کر منیجر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"یہ روپیہ رکھ لیجئے، امید ہے اس رقم کے ختم ہونے تک روزگار کا انتظام کر لوں گی۔"

منیجر نے نوٹ لے لئے اور بولا،

۔ روزگار کا انتظام ؟ کیا آپ ملازمت کریں گی ؟ ۔

وہ مطمئن لہجہ میں بولی۔

۔ کیوں نہیں کروں گی ؟ ۔

۔ بہت بہتر ۔

منیجر نے وہ نوٹ تجوری میں رکھتے ہوئے یہ الفاظ کہے۔

یاسمین اپنے کمرے میں چلی آئی۔ اتنی دیر میں بیرا صبح کا اخبار رکھ کر چلا گیا تھا اس نے ایک سرسری نظر اخبار پر ڈالی۔ پھر "ضرورت ہے" کے کالم کو غور سے دیکھنے لگی۔ ایک اشتہار بھی ڈھب کا نظر سے نہیں گذرا، مایوس ہو کر اُسے الگ رکھ دیا، اپنے ساتھ اٹیچی میں کچھ کتابیں لائی تھی، ایک کتاب نکال کر اس کا مطالعہ کرنے لگی، دوپہر کو کھانا کھایا، پھر سو رہی، سہ پہر کی چائے کے بعد پھر کتاب پڑھنے لگی، یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ رات کے کھانے سے فارغ ہو کر بتی بجھائی اور سونے کے لئے لیٹ گئی۔

لیکن نیند کا کہاں پتہ تھا، کروٹیں بدلتی رہی اور عالم خیال میں نہ جانے کہاں کہاں کی سیر کرتی رہی۔

اس نے سوچا میری بھی کیا زندگی ہے، جب سے ہوش سنبھالا ہے، ایک لمحہ کے لئے چین اور سکھ نہ ملا۔ ماں مر گئی، باپ نے آنکھیں پھیر لیں۔ سوتیلی ماں آئی اس نے ظلم و ستم کی حد کر دی، پھر اس کا ایک لفنگا بھائی ہاتھ دھو کر پیچھے پڑ گیا وہاں سے بھاگی تو دلی میں ایک پارسا عورت مل گئی۔ اسے اپنا ہمدرد سمجھا اس نے باتوں میں میرا دل جیت لیا، اس کے گھر پہنچی تو معلوم ہوا کہ یہ گھر نہیں، قحبہ خانہ ہے، بڑی طرح پھنس گئی۔ لیکن خدا نے مدد کی، وہاں سے بھاگی، رابعہ بیگم کے دامن میں پناہ لی، وہاں پہنچ کر سارے غم، سارے دکھ، سارے صدمے بھول گئی۔ ان کی محبت و شفقت، عنایت، ہمدردی، دلسوزی

جب تک زندہ ہوں یاد رکھوں گی۔ وہاں وہ ننھی سی گڑیا تنویر مل گئی، اب تو ماشاء اللہ سیانی ہو گئی ہو گی۔ وہ میرے دل کی مالک بن گئی، اس کی بھولی بھولی باتیں، اس کی معصوم ادائیں، اس کی سچی محبت، اس کا بے لوث تپاک، جب تک زندہ رہوں گی، یاد رکھوں گی، پھر ——

پھر وہاں ایک جوان رعنا مل گیا، انجم،

پہلے تو میں نے یہ سمجھا، یہ بھی کوئی بد نظر اور بد فطرت نوجوان ہے، جیسے عام طور پر ہوا کرتے ہیں، پھر جب اس نے میرا تعاقب کیا، مجھ سے بے تکلف اور مانوس ہونے کی کوشش کی، تو اور زیادہ گھبرائی، لیکن جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وہ انسان نہیں، فرشتہ ہے۔!

نہیں، فرشتہ نہیں انسان ہے، صحیح معنوں میں اچھا اور سچا انسان! اپنے ارادہ کے خلاف، اپنے دل سے بارہا لڑنے کے باوجود میں اس سے محبت کرنے لگی، کسی طرح اس کی محبت کو اپنے دل کی کوٹھری سے باہر نہ نکال سکی وہ تھا بھی اس قابل کہ اُسے چاہا جاتا، پیار کیا جاتا، دل و جان اس کے قدموں پر نچھاور کر دیئے جاتے۔

جوان رعنا — حسن مردانہ کا دل کش اور دل آویز نمونہ، اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ باکردار، شریف، نجیب، بات کا کھرا، قول کا پکا، غریبوں کا ہمدرد،

انجم میری زندگی میں داخل ہوا، اور میں نے یہ سمجھا کہ مجھے دنیا کی سب سے بڑی نعمت مل گئی۔

سوچا کرتی، ایک وہ دن بھی آئے گا جب انجم میرا ہو جائے گا، میں اس کی ہو جاؤں گی۔!

نہ جانے کیسے کیسے نقشے، دل فریب، خوش آئند اور روح پرور نقشے، آئندہ زندگی سے متعلق اپنے کمرہ میں بیٹھی بنایا کرتی تھی، اتنے میں وہ آ جاتا تھا اور

اپنی سحر طراز باتوں کا سلسلہ شروع کر دیتا تھا۔ نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔
میں ان باتوں میں کھو جاتی تھی، دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا، میں جنت میں پہنچ گئی، مجھے وہ لازوال سرور حاصل ہو گیا۔ جس پر زندگی تصدق کی جا سکتی ہے۔

دن اسی طرح گزرتے رہے، شب و روز کی رفتار اسی طرح جاری رہی پھر ایک روز میں نے محسوس کیا، جو کچھ میں چاہتی ہوں، جو کچھ انجم چاہتا ہے، وہ نہیں ہو سکتا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے نہیں بن سکتے۔ ایسا ہونا بھی نہیں چاہیئے، ہم دونوں کو ایک دوسرے کا رفیق زندگی بننے کی کوشش بھی نہ کرنی چاہیئے۔!

میں انجم کو چاہتی تھی۔ انجم دل و جان سے میرا پرستار تھا۔

اور ایک روز دفعتاً مجھے معلوم ہوا کہ رابعہ بیگم اس کی شادی اپنے والد کے ایک دوست کی لڑکی رخسانہ سے طے کر آئی ہیں۔ یہ سن کر مجھ پر بجلی گر پڑی، رابعہ بیگم نے مجھ سے صلاح لی، میں تائید ہی کر سکتی تھی سو کی، انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

وہ مجھ سے محبت کرتی تھیں، بے انتہا اعتماد کرتی تھیں مجھ پر، سارا گھر انہوں نے صرف مجھ پر چھوڑ دیا تھا۔ گھر کا سارا حساب کتاب میرے ہاتھ میں رہتا تھا، لین دین سب میں کرتی تھی، حد یہ ہے کہ انجم کو جیب خرچ بھی میرے ہاتھ سے ملتا تھا۔ خود رابعہ بیگم بھی میری دست نگر رہتی تھیں۔ لیکن انتہائی محبت کرنے کے باوجود وہ یہ کبھی نہ سوچ سکیں کہ میں ان کے چہیتے، دلارے اور دولت مند بھائی کی بیوی بننے کی صلاحیت رکھتی ہوں، جس ماحول میں وہ پلی تھیں، اس کا تقاضہ بھی یہی تھا کہ ایسی بات ان کے دماغ میں بھی نہ آئے۔

لیکن انجم صاحب اکڑ گئے۔

"میں رخسانہ سے شادی نہیں کروں گا۔"

وہ بضد تھے۔

"میری شادی صرف تمہارے ساتھ ہوگی۔"

اور میرے منع کرنے کے باوجود ایک مرتبہ بہن سے بھی کہہ دیا۔

"میں رخسانہ سے شادی نہیں کر سکتا۔"

رابعہ بیگم، جو انجم کی اولاد سے زیادہ چاہتی تھیں، جو اس کی نالائقیوں پر بھی فخر کیا کرتی تھیں، جنہوں نے اس کے لئے ماں اور باپ کے مشترک فرائض ادا کئے تھے، اس وار کی تاب نہ لا سکیں غصہ کی شدت سے بے ہوش ہو گئیں۔

انہیں بے ہوش دیکھ کر، ان کی یہ کیفیت دیکھ کر میں نے فیصلہ کر لیا، وہی ہوگا جو یہ چاہتی ہیں۔ انجم کی شادی رخسانہ ہی سے ہوگی۔ میں ان کے بیچ میں سے ہٹ جاؤں گی۔

انجم بھی بہن کو دیوانہ وار چاہتا تھا، ان کی بے ہوشی سے سہم گیا۔ میں نے دیکھا لوہا گرم ہے، چوٹ لگانے کا وقت ہے، میں نے اس سے کہا، اگر تم نے رابعہ بیگم کی بات نہ مانی تو وہ مر جائے گی، کیا تم اپنی خوشی پر انہیں بھینٹ چڑھا دو گے؟"

بہن کے مرنے کا تصور وہ نہ کر سکا، بس پھر میں نے پانسا جیت لیا، اپنی مرضی دل اور فیصلہ کے خلاف وہ رخسانہ سے شادی کرنے پر رضامند ہو گیا۔!

اور پھر ایک دن آیا کہ رخسانہ دلہن بن کر گھر میں آ گئی۔

رابعہ بیگم بھی جاتی تھیں، وفور مسرت سے، میں نے بھی سچے دل سے اپنی اس رقیب کا خیر مقدم کیا اور اس کی خاطر داری میں لگ گئی، لیکن یہ رخسانہ بھی عجیب طرح کی عورت تھی۔

مجھے یہ ماننا چاہیئے، اسے انجم سے محبت تھی، شاید عقد سے پہلے ہی سے اسے چاہنے لگی تھی، پھر جب اس کا روئے نو بہار دیکھا تو ہزار جان سے فریفتہ ہو گئی۔

رخسانہ جیسی عورتیں میری نظر سے کم گزری ہوں گی، غصہ ناک پر رکھا ہوا، انتہائی

بدمزاج، خودسر، گستاخ اور حاسد!

گھر میں قدم رکھتے ہی اس نے چاہا کہ بھائی بہن میں تفریق کرا دے۔ اب تک رابعہ بیگم اور ان کی یتیم بچی تنویر اور یتیم بھائی انجم کا حساب کتاب مشترک تھا حکومت سارے گھر پر رابعہ کی تھی۔

رخسانہ نے آتے ہی یہ چاہا کہ رابعہ بیگم کونے میں بیٹھ جائیں اور گھر کی کنجی اس کے حوالے کر دیں۔

رابعہ بیگم کو کمی کاہے کی تھی، ان کے شوہر لاکھوں کی جائداد اور نہ جانے کتنا روپیہ نقد چھوڑ کر مرے تھے، انہوں نے جو دیورانی کا یہ رنگ دیکھا تو خود ہی حساب کتاب الگ کر دیا، اور کنجیاں رخسانہ کے حوالہ کر دیں۔

لیکن انجم بھلا یہ بات کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ اس نے قیامت مچا دی اور یہ نہیں ہونے دیا۔

رخسانہ انجم سے خفا رہنے لگی،

پھر رخسانہ نے ایک اور حرکت کی، تنویر سے جلنے لگی۔

انجم دنیا میں سب سے زیادہ، شاید مجھ سے بھی زیادہ تنویر کو چاہتا تھا، دنیا کی ہر چیز وہ اس پر قربان کر سکتا تھا، بچوں سے زیادہ محبت کا قدردان کوئی نہیں ہوتا، وہ بھی ہر وقت اسی کے پاس بیٹھی رہتی۔ شادی کے بعد بھی انجم اور تنویر کی دوستی اسی طرح قائم رہی۔ لیکن رخسانہ کو یہ معصوم دوستی ناپسند تھی، اس نے تنویر کو ڈانٹنا، جھڑکنا، اور مارنا شروع کر دیا۔

یہ حالات معلوم ہوئے تو انجم ہوش و حواس کھو بیٹھا، اس کا بس چلتا تو رخسانہ کو جان سے مار ڈالتا، اسے طلاق دے دیتا، لیکن رابعہ بیگم اپنے کہے کو نبھانا چاہتی تھیں، انہوں نے بڑی دانشمندی اور حکمت عملی سے کام لیا، بات بڑھنے نہ دی، وہ ہمیشہ رخسانہ سے وہی برتاؤ کرتیں جو ایک لڑکی سے ماں کا ہونا چاہیئے، لیکن رخسانہ کا برتاؤ ان کے ساتھ وہ تھا جو ایک ہٹیلی گستاخ اور بیہودہ بہو کا ساس سے

ہوتا ہے۔

پھر نہ جانے کیوں، رخسانہ میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی، مجھ سے جلنے لگی، نفرت کرنے لگی، ذلیل کرنے لگی مجھے، لیکن میں ایک خاموشی سے ہزار بلائیں ٹالنے کی عادی ہو چکی تھی۔

اور پھر — آہ، ایک دن رابعہ بیگم اس دنیا سے سدھار گئیں۔

مرتے وقت انہوں نے انجم کو میرے بارے میں وصیت کی کہ میرے اختیار و اقتدار میں کوئی فرق نہ آئے، کتنی محبت تھی انہیں مجھ سے۔

لیکن رابعہ بیگم کے انتقال کے بعد رخسانہ کا پارہ اور چڑھ گیا، اب وہ صحیح معنوں میں اس گھر کا اپنے آپ کو مالک سمجھنے لگی تھی، اب وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہیں تھی، سب اس کے محکوم اور دست نگر تھے، جتنے نوکر یا خدام تھے نیاز مند اور مطیع تھے، سب سے پہلے اس نے منشی ثابت علی کو جو مختار تھے حکم دیا کہ اب سارا حساب کتاب میرے بجائے وہ دیکھا کریں گی، منشی جی کو نہ جانے کتنی چوریاں پکڑ کر میں معاف کر چکی تھی — وہ مجھ سے جلتے تھے، ان کا خیال تھا اور صحیح خیال تھا کہ وہ تنگ اور خوشامد سے رخسانہ کو رام کر لیں گے اور خوب ہاتھ رنگیں گے انہوں نے تعمیل ارشاد شروع کر دی۔

لیکن انجم کو یہ گوارا نہ تھا۔

انجم نے مختار کو مارتے مارتے چھوڑا اور پھر میاں بیوی میں خوب لڑائی ہوئی،

جب تک رابعہ بیگم زندہ تھیں، انجم رخسانہ سے دبا دبا رہتا تھا، اب وہ کسی کا دبیل نہیں تھا، وہ بھی اکڑ گیا، اس نے فیصلہ کر لیا کہ رخسانہ کو طلاق دے دے گا اور مجھ سے شادی کرے گا۔

اس فیصلہ پر وہ پہاڑ کی طرح جم گیا۔

میں نے لاکھ سمجھایا، منتیں کیں، التجائیں کیں، لیکن وہ من چلا آدمی

اپنے فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے پر تُل چکا تھا۔

اب میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ گیا کہ اس گھر کو چھوڑ دوں۔! اگر میں انجم سے شادی کر لیتی تو رخسانہ کی زندگی تباہ ہو جاتی ایک عورت، ایک عورت کی زندگی کو تباہ کر دے، اسے میں سوچ بھی نہیں سکتی،

رخسانہ اس لئے بھی میری نظر میں قابل معافی تھی کہ وہ کیسی بھی تھی لیکن انجم سے اپنی خودسری، اکڑ، شان، جاہ و جلال اور نمود و نمائش کے باوجود محبت کرتی تھی، میں کس طرح گوارا کر لیتی کہ اپنی محبت کو بامراد کر لوں اور اس کی محبت کا گلا گھونٹ دوں؟۔

پھر ایک بات اور بھی تو تھی،

اگر میں شادی کر لیتی تو اس نیک نام خاندان کی کتنی بدنامی ہوتی۔

وہی انجم جس کی شرافت اور بلند کردار کے سامنے لوگوں کی گردنیں جھکی تھیں، کتنا ذلیل اور رُسوا ہوتا؟

کیا میری محبت اتنی خودغرض تھی کہ اپنے آپ کو خوش رکھنے کے لئے میں یہ سب گوارا کر لیتی۔؟

میرے لئے یہی مناسب تھا کہ میں راستے سے ہٹ جاؤں۔

ایک سوال تو یہ کا تھا اور یہ بڑا ٹیڑھا سوال تھا۔ اسے کیا کروں۔؟ اسے کس طرح چھوڑ دوں۔؟

لیکن قدرت نے خود بخود یہ سوال حل کر دیا۔ وہ بورڈنگ میں داخل کر دی گئی، مجھے اطمینان تھا اب وہ رُخسانہ کے دست تظلّم سے محفوظ ہو گئی، مجھے یہ بھی یقین ہو گیا کہ بورڈنگ کی نئی دنیا میں وہ مجھے بھول جائے گی، یا کم از کم اس شدت سے میری کمی محسوس نہیں کرے گی، جیسی رخسانہ کی سرپرستی میں رہ کر کرتی۔

اور عین اس روز جب میں نے آخری فیصلہ کرنے کا انجم سے وعدہ کیا تھا اپنا یہ چھوٹا سا اٹیچی اُٹھا کر اور اپنے جیب خرچ کے وہ روپے جو رابعہ بیگم کے زمانے سے میرے حساب میں درج ہوتے چلے آرہے تھے اور جن کا بہت کم حصہ میں نے خرچ کیا تھا، لے کر اس گھر سے نکل گئی۔

اور گھر سے نکلتے ہی مصیبتوں اور پریشانیوں نے مجھے گھیر لیا آفتوں اور کلفتوں نے مجھ پر دھاوا بول دیا۔

اب یہ اپالو ہوٹل کا کمرہ ہے اور میں ہوں!

یہاں آتے ہی دو شریف آدمیوں سے سابقہ پڑا، اگر خدا نے گھسیٹے کے دل میں نیکی نہ ڈالی ہوتی تو میرا کیا حشر ہوتا، پھر ہوٹل پہنچی۔ یہاں آکر کیسے کیسے امتحانوں سے گزرنا پڑا، سوچتی ہوں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

لیکن یہ تو آغاز ہے۔ ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں، ابھی اور نہ جانے کن کن مصائب سے آفتوں سے، حادثوں سے گزرنا پڑیگا۔

کوئی حرج نہیں، میں سب کچھ گوارا کروں گی، ہر مصیبت برداشت کروں گی مر جاؤں گی، مگر انجم کے سکون کو درہم برہم نہیں کروں گی۔ رخسانہ کے سکھ پر ڈاکہ نہیں ڈالوں گی، میں شاید اسی لئے پیدا کی گئی ہوں کہ ناکامی اور نامرادی کی زندگی بسر کروں۔

اور پھر وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔

کون تھا جو اس کے آنسو پونچھتا؟ کون تھا جو اس سے ہمدردی کرتا؟ کون تھا جو اس کی مدد کرتا۔؟

کوئی نہیں۔

کئی دن اسی طرح گزر گئے!

اپالو ہوٹل کے منیجر کو دو سو روپے دے چکنے کے بعد سو روپے بچے تھے۔ اس میں سے کچھ رقم خرچ ہو چکی تھی، سامنے بھیانک مستقبل منہ کھولے کھڑا تھا۔ ناکامی و نامرادی ہاتھ باندھے ساتھ تھی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اب کیا ہوگا۔

حسب معمول وہ اخبار اُلٹتی پلٹتی رہی، اتنے میں ایک اشتہار پر اس کی نظر پڑی۔

سوشل ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ میں ایک خاتون کی ضرورت ہے جو امور خانہ داری سے واقف ہو، کشیدہ کاری جانتی، مختلف قسم کے دیسی اور بدیسی کھانے بنانے کے فن سے واقف ہو اور تعلیم یافتہ بھی ہو، ڈگری کی کوئی شرط نہیں ہے۔ تنخواہ معقول دی جائے گی۔ ۱۲ تاریخ کو مندرجہ ذیل پتہ پر چار اور پانچ بجے شام کو ملاقات کی جائے گی۔ ڈاک سے بھیجی ہوئی درخواستوں پر غور نہیں کیا جائے گا۔

یہ اشتہار پڑھ کر اس کا چہرہ کھل اُٹھا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے مصیبتوں کا دور اب ختم ہو رہا ہے۔ اب ایک ایسا گوشۂ عافیت میسر آ جائے گا جہاں وہ امن اور سکون کی زندگی بسر کر سکے گی!

گھڑی دیکھی تو چار بج چکے تھے۔ وہ ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی، جلدی جلدی کپڑے بدلے بال درست کئے، آئینہ کے سامنے کھڑی تھی کہ بیرا سہ پہر کی چائے لے کر حاضر ہوا، اس نے آئینہ کے سامنے کھڑے کھڑے کہا۔

"نہیں۔ اس وقت چائے نہیں پیوں گی — لے جاؤ، میری طرف سے تم پی لو۔"

بیرا حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگا، وہ بولی، میں ایک ضروری کام سے جا رہی ہوں — مجھے ایک تانگہ لا دو۔"

بیرے نے پوچھا۔

"کہاں کا صاحب؟"

وہ کہنے لگی۔

"ٹیکر محلہ کا، کہنا وہاں پر ایک ویلفیئر سوشل سوسائٹی ہے، وہاں جانا ہے، کرایہ پہلے سے طے کر لینا، جو بعد میں کوئی جھگڑا کھڑا نہ ہو جائے — یہ تانگہ والے بہت پریشان کرتے ہیں سواریوں کو۔"

"بہت بہتر — بیرا تانگہ لینے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد اس نے واپس آ کر اطلاع دی۔

"تانگہ حاضر ہے صاحب"!

اس نے پوچھا،

"دام طے کر لئے ہیں تم نے —؟"

بیرے نے ادب سے — کیونکہ وہ اب اس خاتون کی خاموشی، علمیت، عفت اور شرافت سے بہت متاثر تھا، کہا۔

"ایک روپیہ آٹھ آنے میں آیا ہے —"

اس نے کوئی جواب نہ دیا، اپنا پرس اُٹھایا اور کمرہ سے نکلی چلی گئی۔ باہر پہنچی تو گھسیٹے صاحب تانگہ لئے کھڑے تھے، جب سے اس شہر اور اس ہوٹل میں آئی تھی

آج پہلی مرتبہ باہر نکلی تھی، اور دل میں سخت پریشان تھی، لیکن گھسیٹے کو دیکھ کر اُسے اطمینان سا ہو گیا۔

"تم ہو گھسیٹے ۔؟"

گھسیٹے نے ادب سے جواب دیا،

"جی بیگم صاحبہ! میں تو کئی دفعہ ادھر آیا، مگر آپ نظر ہی نہیں آئیں۔"

وہ تانگہ پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"میں اپنے کمرہ سے باہر نکلی ہی نہیں، کہاں جاتی ۔؟"

گھسیٹے نے پوچھا۔

"تو کہاں لے چلوں بیگم صاحب ؟"

اس نے پتہ بتایا اور گھسیٹے کا گھوڑا فراٹے بھرتا منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گیا

یہ ایک خوبصورت بنگلہ تھا، اس انسٹی ٹیوٹ میں بیوہ، نادار اور غریب، مفلوک الحال، شوہروں کی چھوڑی ہوئی اور زمانہ کی ستائی ہوئی عورتیں داخل ہوتی تھیں، ان سے برائے نام فیس لی جاتی تھی، پھر انہیں کھانے پکانے اور سینے پرونے کا فن مختصر سی مدت میں سکھا دیا جاتا تھا جس سے وہ ڈھائی تین روپے روز کی کمائی کر لیتی تھیں، اور زندگی کی یہ گاڑی کسی نہ کسی طرح چلتی رہتی تھی۔

اس اسکول میں جو خاتون ہدایت کاری کا فریضہ انجام دیتی تھیں، ان کی شادی ہو گئی تھی اور انہوں نے اس دنیا سے ترک تعلق کر کے اپنا گھر بسانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انسٹی ٹیوٹ کی مالک اور منتظم جہاں آرا بیگم تھیں اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی انہیں، مخیر اصحاب بھی مدد کرتے تھے، اور اس انسٹی ٹیوٹ کی مصنوعات بھی کارِ خیر سمجھ کر لوگ اچھے داموں پر خرید لیا کرتے تھے۔

جہاں آرا بیگم تیکھے خدوخال کی ایک نوجوان خاتون تھیں، عمر کوئی ۲۶،

۲۷ سال ہو گی، ناک نقشہ موزوں، دل کشی اور جاذبیت سے بھرپور، رنگ گورا آنکھیں بڑی بڑی، قامت موزوں، ایم۔ اے پاس تھیں، اس کے بعد انہوں نے امورِ خانہ داری کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور ڈگری لے لی، قدامت پرست خاندان کی رکن تھیں، خاندان والے کچھ تو اس بات پر جلے ہوئے تھے کہ انگریزی پڑھی، اور غضب خدا کا ایم۔ اے تک پڑھ کر رہی سہی ناک کٹا دی، پھر دوسرا ستم یہ کیا کہ اسکول کھول لیا، پردہ چھوڑ دیا، غیر مردوں سے گٹ پٹ کرنے لگیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کئی سال ہوئے چھوٹی بہنوں تک کی شادی ہو گئی، لیکن انہیں خاندان کے کسی نوجوان نے قبول نہیں کیا، نہیں یہ بات نہیں، خاندان کے نوجوان تو ان کی دلکشی اور خوبصورتی کے باعث قبول کرنے پر شوق سے آمادہ تھے لیکن ان کے والدین اس رشتہ پر رضامند نہ ہوئے اور انہوں نے پوری سعادت مندی سے حکم کی تعمیل کی، رہنا اسی گھر میں تھا۔ روٹی ماں باپ کی کھاتے تھے، عشق آتا زور دار نہیں تھا کہ فاقے کرتے، یا خود محبت کرتے اور کھلاتے گھر بیٹھے جب محنت کی روٹی مل رہی ہو تو وہ عشق سے زیادہ لذیذ اور کیف آور ہوتی ہے اور پھر خاندان کی جو جاہل، اَن پڑھ اور اَجڈ لڑکیاں اُن کے لئے تجویز کی گئیں، خوبصورت تو بہر حال وہ بھی تھیں، پھر جہاں آرا بیگم میں کون سے سرخاب کے پر لگے تھے۔

نتیجہ ان باتوں کا یہ ہوا کہ زندگی کی ۲۷ بہاریں دیکھ چکنے کے باوجود ابتک وہ ناکتخدا تھیں، چھوٹی بہنیں بال بچوں والی تھیں اور وہ نام خدا ابھی تک اللہ کے نام پر صبر شکر کئے بیٹھی تھیں، پھر خوش قسمتی سے یکے بعد دیگرے والدین کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنے آپ کو آزاد محسوس کرنے لگیں، چنانچہ کچھ عرصہ بعد انہوں نے دور کے ایک رشتہ دار ایوب میاں سے شادی کر لی، یہ پڑھے لکھے تو کچھ زیادہ نہیں تھے، صرف منشی فاضل تھے۔ لیکن آدمی گنوں کے نظر آئے، جہاں آرا نے سوچا شوہر ایسا ہونا چاہیئے جو نیازمند قسم کا ہو، میرے کاموں میں مداخلت نہ کرے، میرا مددگار ثابت ہو، نگاہِ انتخاب ایوب میاں پر پڑی، ان میں نیازمندی کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ بیوی خود کما کر کھلائے گی اور انہیں اب ملازمت کیلئے دوڑ دھوپ

جوتیاں نہیں چٹخانا پڑیں گی تو اتنے خوش ہوئے کہ عشق تک پر اتر آئے۔ جہاں آرا بیگم نے ان کا عشق قبول کر لیا اور شادی کر لی، خاندان سے تعلق برائے نام تھا۔ اس آزادروی سے وہ بھی ٹوٹ گیا جس کی انہوں نے ذرا پرواہ نہ کی۔ اطمینان اور یکسوئی سے اپنا انسٹی ٹیوٹ چلانے لگیں۔ اس شادی سے ایوب میاں اتنے خوش تھے کہ جیسے کسی کو چھپر پھاڑ کر دولت مل گئی ہو۔ واقعہ بھی یہی تھا، کہاں چالیس چالیس، پچاس پچاس روپے کیلئے بار بار مختلف مقامات پر حاضری دینا، اور کہاں اچھے سے اچھا کھا پی کر، پہن اوڑھ کر سو روپے جیب خرچ کا ملنا۔ اور پھر ایک خوبصورت بیوی۔ ان کی تو پانچوں گھی میں تھیں۔

جہاں آرا بیگم درشت خو، بدمزاج اور سخت گیر قسم کی خاتون تھیں، کچھ تو خاندان والوں کے برتاؤ نے نفسیاتی طور پر انہیں چڑچڑا کر دیا، کچھ اپنی چھوٹی بہنوں کو ان کے شوہروں کے ساتھ دیکھ کر وہ خواہ مخواہ بھڑک اٹھتی تھیں۔ شاید بےچاری کے دل میں خیال آتا تھا کہ یہ لڑکیاں بازی لے گئیں اور میں ابتک یونہی بھٹک رہی ہوں۔ اس کا ردعمل یہ تھا کہ وہ اپنے بھانجوں اور بھانجیوں تک کو منہ نہیں لگاتی تھیں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر سوچا کرتی تھیں، وقت پر میری شادی ہو گئی ہوتی تو میرے بچے ان بچوں سے بڑے ہوتے۔

پھر انسٹی ٹیوٹ کی وہ تنہا مالک و مختار تھیں، یہاں کی عورتوں، استانیوں اور کارکنوں کو بھی وہ خوب ڈانٹا کرتی تھیں، بلکہ کہنا چاہیئے اپنے دل کی بھڑاس انہیں ڈانٹ ڈانٹ کر نکالا کرتی تھیں۔ جو عورت شادی کر لینے کے بعد یہاں سے استعفےٰ دیتی تھی اس کی صورت سے بیزار ہو جاتی تھیں۔ بس چلتا تو شوہر سمیت اسے موت کے گھاٹ اتار دیتیں

خوش قسمتی سے شوہر ایسا ملا تھا جو ان کی زجر و توبیخ سے خفا ہونے کے بجائے خوش ہوتا تھا۔ اسے فخر تھا کہ میں صرف منشی فاضل ہوں اور میری بیوی ایم۔ اے ہے۔ ایک اچھے انسٹی ٹیوٹ کی مالک اور منتظم ہے۔ میرے سارے مصارف اس طرح برداشت کرتی ہے جیسے کوئی بیوہ عورت اپنے اکلوتے لڑکے کی ضدیں پوری کرتی ہے۔ جہاں آرا بیگم کے روپے سے وہ اتنے ٹھاٹھ کی زندگی بسر کر رہے تھے کہ اگر پانچ سو روپے ماہوار کے یہ کہیں ملازم ہوتے تو بھی ناممکن تھا۔ ایسی بیوی اگر ڈانٹے، جھڑکے، خفا ہو تو وہ سو بار سر تسلیم

ختم کر دینے کے کیا کر سکتے تھے؟ ۔ لیکن شاید دل ہی دل میں انہوں نے یہ فیصلہ بھی کر لیا تھا کہ اگر کسی دن جھنجھلا کر جہاں آرا نے ایک آدھ طمانچہ بھی جھاڑ دیا تو کھا لیں گے۔

یہ تھے وہ حالات جنہوں نے جہاں آرا بیگم کو زیادہ خودسر، زیادہ بدمزاج، اور کہیں زیادہ چڑچڑا بنا دیا تھا۔ کس کی مجال تھی جو ان کے منہ آتا۔ کس میں ہمت تھی جو ان کے احکام کی خلاف ورزی کرتا۔

وہ اپنے دفتر میں بڑی میز کے سامنے جس پر بہت سے کاغذات بکھرے پڑے تھے، ایک کرسی پر متمکن تھیں، اسی شان سے جو ایک ادارہ کے مالک کو زیب دیتی ہے۔

اتنے میں چق اٹھا کر یاسمین داخل ہوئی۔

"کیا میں حاضر ہو سکتی ہوں ۔۔؟"

"آجایئے" جہاں آرا نے جواب دیا۔

یاسمین سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ جہاں آرا نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"بیٹھئے"

وہ بیٹھ گئی۔

جہاں آرا نے اسے گھور کر دیکھا جیسے اس کی روح کا جائزہ لے رہی ہو۔

"کیوں آئی ہیں آپ؟"

یاسمین نے سلسلۂ کلام شروع کیا۔

"میں نے اخبار میں اشتہار پڑھا تھا۔"

جہاں آرا نے فیصلہ کن لہجے میں گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب تو پانچ بجکر پانچ منٹ ہو گئے۔ میں نے تو پانچ بجے تک کا وقت دیا تھا"

یہ تیکھا جواب سن کر یاسمین کے چہرے پر افسردگی اور رنج و ملال کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کتنی امید سے وہ آئی تھی اور کتنی مایوسی کے عالم میں جانا پڑ رہا تھا۔

وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ جہاں آرا نے پھر ایک مرتبہ اس کا جائزہ لیا اور بولی۔

"بیٹھئے"

وہ پھر بیٹھ گئی، جہاں آرا نے پوچھا،

"اشتہار میں جو کام لکھے ہیں وہ آپ کر سکیں گی۔؟"

یاسمین نے خود اعتمادی کے ساتھ جواب دیا۔

"بہت اچھی طرح۔"

جہاں آرا نے اب سوالات کا تانتا باندھ دیا،

"آپ کا نام کیا ہے؟"

"یاسمین۔"

"کیا آپ یہیں کی رہنے والی ہیں؟"

"جی نہیں۔"

"پھر کہاں وطن ہے آپکا؟"

"رنگ پور۔"

"شادی ہو چکی ہے آپ کی؟"

"نہیں۔"

"کب ہو رہی ہے؟"

اس سوال پر چونک کر یاسمین نے جہاں آرا کو دیکھا۔

"اس طرح کے بالکل ذاتی سوالات نہ آپ کو کرنے چاہئیں نہ میں ان کا جواب دینے پر تیار ہوں۔"

یہ صاف جواب سن کر جہاں آرا کی تیوریاں چڑھ گئیں، بھلا وہ گستاخی اور بدتمیزی کہاں برداشت کر سکتی تھی، لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ بہت ضرورت مند تھی، سارا بوجھ انسٹی ٹیوٹ کے کاموں کا اسی کے دوش ناتواں پر پڑا تھا، وہ بوکھلائی جا رہی تھی، اسے اندیشہ تھا، اگر چند روز یہی حالت رہی تو کئی کام سیکھنے والی لڑکیاں اور عورتیں بددل ہو کر آنا چھوڑ دیں گی، اور کمبخت مسز جوزف نے ایک نیا ادارہ اسی طرح کا بالکل ہی قریب کھول لیا ہے۔ ویسے ہی وہ ورغلایا کرتی ہے، ان لوگوں کی بددلی سے وہ اور فائدہ اٹھائے گی۔ اور

بغیر کسی معقول مددگار کے حالات سنبھل نہیں سکتے۔ لہٰذا مجبوراً اس نے اپنا غصہ ضبط کیا لیکن تیوری اب تک چڑھی ہوئی تھی۔ پھر کہا۔

"یہ تو آپ سچ کہتی ہیں کہ بالکل ذاتی نوعیت کا سوال ہے اور یہ بھی درست ہے کہ ایسا سوال نہ مجھے کرنا چاہیئے، نہ آپ کو جواب دینے پر آمادہ ہونا چاہیئے۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اسی سوال کے جواب پر آپ کی ملازمت کا انحصار ہے۔"

یاسمین نے حیرت سے جہاں آرا کو دیکھا،

"کیوں۔ اس سوال کا میری ملازمت سے کیا تعلق ہو سکتا ہے؟"

جہاں آرا نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"بہت زیادہ ہے میری بہن۔"

یاسمین نے منہ سے تو کچھ نہ کہا، مگر اس کی نگاہ حیرت سے جہاں آرا کے چہرے پر جا کر جم گئی۔

جہاں آرا نے ملائمت اور نرمی سے کہا۔

"بات یہ ہے کہ مجھے ایک مددگار کی سخت ضرورت ہے۔ ہمارا یہ انسٹی ٹیوٹ بہت ترقی کر چکا ہوتا، اگر کوئی مستقل مزاج خاتون مددگار کی حیثیت سے میسر آ گئی ہوتی۔"

یاسمین نے کہا،

"میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ مجھے مستقل مزاج پائیں گی۔"

جہاں آرا نے کہا۔

"سنیئے تو سہی۔"

یاسمین ہمہ تن گوش ہو گئی اور بولی۔

"جی سن رہی ہوں فرمایئے۔"

جہاں آرا نے کہا

"مجھے کئی ذہین، قابل اور محنتی مددگار خاتونیں ملیں۔ لیکن ایک بھی نہ ٹکی۔"

یاسمین یہ سوال کئے بغیر نہ رہ سکی،

"کیوں نہ ٹک سکی"!

مایوسی، برہمی اور غصے کے عالم میں جہاں آرا نے بتایا،

"شادی"

لمحہ بلمحہ یاسمین کی حیرت بڑھتی جا رہی تھی۔ وہ پھر جہاں آرا کا منہ تکنے لگی، انہوں نے کہا،

"جب کوئی مددگار خاتون کام پر غالب آجاتی ہے اور کچھ رقم پس انداز کر لیتی ہے تو پہلا کام یہ کرتی ہے کہ شادی کر لیتی ہے، اور شادی کے بعد پہلا کام یہ کرتی ہے کہ استعفٰی دے دیتی ہے"

یہ بات جہاں آرا نے کچھ اس طرح جھنجلا کر کہی کہ بے ساختہ یاسمین کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ لیکن یہ بدتمیزی تھی اور یہ عورت آداب (ایٹی کیٹ) کی سخت پابند نظر آتی تھی۔ لہٰذا جلد ہی اُسے اپنے تبسم سے دستبردار ہونا پڑا۔ وہ پھر سے سنجیدہ بن گئی۔ جہاں آرا کے تیور کہے دے رہے تھے کہ وہ کسی ایسی عورت کو اس ادارہ میں نہیں رکھ سکتی جو شادی کا ارادہ رکھتی ہو۔ بلکہ اگر اس کا بس چلے تو قانونی طور پر وہ شادی کو جرم قرار دے دیگی۔

جہاں آرا نے یاسمین کی اس حیرت سے ذرا بھی متاثر ہوئے بغیر کہا،

"اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اسی کو یہ جگہ دوں گی جو شادی کا ارادہ نہ رکھتی ہو"

گویا جہاں آرا بیگم کا منشا یہ تھا کہ جب تک اس کی عمر کم از کم سو سال کی نہ ہو جائے اسے شادی کا خیال دل میں نہ لانا چاہیئے۔ یاسمین اپنے بارے میں ان کی تشفی کرنا چاہتی تھی کہ انہوں نے فرمایا۔

"اور آپ یقیناً شادی کریں گی اور جلد از جلد کریں گی"!

یاسمین نے بڑی مشکل سے ہنسی روکی، پھر پوچھا،

"آخر اس بدظنی کا کوئی سبب بھی تو ہو گا؟"

جہاں آرا کے پاس جواب تیار تھا۔

"آپ جوان ہیں، بلکہ نوجوان ہیں، خوبصورت ہیں، ہنر مند ہیں، نہ جانے کیا پتا پڑی ہے کہ ملازمت کرنے پر تیار ہو گئی ہیں۔ ورنہ آپ کو کسی شاندار بنگلہ یا کوٹھی کی رونق ہونا چاہیئے ـــ میرا خیال ہے کہ دو چار مہینے ملازمت کرنے کے بعد آپ ضرور شادی کر لیں گی،

لہٰذا اگر دو چار ماہ کے بعد آپ کو جدا ہونا ہے تو پھر رشتہ ہی کیوں قائم کیا جائے؟"

یاسمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک بات عرض کروں؟"

جہاں آرا نے ہاں تو نہیں کہا۔ لیکن سوالیہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔

وہ بولی

"میں شادی نہیں کروں گی؟"

جہاں آرا اپنی حیرت کو نہ چھپا سکی۔ اس نے پوچھا۔

"آپ شادی نہیں کریں گی؟"

یاسمین نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"قطعاً نہیں۔ اور کبھی نہیں ـــ اگر مجھے شادی کرنا ہوتی تو یہاں ملازمت کی دریوزہ گری نہ کر رہی ہوتی"

جہاں آرا بیگم کے مایوس اور افسردہ چہرے پر مسرت و شادمانی کی چمک نمودار ہوئی ان کی فکر دور ہو گئی، ان کی پریشانی رفع ہو گئی، ان کے دل کا بوجھ اتر گیا۔ ان کے مزاج کی تلخی اور درشتی ذرا دیر کے بعد کافور ہو گئی، انہوں نے جوشِ مسرت سے بے قابو ہو کر پوچھا۔

"کیا سچ؟"

یاسمین نے کہا،

"یقین کیجیے میں سچ کہہ رہی ہوں"

جہاں آرا نے اطمینان کا سانس لیا۔ آج کے انٹرویو میں آٹھ عورتیں آئی تھیں جب ان سے شادی کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے ایسی مستعدی، آمادگی اور اشتیاق کے ساتھ اقرار کیا، جیسے وہ یہاں نوکری کرنے کے بہانے شادی کرنے، اپنے دولہا کو تلاش کرنے آئی ہیں، بس اس جواب پر باری باری سب کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا۔ جہاں آرا کا ایک ہی جواب تھا

"افسوس ہم آپ کی کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔ یہاں آپ کو ملازمت نہیں مل سکتی"!

سب کی سب مایوس و افسردہ واپس چلی گئیں۔ اب جا کے ایک ملازمہ ہاتھ لگی، ملاقات

۔ جہاں آرا نے کہا

۔ تو آپ ملازم رکھی گئیں ؟

یاسمین نے ممنون نگاہوں سے اُسے دیکھا اور کہا۔

۔ شکریہ ؟

جہاں آرا نے پوچھا،

۔ تنخواہ آپ کیا لیں گی ؟

بے پروائی کے ساتھ یاسمین نے جواب دیا۔

۔ جو مل جائے ؟

۔ پھر بھی کچھ کہیئے تو سہی ؟

۔ اس کا فیصلہ میں آپ پر چھوڑتی ہوں ؟

۔ فی الحال ہم دو سو ماہوار دیں گے ؟

یہ کہہ کر جہاں آرا نے یاسمین کی طرف دیکھا، یاسمین اپنی منظوری کا اعلان کرنے ہی والی تھی کہ نہ جانے کیا اندیشہ ان کے دل میں پیدا ہوا، خود ہی اضافہ کا اعلان کر دیا۔

۔ لیکن اگر آپ اسے کم سمجھتی ہیں تو تین سو سہی، اس سے زیادہ ہمارے بس میں نہیں، مس یاسمین میری یہ پیشکش منظور کر لیجئے۔ اتنی ہی تنخواہ پر کام شروع کر دیجئے۔

یاسمین بولی،

۔ لیکن بیگم صاحب ۔۔۔ ؟ جہاں آرا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

۔ یہاں کا سارا حساب کتاب آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ آپ خود ہی محسوس کریں گی کہ اس سے زیادہ تنخواہ ممکن ہی نہیں، ورنہ مجھے تو چار سو دینے میں بھی خوشی ہوتی ؟

یاسمین نے کہا۔

۔ بجا ارشاد ہوا ؟

جہاں آرا نے پھر قطع کلام کیا اور بولی۔

۔ ویسے میں آپ کو یہ یقین دلاتی ہوں کہ اگر ہمارے ادارے نے ترقی کی اور مجھے خدا کے فضل، اپنی محنت اور آپ کی امداد سے یقین ہے کہ ترقی کرے گا۔ پھر آپ شوق سے خود اپنی تنخواہ بڑھا لیجئے۔ جتنا چاہو ؟

یاسمین نے کہا۔

۔ بیگم صاحبہ ؟

جہاں آرا نے آگے کچھ نہ کہنے دیا۔

۔ ایک رعایت میں آپ کو اور دے سکتی ہوں ؟

یاسمین نے پوچھا۔

کیسی رعایت ۔۔۔ ؟

جہاں آرا نے بتایا،

۔ آپ کے فرائض کا تقاضہ یہ ہے کہ دن رات یہیں رہیں ؟

۔ مجھے کوئی عذر نہیں ؟

اس کوٹھی کا ایک آراستہ کمرہ آپ کو مل سکے گا، اس کا کرایہ آپ سے پہلے جو خاتون تھیں، تیس روپے ماہوار دیا کرتی تھیں، میں آپ کرایہ نہیں لوں گی۔ رہا کام کاج، سو وہ آپ ادارہ کی نوکرانیوں اور خادموں سے لے سکتی ہیں، کھانا بھی ..... ادارہ کا باورچی پکایا کرے گا اور اس کا کچھ معاوضہ آپ کو نہیں دینا پڑے گا۔ ماسوا اس کے گھی، گوشت، دال چاول وغیرہ چاہے خود منگا کر دیجئے یا اُسے روپے دے دیجئے، وہ خود لے آیا کریگا، اس کا اطمینان دلاتی ہوں کہ آدمی ایماندار ہے ؟

یاسمین نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔

۔ بیگم .... ؟

لیکن جہاں آرا نے شاید اسے بولنے نہ دینے کی قسم کھائی تھی۔

۔ کیا آپ ان رعایتوں اور سہولتوں کے بعد بھی مطمئن نہیں ہیں ۔۔۔ ؟ خدا گواہ ہے۔ اگر میری سگی بہن بھی اس جگہ کام کرتی، تو اس سے زیادہ میں نہیں کر سکتی تھی، جو آپ کے

لے کر رہی ہوں ۔

یاسمین نے سوچا کچھ کہنا یا کچھ کہنے کی کوشش کرنا بے کار ہے، جہاں آرا اُسے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالنے دے گی۔ وہ خاموش بیٹھی رہی۔ جہاں آرا نے مشکوک نظروں سے اُسے دیکھا اور پوچھا۔

"بتائیے آپ کا فیصلہ کیا ہے؟"

یاسمین نے ڈرتے ڈرتے ایک لفظ میں جواب دیا،

"منظور ہے"

اس اختصار میں حکمت یہ تھی کہ مزید تقریر شروع کرنے سے پہلے جہاں آرا پر اس کا عندیہ واضح ہو جائے۔ یہ جواب سن کر جہاں آرا پر مسرت کی عجیب کیفیت طاری ہو گئی اس نے کہا۔

"بس تو تشریف لے جائیے۔ اور کل صبح سے تشریف لے آئیے"

— آئیے میں آپ کو وہ کمرہ دکھا دوں جس میں آپ کو رہنا ہے"

پھر جہاں آرا نے اسے وہ کمرہ دکھایا، یاسمین کو بہت پسند آیا، پھر اس نے خواہش کر کے ادارہ کی سیر کی، اور اجازت چاہی،

جہاں آرا نے اجازت دیتے ہوئے کہا۔

"جائیے۔ لیکن اپنا فیصلہ بدل نہ دیجئے گا۔ اس پر قائم رہیے گا"

یاسمین نے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"بالکل بے فکر رہیے۔ میں انشاء اللہ صبح ضرور حاضر ہو جاؤں گی"

جہاں آرا نے اُسے مشکوک نظروں سے دیکھا اور گویا ہوئی،

"وہ تو مجھے یقین ہے کہ آپ آجائیں گی، لیکن میرا مطلب . . . ."

یاسمین پھر حیرت زدہ ہو کر اُسے دیکھنے لگی۔ جہاں آرا نے جلد پورا کیا،

"میرا مطلب شادی سے تھا، آپ نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اس فیصلہ پر امید ہے کہ آپ قائم رہیں گی"

یاسمین ہنسنے لگی۔

"کہیئے تو لکھ کر دیدوں"

جہاں آرا کے چہرے پر بھی بڑی دیر کے تبسم اُبھرا۔

"نہیں، اس کی ضرورت نہیں"

پھر تپاک اور گرم جوشی کے ساتھ اس نے یاسمین کو رخصت کیا۔ وہ باہر آئی تو گھسیٹے گھوڑے کو گھاس کے گچھے بنا بنا کر کھلا رہا تھا۔

"ارے گھسیٹے تم ابتک یہیں ہو"

"ہاں بیگم صاحب۔ پھر آپ واپس کس طرح جاتیں۔ تانگہ کا اڈا یہاں سے کافی دور ہے"

یاسمین نے اسے ممنون نگاہوں سے دیکھا اور تانگہ پر بیٹھ گئی، گھسیٹے نے راس کھینچی اور گھوڑا چل پڑا۔ راستہ میں اس نے پوچھا۔

"بیگم صاحبہ۔ ایسا جان پڑتا ہے کہ یہ کوئی مدرسہ ہو لڑکیوں کا؟"

یاسمین نے تائید کی۔

"ہاں گھسیٹے"

"آپ کو یہاں نوکری مل گئی؟"

"مل گئی — : کل سے یہاں کام شروع کر دوں گی"

گھسیٹے مسرور ہو گیا۔ آسمان کی طرف دیکھا اور بے ساختہ پکار اُٹھا۔

"واہ میرے مالک! کیا کہنا ہے تیرے کرم کا — کیوں بیگم صاحبہ، تنخواہ بھی اچھی ملے گی؟"

یاسمین نے بتایا۔

"ہاں، تین سو روپے ملیں گے"

گھسیٹے کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ جیسے یہ نوکری اسے ملی ہو۔

تھوڑی دیر میں ہوٹل آگیا، یاسمین تانگہ سے اُتری اور دس روپے کا نوٹ اس نے

گھسیٹے کی طرف بڑھا دیا، وہ اس طرح پیچھے ہٹ گیا جیسے یہ کوئی سانپ ہے۔

"نہیں بیگم صاحبہ"

یاسمین نے نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"گھسیٹے، ہر مرتبہ تمہاری نہیں چلے گی، یہ روپے تمہیں لینا پڑیں گے، نہ لوگے تو مجھے صدمہ ہوگا، کیا تم دلاری کو صدمہ پہنچانا چاہتے ہو؟"

گھسیٹے نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے نوٹ لے لیا۔ تیزی سے آنسو کا ایک قطرہ ٹپکا اور نوٹ پر گر پڑا۔ اس نے جلدی سے آنسو پونچھ لئے، نوٹ جیب میں رکھ لیا اور اپنی جگہ پر آن بیٹھا۔

یاسمین اس وقت تک اپنی جگہ پر کھڑی رہی جب تک گھسیٹے کا تانگہ نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں ابھی آنسو تیر رہے تھے، پھر اس نے آنسو پونچھے اور ہوٹل کے کمپاؤنڈ میں پہنچ گئی۔ ادھر اُدھر دیکھے بغیر خاموشی سے اپنے کمرہ کا دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو کر حسب عادت بھیڑ لیا۔

ذرا دیر میں دروازہ پر کسی نے دستک دی، یاسمین نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ ایک مضبوط تن و توش کا آدمی کھڑا مسکرا رہا تھا۔ یاسمین نے پوچھا۔

"آپ کسے چاہتے ہیں؟"

اس نے شوخ نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو"

اور پھر مسکرانے لگا۔

یاسمین نے غصہ کے عالم میں اسے گھورا اور کہا

"مواسفلہ۔ بدمعاش"

اور پھر زور سے دروازہ بند کر لیا۔ وہ آدمی ہنستا ہوا چلا گیا۔

اس ہوٹل کے دوران قیام میں یہ پہلا واقعہ تھا، غصہ سے اس کا سارا بدن لرز رہا تھا، دل میں طرح طرح کے وسوسے اور اندیشے پیدا ہوگئے۔ وہ سوچنے لگی، یہ

جرأت بغیر ہوٹل کے مالک کی سازش کے نہیں ہو سکتی۔

کیا وہ بھی اس بدمعاش سے ملا ہوا ہے؟

لیکن اب تک تو وہ بہت شریف آدمی نظر آتا رہا ہے۔

مگر آدمی کو بدلتے، اس کی نیت کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔

یہ سوچ کر وہ سیدھی منیجر کے کمرہ میں پہنچی، منیجر حسب معمول، اخلاق و تپاک کے ساتھ پیش آیا، یاسمین نے اُسے ساری داستان سنائی اور کہا

"میں یہ سمجھ کر اس ہوٹل میں رہ رہی تھی کہ یہاں شریف لوگ رہتے ہیں، اور واقعی اب تک مجھے کسی شکایت کا موقع نہیں ملا، لیکن آج کے واقعہ نے تو میرے یقین و اعتماد کی دنیا درہم برہم کر دی۔"

منیجر نے فکرمند لہجہ میں کہا۔

"بیگم صاحبہ! ہم اپنے ہوٹل میں کسی غیر شریف آدمی کو نہیں رہنے دیتے۔ لیکن۔۔۔"

یاسمین نے پوچھا۔

"لیکن کیا؟"

منیجر نے کہا

لیکن بعض۔۔۔۔ دفعہ ایسے واقعات ہوتے ہیں کہ لوگوں کی غلط فہمی کا دور کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

یاسمین استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ منیجر نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ شخص بدمعاش ہی ہوگا۔ اکثر ہمارے ہوٹل میں آتا رہتا ہے، لیکن یہاں کے دوران قیام میں اس نے کبھی کوئی بدمعاشی نہیں دکھائی، لیکن اس کے بدمعاش ہونے کا مجھے یوں خیال آتا ہے کہ بہت دن ہوئے، ایک مرتبہ شراب پی کر اور ایک طوائف کو لے کر رات گئے واپس آیا، رات کی ڈیوٹی میں ہمیشہ اپنے ذمہ رکھتا ہوں، کیونکہ ایسی شرارتیں رات ہی کو ہوتی ہیں۔ رات بھر جاگنا مجھے منظور ہے

لیکن اپنے ہوٹل کی بدنامی ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ مجھے اطلاع ملی تو میں فوراً پہنچا اور کہا۔ یا تو آپ فوراً ہوٹل خالی کر دیجئے۔ ورنہ اس طوائف کو واپس کر دیجئے ورنہ میں ابھی پولیس کو اطلاع دیتا ہوں۔"

پولیس کا نام سن کر اس کا نشہ ہرن ہو گیا، اس نے سو روپے کا نوٹ میری طرف بڑھایا۔ میں نے اُسے پھاڑ کر اس کے منہ پر کھینچ مارا۔ اس نے بے بسی کے ساتھ طوائف کی طرف دیکھا اور کہا،

"اچھا بھئی جاؤ۔ یہ ظالم نہیں مانے گا۔"

وہ طوائف زہر بھری نظروں سے مجھے دیکھتی واپس چلی گئی۔ پھر اس کے بعد سے کوئی واقعہ ایسا پیش نہیں آیا۔ ہمارے ہوٹل میں جب بھی یہ شخص آیا، آدمیوں کی طرح رہا۔ مگر آج پھر۔"

یاسمین نے کہا۔

"مگر آج پھر کیوں یہ بہکا؟"

منیجر نے جواب دیا۔

"کئی روز سے یہ آپ کے بارے میں مجھے چھیڑ رہا تھا۔ میرے اصول پسندی کا مذاق اڑا رہا تھا کہتا تھا، کہئے، یہ بیگم صاحبہ کون ہیں جو اس دھڑلے سے مرکزِ نگاہِ عام بنی یہاں فروکش ہیں، یا تو انہیں بھی رخصت کیجئے، یا میں اپنی طوائف کو لاؤنگا۔ میں جانتا ہوں آپ شریف ہیں۔ میں نے آپ کی شرافت کا اُسے یقین دلایا لیکن وہ ہوشیار رہا، مذاق اڑاتا رہا، اس کا خیال تھا کہ ایک خوبصورت لڑکی اس ہوٹل میں تنہا صرف اسی صورت میں رہ سکتی ہے کہ وہ مہذب طوائف ہو۔ شاید اپنے اسی خیال کی تصدیق کرنے وہ گیا تھا۔ بہرحال میں نہایت ادب سے اور بہت مجبور ہو کر کہتا ہوں کہ اب آپ کا یہاں رہنا مناسب نہیں ہے۔ نہ آپ کے لئے، نہ میرے لئے نہ ہوٹل کے لئے۔"

یاسمین نے کہا،

"مجھے سوشل ویلفیئر انسٹی ٹیوٹ میں ایک اچھی ملازمت مل گئی ہے۔ آپ کی انسانیت اور حسن سلوک کی میں دل سے قدر کرتی ہوں، صبح ہوتے ہی وہاں چلی جاؤں گی، لیکن آج کی یہ رات مجھے یہیں گزارنی ہے۔ لیکن اس کمرے میں جاتے مجھے ڈر لگ رہا ہے۔"

منیجر نے اطمینان دلایا،

"بے فکر رہیئے۔ میں رات بھر جاگتا ہوں۔ اب کوئی بے ہودگی نہیں ہونے پائیگی،"

یاسمین اپنے کمرہ میں واپس آئی، اندر سے چٹخنی لگائی اور بستر پر لیٹ گئی۔

نئی دنیا — !

نیا گھر — !

نئے لوگ — !

اب یاسمین (شائستہ) جہاں آرا بیگم کے انسٹی ٹیوٹ میں کام کر رہی تھی۔ اسکے کام سے وہ بہت خوش تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اسکی ایک دیرینہ خواہش پوری ہو گئی۔ یہاں وہ دن بھر مصیبت زدہ عورتوں اور پریشان حال لڑکیوں کو کام سکھاتی۔ ان کی داستانیں سنتی۔ ان کی بپتا گوشِ ہوش سے سماعت کرتی۔ انکا دل بہلاتی، انہیں تسلی دیتی ان میں حوصلہ پیدا کرتی۔ انہیں خوش آئند مستقبل کی نوید دیتی۔ ان کے ٹوٹے ہوئے دل کو جوڑتی انہیں امید اور نئے دورِ حیات کی بشارت دیتی، اور ان باتوں میں، ان کاموں میں ایسی الجھی رہتی کہ اپنے آپ کو فراموش کر دیتی۔ وہ اس کی باتیں، اس کی نصیحتیں غور سے سنتیں۔ ان کے دل میں یاسمین کی وہ عزت تھی جس سے جہاں آرا بیگم بھی، اس ادارہ کی مالک اور منتظم ہونے کے باوجود محروم تھیں۔ جہاں آرا کی حکومت صرف ظاہری ٹیم ٹام اور رعب و دہشت سے تعلق رکھتی تھی، لیکن یاسمین کی حکومت دلوں پر تھی، اس نے دل جیت لئے تھے۔

اور خود جہاں آرا کا جہاں تک تعلق تھا، وہ بھی یاسمین کی محنت، خلوص، شرافت اور دیانت وامانت سے بہت متاثر تھی۔ ادارہ کا سارا حساب کتاب، سارا لین دین اسی کے ذمہ تھا، مگر کیا مجال ہے جو ایک پائی کا فرق پڑا ہو۔ ادارہ کی ساری ذمہ داری اسی کے کاندھوں پر تھی، لیکن تیوری پر بل ڈالے بغیر، کسی سے شکایت کئے بغیر، ذرا بھی بدمزاجی یا چڑچڑے پن کا مظاہرہ کئے بغیر وہ اپنے کام میں لگی رہتی تھی، شکایات سنتی تھی، معاملات پر غور کرکے ان کا تصفیہ کرتی تھی، بلوں کی ادائیگی اسی سے متعلق تھی، سامان کا منگوانا اسی کی ذمہ داری

تھی۔ ادارہ کے سارے انتظامی معاملات صرف اسی کی صوابدید پر فیصل ہوتے تھے لیکن کیا مجال ہے کہ اس نے تلخ کلامی کو اپنا شعار بنایا ہو، کبھی کسی سے جھگڑی ہو، یا کسی کو ڈانٹا ڈپٹا ہو، وہ بڑی عالی حوصلگی اور فراخ دلی سے نوکروں کی، خادماؤں کی، لڑکیوں کی، عورتوں کی خطا معاف کر دیا کرتی تھی۔ وہ بڑی سے بڑی غلطی پر خفا نہیں ہوتی تھی مسکرا مسکرا کر تنبیہہ کرتی تھی اور آئندہ محتاط رہنے کے بارے میں ہدایت کر دیتی تھی۔ اس کی باتیں دل سے نکلتی تھیں، دل میں اُتر جاتی تھیں۔ نہ نمود، نہ نمائش، نہ تکبر، نہ غرور، نہ تمکنت نہ رعب، نہ جاہ وجلال، سب سے اس طرح ملتی تھی جیسے وہ کوئی اُستاد نہیں، حاکم نہیں، افسر نہیں، ان کی ساتھی ہے، ان کی دوست ہے، نازک مواقع پر وہ ان کی سپر بن جاتی، آڑے وقت میں ان کا ساتھ دیتی، کبھی ضرورت ہوتی تو بے تامل اپنی جیب سے اپنے پاس سے جتنی مدد بھی ممکن ہو سکتی اس سے دریغ نہ کرتی۔

ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہی مہینہ کے اندر ایک معمولی ملازمہ سے لے کر جہاں آرا تک سب اسکے بندۂ بے دام ہو گئے تھے۔ سب کے دل میں اس کی عزت تھی، اس کا احترام تھا، اس کے منہ سے جو بات نکل جاتی وہ پوری ہو کر رہتی۔

دن تو بڑے آرام سے گزر جاتا تھا: معلوم ہی نہیں ہوتا تھا گزرتے ہوئے، مصروفیت اور مشغولیت کے باعث دوسرے امور کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ ملتی۔

لیکن جب رات آتی تو شبِ بلا بنکر نمودار ہوتی،

گھنٹوں اور پہروں نیند نہ آتی۔

کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ کروٹیں بدلتے بدلتے ساری رات بیت جاتی اور صبح ہوتے ہی معمولاتِ یومیہ شروع ہو جاتے۔

رات کو جب وہ بستر پر لیٹتی تو کوشش کرتی خیالات پریشان اس کے آرام اور ذہنی یکسوئی میں خلل انداز نہ ہوں، لیکن وہ تو جیسے اس کے منتظر رہتے تھے، کہ یہ بستر پر دراز ہو اور وہ ایکدم کرکے اس پر یلہ بول دیں۔

کبھی تنویر یاد آجاتی، اس کا دلکش چہرہ، روح پرور تبسم، دل فریب باتیں، معصوم خلوص، معصوم محبت، معصوم نگاہ۔

وہ سوچا کرتی، لڑکیاں بیل کی طرح بڑھتی ہیں، اب تو ماشاء اللہ وہ سیانی ہو رہی ہوگی یہ تو ممکن نہیں کہ وہ مجھے یاد نہ کرتی ہو، لیکن وہ جوش و خروش اب کہاں باقی ہوگا۔ بچہ ہے، اپنی نئی نئی سہیلیوں اور ہمجولیوں میں بہل گئی ہوگی، لیکن کیا میں بھی اسے بھول سکتی ہوں؟ فراموش کر سکتی ہوں؟ نہیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔

پھر رخسانہ بیگم کا تمتمایا ہوا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتا، پیشانی شکن آلود، آنکھیں قہر مجسم، انداز و اطوار میں سطوت شاہانہ موجود، گفتار و رفتار میں کروفر شاہی کی جلوہ آرائی، باتیں بھی تلی لیکن خشم و عتاب کا پہلو لئے ہوئے،

وہ سوچنے لگتی، کتنی راحت محسوس کر رہی ہوں گی رخسانہ بیگم میرے روپوش ہو جانے سے، ان کی راہ کا کانٹا ہٹ گیا، ان کے راستے کا پتھر دور ہو گیا۔ میں ان کے عیش اور راحت میں مخل تھی، اب وہ ہیں اور عیش جاوداں، اب وہ ہیں اور راحت لازوال، اب وہ ہیں اور انجم۔

پھر عالم خیال میں رخسانہ کو مخاطب کرتی۔

بہن! تم نے مجھے غلط سمجھا، تم نے مجھے اپنا رقیب خیال کیا، لیکن یہ تمہاری غلط فہمی تھی، میرے نزدیک اس سے زیادہ شرمناک کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ ایک عورت کسی دوسری عورت کی دنیا اُجاڑ دے، میں نے یہ گوارا کر لیا کہ اپنی دنیا برباد کر لوں۔ لیکن تمہاری دنیا غارت نہ کروں ایسا نہ کر سکی۔

میں جانتی ہوں کہ تم انجم سے محبت کرتی ہو، لیکن اگر میں یہ دعویٰ کروں کہ میں تم سے کہیں زیادہ چاہتی ہوں تو یہ مبالغہ نہ ہوگا، بیان واقعہ ہوگا، لیکن تم سے زیادہ اس سے محبت کرنے کے باوجود میں نے اپنے دل میں پتھر کی سل رکھی، میں انجم سے دستبردار ہو گئی، میں نے انجم کو تمہیں بخش دیا۔

کیوں رخسانہ، اب بھی تم مجھ سے خوش نہیں ہو؟ اب بھی تم مجھے برا بھلا کہتی ہو؟ اب بھی تم مجھے گالیاں دیتی پھرتی ہو؟

دے لو، کہہ لو خوب جی بھر کے برا بھلا، میں تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ میں تمہارا برا نہیں چاہتی، میرا ضمیر مطمئن ہے، میرا دل مطمئن ہے، میری روح آسودگی سی محسوس کرتی ہے اس ایثار پر جو میں نے تمہارے لئے کیا ہے۔

ایک مرتبہ کیا ہوا، رخسانہ زمین سے غائب ہو گئی اور یاسمین کی پلک جھپک گئی۔

عالم خواب میں اس نے انجم کو دیکھا،

انجم اس کے دل کا، اس کی روح کا مالک!

وہی سحر طراز تبسم، وہی قامت رعنا، وہی دلچسپ انداز، وہی شریر آنکھیں وہی شریر تبسم، وہی بذلہ سنجی، وہی خوش گفتاری، وہی دل میں کھب جانیوالی حرکتیں۔

انجم کی تصویر جب سامنے آتی تو بیساختہ اس کا دل دھڑکنے لگتا۔

وہ ایسا محسوس کرنے لگی جیسے واقعی انجم اس کے سامنے کھڑا ہے اور اُسے بیوفائی بدعہدی، سفاکی اور ستمگری کا طعنہ دے رہا ہے۔

اس چہرہ کو درخشاں و تاباں، مسرور و خرم دیکھنے کیلئے وہ سب کچھ کر سکتی تھی، حتیٰ کہ اپنی زندگی تک قربان کر سکتی تھی۔ مگر ہائے قسمت کی ستم ظریفی کہ وہ خود اس کا دکھانے، اس کا دل توڑنے اسے خفا کرنے پر مجبور ہو گئی۔

بیشک یہ سب کچھ اس نے اس لئے کیا کہ انجم خوش رہ سکے۔

لیکن کیا وہ خوش رہ سکا؟

پھر عالم خواب میں اس کی اور انجم کی گفتگو شروع ہو گئی۔ انجم نے کہا۔

"کیوں شائستہ تمہیں میری زندگی کے برباد کرنے میں کیا لطف آیا؟"

یاسمین (شائستہ) نے ایک مجرم کی طرح نادم ہو کر گردن جھکا لی اور آہستہ سے کہا

"آپ یقین نہیں کریں گے، لیکن خدا گواہ ہے، میں نے جو کچھ کیا، آپ کی بھلائی کے لئے کیا۔"

انجم نے طنز بھری نظروں سے اُسے دیکھا اور گویا ہوا۔

"بہت خوب، تم نے جو کچھ کیا میری بھلائی کے لئے کیا، کیوں شائستہ؟"

وہ بولی۔

جی ہاں صرف آپ کی بھلائی کے لیے :

انجم نے کہا۔

۔ لیکن شائستہ اس سے زیادہ میری بھلائی یہ ہوتی کہ تم مجھے زہر پلا دیتیں۔ میری گردن پر خنجر پھیر دیتیں، مجھے ہلاک کر دیتیں، تم نے مجھے مرنے نہ دیا اور وہ زندگی عطا کر دی جو موت سے بدتر ہے۔ کیا تمہیں یہی کرنا چاہیے تھا؟

یاسمین سسکیاں لے کر رونے لگی۔ اس نے کہا۔

۔ انجم مجھے غلط نہ سمجھو۔

انجم کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا، لیکن اس میں کس غضب کا طنز جھلک رہا تھا

۔ غلط اور صحیح کا کیا سوال —— سچ تو یہ ہے کہ میں تمہیں اب تک سمجھ ہی نہ سکا :

شائستہ (یاسمین) نے ذرا خفا ہوتے ہوئے کہا۔

۔ آپ کو تو میرا دل دکھانے میں بڑا مزہ آتا ہے :

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

انجم بے حس و حرکت بیٹھا اُسے دیکھتا رہا، پھر گویا ہوا۔

۔ کیوں روتی ہو شائستہ؟ بار بار رونے سے کیا حاصل؟ شاید وہ وقت جلد ہی آ جائے جب تم مجھ پر روؤ گی، اور میں تمہیں منع نہ کر سکوں گا :

شائستہ کی سسکیاں بند ہو گئیں۔

۔ ایسا نہ کہیے، آپ کو زندہ رہنا ہے، آپ زندہ رہیں گے :

انجم پھر مسکرایا۔

۔ کیوں زندہ رہنا چاہیے مجھے؟ تاکہ رخسانہ میری گت بنائے اور تم تماشہ دیکھو —؟ کیوں زندہ رہوں گا میں؟ تاکہ دنیا کے لیے عبرت کا ایک سبق بن کر رہوں، یا یاد کرو شائستہ، جتنا تم نے ظلم کیا ہے میری جان ناتواں پر، بس میں جانتا ہوں یا میرا دل، اب رحم کر دو یا

معاف کر دو مجھے :

شائستہ بولی

۔ آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟ یہ بھی تو بتایئے :؟

انجم نے جواب دیا۔

۔ میں جو کچھ چاہتا ہوں تم جانتی ہو،

شائستہ :۔ کچھ زبان سے بھی تو کہیے :

انجم :۔ تم میرے پاس واپس چلی آؤ :

شائستہ :۔ آپ کے ایک اشارہ پر اپنی گردن کٹا سکتی ہوں، لیکن یہ نہیں کر سکتی کہ اس طرح آپ برباد ہو جائیں گے اور یہ مجھے کسی قیمت پر بھی گوارا نہیں ہے :

انجم :۔ کیا اب برباد نہیں ہوں :

شائستہ :۔ خدا نہ کرے۔

انجم :۔ کہیں دعاؤں سے کام چلتا ہے۔ ضرورت عمل کی ہے اور تم دعائیں مانگ رہی ہو قدرت کو بھی تمہارے اس بھولے پن پر ہنسی آ رہی ہو گی :

شائستہ :۔ للہ ایسی باتیں نہ کیجیے، میں دیوانی ہو جاؤں گی :

انجم :۔ تمہیں دیوانہ بنانے سے کب فرصت ہے جو دیوانی ہو گی :

شائستہ :۔ وہی طنز، وہی زہر، جیسے آپ میرے دشمن ہیں :

انجم :۔ ہاں دشمن ہوں، اسی لئے تو تمہارے اوپر مٹا جا رہا ہوں :

شائستہ :۔ آپ اپنی کہتے ہیں، دوسرے کی نہیں سنتے :

انجم :۔ لیکن میری کون سنتا ہے؟ رخسانہ کے دل میں یہ بات جم چکی ہے کہ میں اسے نہیں چاہتا، تمہیں چاہتا ہوں، اور سچ بھی یہی ہے اور اس سچائی کا اس کے سامنے ایک مرتبہ اعتراف بھی کر چکا ہوں :

شائستہ :۔ اس کے سامنے آپ نے اعتراف بھی کر لیا :؟

انجم :۔ ہاں شائستہ، جھوٹ کیوں بولتا؟"

شائستہ:- اب رخسانہ مجھ سے اور بدگمان ہو گئی ہو گی۔

انجم:- تو تمہارا کیا بگاڑے گی؟ ہاں تو میں کہہ یہ رہا تھا کہ رخسانہ کے دل میں یہ بات جم چکی ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں، اسے نہیں چاہتا۔ تم بھی اس حقیقت کو جانتی ہو، لیکن تم اس پر چل رہی ہو کہ تمہیں نہ چاہوں، اسی کو چاہتا رہوں، میری زندگی اسی کشمکش میں تباہ ہوئی جا رہی ہے۔ نہ رخسانہ کو اس کی فکر ہے نہ تمہیں۔ اسے نہیں ہے تو نہ سہی، تمہیں تو ہونی چاہیئے کیونکہ تم تو مجھ سے محبت کرتی تھیں۔

شائستہ:- کرتی ہوں، کرتی رہوں گی، یہ میری سب سے قیمتی پونجی ہے، اسے کون چھین سکتا ہے؟

انجم:- تم خود۔

شائستہ:- واہ کہیں ایسا ہوا، نہ ہو۔

انجم:- پھر میں کچھ کہوں گا تو خفا ہو جاؤ گی۔

شائستہ:- نہیں خفا ہونے کی۔ کہیئے۔

انجم:- تمہیں باتیں بنانا خوب آتی ہیں۔

شائستہ:- شکریہ اس قدر افزائی کا۔

انجم:- میں تمہارے پاس رحم کی بھیک مانگنے آیا ہوں، شکریہ سے اپنی جھولی بھرنے نہیں آیا

شائستہ:- ایسے الفاظ نہ کہیئے جو آپ کی شان کے خلاف ہوں، آپ کے دشمن رحم کی بھیک مانگیں، آپ کو کیا پڑی ہے کسی سے دریوزہ گری کرنے کی۔

انجم:- تو کیا چھین لوں تمہارے پاس سے مہر و محبت، اور رحم و کرم کی دولت؟

شائستہ:- وہ تو آپ ہی کی ہے — میں جو آپ کی ہوں۔

انجم:- تم میری ہو —؟

شائستہ:- اور کس کی ہوں؟ آپ کی نہ ہوتی تو آج یوں در در کی ٹھوکریں نہ کھا رہی ہوتی۔ اس خطرات و مصائب کے طوفان میں نہ گھری ہوتی، یوں تباہی اور بربادی کے سمندر میں غوطے نہ لگا رہی ہوتی۔

انجم:- یہ سب جنون کی مختلف صورتیں ہیں، میرے پاس آجاؤ، تمہیں بھی سکون

ملے گا۔ میری زندگی بھی بن جائے گی۔ کیوں شائستہ یہ درخواست قبول کرو گی؟

شائستہ:- اس پر اصرار نہ کیجئے۔ آپ کو دیکھ کر آپ کی باتیں سن کر میرا دل لرزنے لگتا ہے جس عزم پر مجھے ناز ہے، وہ متزلزل ہونے لگتا ہے، میں ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے میرا ارادہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ آپ کو چاہیئے تھا کہ میری ہمت بندھاتے، لیکن اُلٹے آپ میرے قدموں میں لغزش پیدا کرنے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟

انجم:- غلطی کرتا ہوں، شاید اب ایسی غلطی نہ سرزد ہو۔ خدا حافظ شائستہ۔

شائستہ:- کہاں چلے؟

انجم:- کیا کرو گی یہ پوچھ کر؟

شائستہ:- سنیئے تو سہی۔

انجم:- نہیں۔

شائستہ:- صرف ایک بات

انجم:- آدھی بات بھی نہیں۔

انجم چلا گیا۔ شائستہ رونے لگی، روتے روتے اسکی آنکھ لگ گئی، وہی کمرہ تھا وہی بستر، وہی تاریکی، وہی سناٹا، وہ آنکھیں ملتی ہوئی اُٹھ بیٹھی اور پھر تکیہ پر سر رکھ کر خوب جی بھر کے روئی، صبح تک روتی رہی۔

یہ خواب اس نے پہلی مرتبہ نہیں دیکھا تھا وہ آج پہلی نہیں روئی تھی اس طویل مدت میں اکثر ایسا ہوتا رہتا تھا۔

خلاف معمول آج رات بہت دیر تک وہ روتی رہی، صبح کو اُٹھی تو آنکھیں سرخ تھیں اور پپوٹے سوجے ہوئے تھے۔ وہ ناشتہ سے فارغ ہو کر چپ چاپ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ ذرا دیر بعد کسی کام سے جہاں آرا کا آنا ہوا۔ اس نے جو شائستہ کی یہ کیفیت دیکھی تو پریشان ہو گئی۔

"کیا بات ہے مس یاسمین؟"

یاسمین نے متبسم ہو کر جواب دیا۔

"کچھ نہیں، کوئی خاص بات نہیں۔"

لیکن جہاں آرا کو تو جیسے اس کا راز اگلوا لینے پر اصرار تھا۔ اس صورت سے اسکی تشفی کیسے ہو جاتی۔ اس نے پھر پوچھا۔

"آپ رات بھر روتی رہی ہیں؟"

یاسمین (شائستہ) نے اقرار کر لیا۔

"جی ہاں۔"

"کیوں؟"

"جی چاہ رہا تھا رونے کو۔"

"رونے کو کوئی چاہ رہا تھا؟"

"جی ہاں، لوگوں کو خوشی بھاتی ہے، مجھے غم پسند ہیں، لوگ ہنستے ہیں میں روتی

ہوں، لوگ زندہ رہنا چاہتے ہیں، میں موت کی آرزومند رہتی ہوں، لوگ آئندہ زندگی کے خواب دیکھتے ہیں، میں اس مبارک دن کا خواب دیکھا کرتی ہوں جب زندگی کے اس جنجال سے نجات ملے گی۔

جہاں آرا حیرت سے منہ کھولے یہ باتیں سن رہی تھی۔ یہ باتیں کتنی عجیب تھیں، ایسی باتیں آج تک اس نے کسی سے نہیں سنی تھیں۔ وہ اس لڑکی کے بارے میں خیال کرتی تھی کہ سنجیدہ ہے، لیکن آج معلوم ہوا یہ حد درجہ جذباتی ہے سنجیدہ لوگ اپنے فیصلوں پر قائم رہتے ہیں۔ لیکن جذباتی لوگوں کو بڑے سے بڑا فیصلہ تبدیل کرتے دیر نہیں لگتی۔

جہاں آرا کے دل میں کھٹکا پیدا ہوا، کہیں یہ لڑکی بھی اپنا فیصلہ تبدیل نہ کر دے یہ اختر شماری، یہ شب بیداری، گریۂ بے اختیار، یقیناً کسی آنیوالی مصیبت کی تمہید ہے اور وہ مصیبت شادی کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے؟

پھر انہوں نے سوچا، اگر اس کمبخت نے بھی شادی کر لی تو میں کیا کروں گی، اس ادارہ کا کیا بنے گا؟ اس نے سارا بوجھ اپنے نازک کندھوں پر اُٹھا لیا ہے، اس کی تبدیلی مشکل سے ہو سکے گی۔ اس کا قائم مقام ملنا آسان نہیں۔

جہاں آرا نے یاسمین سے کہا۔

"شاید تم کسی سے محبت کرتی ہو۔ کیوں مس یاسمین۔"

یاسمین کو غصہ آ گیا، وہ بپھر کر بولی۔

"جی ہاں کرتی ہوں، کیا نہ کروں؟ کیا آپ کو اعتراض ہے کچھ؟ کیا اس ادارہ کے قوانین میں کوئی قانون ایسا بھی ہے کہ کوئی محبت نہ کرے۔ آخر اس سوال سے آپ کا مطلب کیا ہے۔ آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

جہاں آرا نے ان کڑوی کسیلی باتوں کا ذرا بھی برا نہ مانا، لیکن جو ان کا مطلب تھا۔ جو وہ کہنا چاہتی تھیں، کہہ دیا۔

"اگر واقعی تمہیں کسی سے محبت ہے تو شادی بھی ضرور کرو گی۔؟ یاد ہے تم نے کیا

عہد کیا تھا مجھ سے ؟"

شائستہ نے جواب دیا۔

"خوب اچھی طرح یاد ہے اور آپکو یقین دلاتی ہوں کہ میں عہد شکن نہیں ہوں۔"

جہاں آرا کے ہونٹوں پر پھیکا سا تبسم ابھرا۔ اس نے کہا۔

"کیسے یقین کرلوں ؟"

شائستہ بولی۔

"لائیے دستاویز لکھ دوں۔"

جہاں آرا نے کہا۔

"وہ تو ردی کا ایک پرزہ ہے۔ جب چاہو پھاڑ کر پھینک دو اسے۔"

تنگ آکر وہ بولی۔

"اچھا تو میرا استعفا حاضر ہے۔"

جہاں آرا بیگم گھبرا گئیں، انہوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"محبت کرنے سے کون روک سکتا ہے ؟ شادی کرنے سے بھی کوئی نہیں روک سکتا لیکن میں یہ سوچتی ہوں کہ اگر تم نے داغ جدائی دیا تو میں کیا کروں گی، اب تو حقیقت یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو تمہارا محتاج سمجھنے لگی ہوں۔"

یہ کہتے کہتے جہاں آرا کی آنکھیں آبگیں ہو گئیں۔ جو عورت ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتی تھی، جو کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی۔ جس کی اکڑی ہوئی گردن جھکنا ہی نہ جانتی تھی، وہ بھیگی بلی بنی شائستہ کے سامنے کھڑی تھی۔ اُسے ترس آگیا۔

"بیگم صاحبہ، آپ کو اس سے کوئی بحث نہیں کہ میں رات بھر روتی رہی یا ہنستی رہی، آپ کو اس سے بھی کوئی سروکار نہ ہونا چاہیئے۔ کہ میں کسی سے محبت کرتی ہوں، یا نفرت، یہ میرا پرائیویٹ یا نجی معاملہ ہے۔ آپ کو تو صرف ادارہ کے اندر میرے تعلقات پر غور کرنا چاہیئے۔"

"جہاں آرا بیگم بیچ میں بول پڑیں۔

"ہاں یہی میرا مقصد تھا۔"

شائستہ نے اطمینان دلایا۔

"تو یاد رکھئے۔ ادھر کی دنیا اُدھر ہو جائے، میرے دل کے کسی گوشے میں شادی کا خیال نہیں آسکتا، میں تنہا ہوں۔ تنہا رہوں گی۔ اسی طرح زندگی بسر کر رہی ہوں اسی طرح ایک دن مر جاؤں گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اپنی طرف سے آپکو چھوڑ دوں ہاں، آپ خود ہی کبھی مجھے نکالدیں تو دوسری بات ہے۔"

جہاں آرا نے اسے گلے سے لگالیا۔

"میری بہن۔"

شائستہ نے انہیں محبت بھری نظروں سے دیکھا اور بولی۔

"میں آپ کو واقعی اپنی بہن سمجھتی ہوں۔"

جہاں آرا نے شکوہ کیا۔

"تمہارے منہ سے یہ الفاظ کیسے نکلے کہ میں تمہیں نکال دوں گی ؟ یاد رکھو اس ادارہ کی مالک و منتظم جہاں آرا نہیں ہے، یاسمین ہے۔ جہاں آرا یاسمین کو نہیں نکال سکتی ہاں یاسمین جب چاہے چوٹی پکڑ کر، دھکے دیکر جہاں آرا کو گھر سے نکال سکتی ہے۔"

ان باتوں سے شائستہ بہت متاثر ہوئی۔ اس نے انہیں یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"تو اطمینان رکھئے۔ یاسمین یہاں سے صرف مرکر ہی نکلے گی۔"

جہاں آرا کو یہ لفظ اچھے نہ لگے۔

"خدا نہ کرے۔"

اب جہاں آرا شائستہ کی طرف سے پورے طور پر مطمئن تھیں، ان کا اعتماد اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ واقعی وہ اس ادارے پر اور جہاں آرا پر اس طرح چھا گئی تھی کہ کوئی دوسرا دیکھتا تو یہی سمجھتا کہ اس ادارہ کی مالک اور منتظم شائستہ ہے۔

دن اسی طرح گزر رہے تھے۔

دو سال سے زیادہ کی مدت گزر گئی۔

اس طویل عرصہ میں کوئی ایسی بات نہ ہوئی جو کسی درجہ میں بھی شائستہ کے لئے وجہ اضطراب ہوتی، اضطراب جو کچھ تھا وہ انجم کے بارے میں تھا۔ اس کی یاد بے شک اس کے دل پر چھائی ہوئی تھی، اور اب بھی رات کی تنہائی میں اسے یاد کر کے وہ خوب خوب آنسو بہایا کرتی، لیکن اس کے سوا کوئی غم نہیں تھا۔ نہ پریشانی، یکسوئی کے ساتھ اس کی زندگی بسر ہو رہی تھی، رابعہ بیگم کے گھر میں بھی اسے وہ مختاری حاصل نہ تھی جو یہاں حاصل تھی، وہاں بہرحال وہ ان کے سامنے جواب دہ تھی، لیکن یہاں تو اس سے کوئی پوچھنے والا ہی نہیں تھا، وہ سیاہ و سفید کی مالک بنی ہوئی تھی، بالکل مالک و مختار۔

سچ ہے کہ اپنے اختیارات سے اس نے ناجائز فائدہ کبھی نہیں اٹھایا نہ اپنے حدود سے کبھی تجاوز کیا، لیکن اس کے باوجود اس کی مختاری اس درجہ مستحکم ہو چکی تھی کہ اسے کوئی چیلنج کرنے والا نہیں تھا۔ حتیٰ کہ جہاں آرا بھی نہیں۔

ایوب میاں اگرچہ اپنے حسن صورت اور حسن سیرت یعنی نیازمندی اور اطاعت کیشی کی بنا پر حاوی تھے۔ لیکن ان کی کچھ مجال نہیں تھی کہ شائستہ کے کاموں میں کچھ مداخلت کر سکیں، یا اس کے فیصلہ میں تبدیلی کر سکیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ فرصت کے اوقات میں وہ جہاں آرا کے ہاں چلی آتی، یا جہاں آرا خود اسے بلا لیتی۔ کبھی کبھی یہ لوگ کھانا بھی ساتھ ساتھ کھاتے۔ اور پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور بڑی دیر تک جاری رہتا۔ باتیں جب دیر تک چھڑتیں تو ہر موضوع زیر بحث آتا، سیاسیات، مذہب، اخلاق، قوم ملت، روس، امریکہ اور نہ جانے کیا کیا۔

ایوب میاں ویسے تو تھے منشی فاضل، لیکن اپنے آپ کو ہر فن مولا سمجھتے تھے، دنیا کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں تھا جس پر وہ آخری... قطعی اور فیصلہ کن رائے نہ رکھتے ہوں اپنی رائے وہ نہایت اصرار کے ساتھ پیش کرتے تھے جیسے وہ کوئی الہام ہے جہاں آرا نے کبھی سنجیدگی سے ان کے افکار و آرا پر غور نہیں کیا، نہ کبھی سنجیدگی سے بحث میں حصہ لیا... بحث کی گرما گرمی اس کی ہوں ہاں میں ختم ہو جاتی۔ لیکن شائستہ نے بے قائل ہوئے کسی کے سامنے سر جھکانا نہیں سیکھا تھا۔ وہ ایوب میاں کے فیصلوں پر نہ صرف یہ کہ سر تسلیم خم نہ کرتی بلکہ اڑ جاتی، ان کی غلطیاں نکالتی ان کے افکار عالیہ اور بلند خیالات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیتی، بہت جز بز ہوتے لیکن بے بس تھے، نہ وہ زبان تھی جو شائستہ کے پاس تھی، نہ وہ علم تھا جس کی مالک شائستہ تھی، نہ وہ ذہانت قدرت کی طرف سے عطا ہوئی تھی جس کے عطا کرنے میں شائستہ کیساتھ ضرورت سے زیادہ فیاضی اور ایوب میاں کے ساتھ اتنی ہی ضرورت سے زیادہ بخل سے کام لیا گیا تھا کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ جواب دینے کے لئے ایوب میاں منہ کھولتے، لیکن لاجواب ہو کر رہ جاتے، کچھ سمجھ میں نہ آتا، کیا کہیں، اس موقع پر جہاں آرا کے لئے ہنسی کا ضبط کرنا مشکل ہو جاتا۔ اگر ایوب میاں اس کی طرف امید کی نظر سے دیکھتے کہ وہ ان کی مدد اور پشت پناہی کرے تو اس میں بھی مایوسی ہوتی۔ ویسے تو ہر معاملہ میں وہ شوہر کی تائید کر دیتی تھی، دوسروں سے

اگر کبھی بحث ہوتی بھی تو وہ ایوب میاں کا ساتھ دیتی تھی، لیکن جب کبھی شائستہ میدان میں ہوتی تو اس سے اس درجہ وہ مرعوب و متاثر ہوتی کہ ارادہ کے باوجود ایوب میاں کا ساتھ نہ دے سکتی، شائستہ کی ہاں میں ہاں ملانے پر اپنے تئیں مجبور پاتی۔

ایک روز ایوب میاں اس کے دفتر میں آئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس کے دفتر میں آئے تھے، شائستہ اگرچہ ان سے اخلاق و تپاک سے ملتی تھی اور جہاں آرا کے تعلق کی وجہ سے ان سے وہی برتاؤ کرتی تھی جو ایک بہن ایک بھائی کے ساتھ کرتی ہے، لیکن یہ خلافِ معمول بات تھی، وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آئیے ایوب بھائی — خیریت۔ کیسے زحمت کی؟ کیا جہاں آرا بہن نے بلایا ہے؟"

ایوب میاں نے کھڑے کھڑے کہا۔

"نہیں تو۔"

شائستہ نے پوچھا۔

"پھر کیسے آپ نے زحمت فرمائی؟"

یہ سوال اتنا سادہ اور ایسا سہمی تھا کہ نہ اس میں تپاک تھا، نہ اخلاق، نہ گرمجوشی، نہ اپنائیت، وہ سٹ پٹا گئے۔

انہوں نے کہا۔

"آپ کا ایک خط تھا۔"

شائستہ کو بڑی حیرت ہوئی۔

"میرا خط — ؟"

وہ ذرا گھبرائے ہوئے سے کہنے لگے

"ہاں۔"

شائستہ نے سوال کیا۔

"تو کہاں ہے وہ — ؟"

ایوب میاں نے کچھ سوچتے ہوئے فرمایا

"آپکے کمرہ میں رکھ آیا ہوں۔"

یہ سن کر شائستہ کے چہرے پر بدمزگی اور تلخی کے آثار پیدا ہوئے۔ اس نے پوچھا۔

"آپ میرے کمرہ میں گئے تھے — ؟"

ایوب میاں کو ایک مجرم کی طرح اقرار کرنے ہی بن پڑا۔

"جی ہاں — وہیں رکھ آیا۔"

شائستہ نے کسی حد تک تلخ لہجہ میں کہا۔

"لیکن آپ میرے کمرہ میں کیوں گئے — ؟"

ایوب میاں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"خط رکھنے۔"

شائستہ نے پھر جرح کی۔

"خط وہاں رکھ کر یہاں اطلاع دینے آنے کی کیا ضرورت تھی، یا تو خط وہاں نہ رکھنا تھا، یا یہاں نہ آنا تھا۔ خیر میں لے لوں گی۔"

ایوب میاں دم دبا کر خاموشی کے ساتھ چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد وہ کرسی پر نہ بیٹھ سکی۔ کھڑی کھڑی سوچتی رہی۔ آخر یہ کیا معاملہ ہے؟

"خط کیسا ہے؟ کس کا ہے؟ — ایوب میاں کے واسطہ سے کیوں آیا — ؟ اسے میرے کمرہ میں کیوں رکھ آئے۔ اگر یہاں آئے تو اپنے ساتھ کیوں نہیں لیتے آئے؟"

جتنا جتنا وہ اس مسئلہ کو سوچتی تھی، اتنا ہی اتنا وہ پیچیدہ اور مبہم ہوتا جاتا تھا۔ دیر تک وہ فکر میں غرق رہی۔ پھر اس نے سوچا جاؤں، ذرا دیکھوں تو وہ کس کا خط ہے؟

یہ سوچ کر وہ اٹھی اور دفتر سے باہر نکلی اور سیدھی اپنے کمرے کی طرف بڑھی

کمرہ یہاں سے چند قدم کے فاصلہ پر تھا،

وہ جلدی جلدی قدم اٹھاتی، جب اپنے کمرہ کے قریب پہنچی تو اسے یہ دیکھ کر سخت حیرت کہ ایوب میاں وہاں سے برآمد ہو رہے ہیں۔

ایوب میاں کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔ اس کے قدم آگے نہیں بڑھے۔ ایوب میاں اپنے خیال میں اتنے مستغرق تھے کہ انہوں نے اس طرف توجہ بھی نہیں کی کہ کوئی انہیں کمرہ سے باہر نکلتا دیکھ رہا ہے اور یہ، کوئی، سوا شائستہ کے اور کوئی نہیں ہے۔

ایوب میاں کے چلے جانے کے بعد آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی شائستہ اپنے کمرہ کی طرف بڑھی۔ دفعتاً اسکے دل میں خیال پیدا ہوا۔

ایوب میاں نے پہلے خط نہیں رکھا تھا۔ اب رکھ کر گئے ہیں۔

لیکن کیوں؟

یہ ایسا راز تھا جو اس کی سمجھ میں نہ آیا۔

بہرحال وہ اپنے کمرہ میں پہنچی۔ میز پر ایک بند لفافہ رکھا تھا۔

اس نے جلدی سے لفافہ کھولا، یہ ایک طویل خط تھا، اسے پڑھا اور سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

وہ خط ایوب کا تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

پیاری یاسمین —!

ڈرتے ڈرتے دل کی بات زبان پر لاتا ہوں میں تم سے محبت کرتا ہوں میں تم کو چاہتا ہوں، پوجتا ہوں، پیار کرتا ہوں۔

ہر وقت آنکھوں کے سامنے تمہاری دلربا تصویر ناچا کرتی ہے، رات کو جب سونے کیلئے لیٹتا ہوں تو خواب میں بس تمہاری ہی زیارت کرتا رہتا ہوں تمہارے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ تم میری زندگی ہو، روح ہو، دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ جب مجھے تم سے محبت ہے تو کس طرح ممکن

ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت نہ ہو۔ آؤ ہم ایک نیا آشیانہ بسائیں اور ساری زندگی عیش و مسرت سے گزار دیں، یہ ادارہ صرف تمہارے دم سے چل رہا ہے۔ جب سے تم آئی ہو، آمدنی میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔ ہم دونوں مل کر ایک نیا ادارہ نہیں قائم کر سکتے؟ آج تم محنت کرتی ہو مگر اس کا معاوضہ چند روپے کی صورت میں تمہیں مل جاتا ہے۔ کل جب تم اپنے ادارہ کی خود مالک ہو گی تو ساری آمدنی کی مالک بن جاؤ گی۔ میری بہترین دماغی اور انتظامی صلاحیتیں تمہاری مددگار ہوں گی۔ بتاؤ کیا تمہیں میری یہ تجویز منظور ہے؟

تم ایک عورت ہو، اور تنہائی کی زندگی بسر کر رہی ہو، ایک خوبصورت عورت کے لئے تنہا رہنا خطرناک ہے۔ تم میری بن جاؤ، میں تمہارا سہارا اور پشت پناہ بن جاؤں گا۔

جہاں آرا کی بچی اب بہت سر چڑھ گئی، تم سے تو خیر کچھ نہیں کہتی لیکن مجھے تو اس طرح جھڑک دیتی ہے جیسے میں اس کے باپ کا زر خرید غلام ہوں، میں یہ سوچ کر چپ ہو جاتا ہوں کہ عورت ہے۔ کیا اس کے منہ لگوں۔ لیکن اب مجھے اس نفرت ہو چکی ہے۔ ایک دن بھی اسکے ساتھ رہنا میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔

ریجنٹ سینما میں ایک بڑی اچھی پکچر دکھائی جا رہی ہے، میں سہ پہر کو یہاں سے غائب ہو جاؤں گا، تم کسی کام کا بہانہ کر کے ٹھیک چھ بجے پہنچ جاؤ۔ میں نے ایک باکس ریزرو کرا لیا ہے۔ اطمینان سے وہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔ اور اپنی آئندہ کی خوشگوار زندگی کا پروگرام بنائیں گے۔

تمہارا
ایوب

شائستہ نے یہ خط بار بار پڑھا، کبھی غصے سے چہرہ تمتما جاتا۔ کبھی مسکرانے لگتی۔

ایوب میاں کے بارے میں اس کا ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ بے چارے ذوقِ لطیف سے محروم ہیں، لیکن حماقت کے اتنے اونچے مرتبہ پر فائز ہیں، اس کا گمان ہی نہیں تھا۔ جہاں آرا کی جھڑکیاں اور گھرکیاں بڑی سعادتمندی کے ساتھ ہمیشہ سے برداشت کرتے آئے تھے۔ بلکہ جب وہ خفا ہوتی تھی تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایوب میاں کو اپنے بخت رسا پر ناز ہے۔ انہیں فخر ہے اپنے نصیبے پر کہ جہاں آرا نے انہیں ڈانٹا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے شاید یہ فخر ضرورت سے زیادہ حاصل ہو گیا ہے جسے وہ برداشت نہ کر سکے۔ لیکن بات یہ ہے کہ دیوانہ بکار خویش ہوشیار۔ یہ منظور نہیں ہے کہ بوریا بستر باندھیں اور تشریف لے جائیں۔ سوچتے ہوں گے کہ جائیں تو جائیں کہاں؟ نوکری اول تو ملے گی کیوں؟ اور اگر مل بھی گئی تو سو پچاس سے زیادہ کیا ملے گی؟ اور پھر دن بھر کی محنت الگ۔ اس سے اچھی تو یہ نوکری ہے کہ کبھی کبھار یا روزانہ سہی، دو چار جھڑکیاں کھا لیں۔ اس کے بعد خوب ڈٹ کے ناشتہ کیا شکم سیر ہو کے کھانا کھایا، سگریٹ پیئے۔ پان چبائے۔ سینما دیکھا اور ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو جیب خرچ کے نام سے سو روپے اینٹھ لیے۔ کپڑے کی ضرورت ہو تو اچھے سے اچھا موجود۔ جوتا چاہیے تو ہر وقت جہاں آرا کے ہاتھ میں موجود۔

سب سے اچھی اور عمدہ ترکیب جس میں ہلدی لگے نہ پھٹکری اور رنگ آئے چوکھا۔ یہ ہے کہ مجھے ورغلا کر اپنے قبالۂ عقد میں لے لیں اور پھر اس ادارہ کے مقابلہ میں ایک دوسرا ادارہ ٹھاٹھ سے قائم کر دیں اور جہاں آرا کو چڑائیں کڑھائیں، رلائیں۔

پھر وہ سوچنے لگی، اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔؟

اس احمقانہ خط کا جواب دینے کا تو کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر میں یہاں رہی تو یہ فتنہ قیامت بن جائیگا۔

اب تک جہاں آرا کا سلوک میرے ساتھ وہی ہے جو ایک بہن کا دوسری

بہن کے ساتھ ہوتا ہے۔ لیکن جب انہیں سُن گُن ملے گی کہ ان کے شوہر نامدار مجھ سے عشق فرما رہے ہیں تو ان کی تو چاہے مارتے مارتے ادھ اٹھا دیں، لیکن مجھ سے بھی کھٹک جائیں گی۔ کم از کم یہ گوارا نہیں کریں گی کہ میں یہاں رہ کر ایوب میاں کو آتش عشق میں جھونکاتی رہوں، اور خود جہاں آرا کے سر پر تلوار کی طرح لٹکتی رہوں۔ ان کی دلی خواہش یہی ہو گی کہ میں یہاں سے رخصت ہو جاؤں تو قبل اس کے کہ وہ مجھے برخاست کریں، کیا عقلمندی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ میں خود ہی استعفیٰ دے دوں۔؟

ادارہ کی لڑکیاں اور عورتیں میرا کتنا ادب اور لحاظ کرتی ہیں۔ انہیں جب معلوم ہو گا کہ ادارہ میں لیلیٰ مجنوں کا کھیل ہو رہا ہے۔ اور زبردستی میں لیلیٰ بنادی گئی ہوں تو کیا تھوکیں گی میرے اوپر۔ مانا کہ میرا دامن صاف ہے۔ لیکن تہمت لگتے کچھ دیر لگتی ہے؟ جہاں کچھ کا یہ خیال ہوگا کہ یہ ڈھونگ اس بڈھے کا رچایا ہوا ہے۔ وہاں ضرور کچھ کے دل میں خیال آئے گا کہ تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے۔ ہو نہ ہو یاسمین کا بھی کچھ اشارہ ہو گا۔

کیا اس ذلت اور رسوائی سے بچنے کی ترکیب یہ نہیں ہے کہ مجنوں صاحب کو چھوڑ کر میں یہاں سے چلی جاؤں۔؟ میرے پیچھے جو کچھ بھی ہو، کم از کم یہ چرچے میرے سامنے تو نہیں ہوں گے۔

لیکن ایک اور ٹیڑھا سوال سامنے ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ مجھے استعفا دے دینا چاہیے۔ چلا جانا چاہیے یہاں سے۔ لیکن یہ ممکن نہیں کہ جہاں آرا خوشی سے مجھے جانے دیں، وہ ضرور دریافت کریں گی؟ میں کیوں جا رہی ہوں؟ اگر یہ بات بتاتی ہوں تو انہیں صدمہ ہو گا۔ صاف صاف ماجرا بیان کرتی ہوں تو رو دیں گی اپنی خوش قسمتی پر۔ سر پھوڑیں گی اپنے سنگ در سے۔

ایک اور سوال بھی قابل غور ہے۔ یہاں سے جاؤں کہاں؟

اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد یہ آستانہ ملا تھا۔ یہاں آکر ایسا محسوس ہوتا تھا

جیسے منزل آگئی ہو۔ یہاں جو ذہنی سکون حاصل تھا وہ اب کہاں مل سکے گا۔ اس شہر میں یا کسی دوسرے شہر میں نہ کوئی شناسا ہے نہ ہمدرد۔ اختر اور نعیم بہت سے مل جائیں گے، لیکن کوئی ہمدرد، بے لوث، اور بے ریا شخص مل جائے، اس کی امید کس برتے پر کروں؟

مسز جوزف سے کئی مرتبہ ملاقات ہو چکی ہے۔ ہر مرتبہ بچھ بچھ گئیں۔ ایک مرتبہ تو انہوں نے صاف الفاظ میں کہہ دیا تھا: مس یاسمین ہمارے ہاں آجائیے ہم آپ کو سر آنکھوں پر جگہ دیں گے۔

"وہاں چلی جاؤں؟"

نہیں وہاں نہیں جانا چاہیے۔ اگر وہاں چلی گئی تو جہاں آرا کے ساتھ دشمنی ہوگی۔ اس غریب نے میرا کیا بگاڑا ہے۔ اسے کس جرم کی سزا دوں؟ خطا اس کے احمق شوہر کی ہے اور سزا وہ پائے، یہ انصاف اور انسانیت سے بعید ہے۔

تو کیا کسی دوسرے شہر میں قسمت آزمائی کرنی چاہیے۔

کیوں نہ منصور پور چلی جاؤں؟ کچھ دن ہوئے وہاں کے دار النسواں کی طرف سے ایک اشتہار شائع ہوا تھا۔ یتیم بچیوں اور نوجوان بیوہ عورتوں کو مختلف کام سکھانے اور ان کے کام کی نگرانی کرنے کے لئے ایک خاتون کی ضرورت ظاہر کی گئی تھی۔ شاید وہ جگہ اب تک خالی ہو اگر نہ بھی خالی ہوئی تو بھی کوئی مضائقہ نہیں یہاں اتنے دن رہ کر میں نے کافی پس انداز کر لیا ہے۔ آنریری طور پر اپنی خدمات پیش کر دوں گی، اس طرح تو مجھے پناہ دینے میں انہیں کوئی عذر نہ ہوگا۔

"بس یہ ٹھیک ہے۔ تو پھر مجھے جہاں آرا سے صاف صاف گفتگو کر لینی چاہیے۔

سامنے میز پر اخبار پڑا تھا۔ اس میں اس نے ریلوے ٹائم ٹیبل دیکھا۔ ایک گاڑی رات کو منصور پور جاتی تھی اور صبح وہاں پہنچا دیتی تھی۔ اس نے سوچا یہ موزوں ترین گاڑی ہے۔ ایوب میاں باکس میں پکچر دیکھنے کے بعد واپس آ رہے ہوں گے میں اس شہر سے بہت دور جا چکی ہوں گی۔

شائستہ تیر کی طرح جہاں آرا کے کمرہ میں پہنچی۔ جہاں آرا نے آنکھوں میں اس کا خیر مقدم کیا پھر پوچھا۔

"خیریت تو ہے یاسمین۔ کیسے آگئیں؟"

یاسمین نے سنجیدگی سے کہا۔

"ایک بہت ضروری بات عرض کرنی ہے۔"

جہاں آرا نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"باتیں جتنی چاہو کرو، ایک نہیں دس، لیکن پہلے میری ایک بات سن لو میں دیکھ رہی ہوں کہ تم اتنا زیادہ کام کرنے لگی ہو کہ اندیشہ ہے تمہاری صحت پر اثر نہ پڑے۔ اور میں اسے گوارا نہیں کر سکتی۔ جان ہے تو جہان ہے۔ ہاں کیا کہہ رہی تھیں تم؟"

اور شائستہ سوچ رہی تھی کہ کیا کہے۔ کس محبت اور تعلق خاطر کے ساتھ جہاں آرا مجھے زیادہ کام کرنے سے منع کر رہی ہے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ کام کی زیادتی کا اثر میری صحت پر پڑے۔ بھلا کس طرح کہہ دوں، میں استعفا دینے آئی ہوں۔

اسے چپ دیکھ کر جہاں آرا نے پوچھا۔

"بتاؤ نا کیا بات ہے؟"

شائستہ نے کہا۔

"مگر آپ خفا تو نہیں ہو جائیں گی ـــ؟"

جہاں آرا کو اس ان ہونی بات پر ہنسی آ گئی۔

۔ خفا ہو جاؤں گی تم سے۔ پگلی، کہو کہو، کیا بات ہے؟۔

اب تو شائستہ کی ہمت نے بالکل جواب دے دیا، سیپ کی طرح اس کا منہ بند تھا۔ اور اس خاموشی سے جہاں آرا کو خلجان ہو رہا تھا، اس نے پھر پوچھا۔

۔ تو تمہیں تو چپ لگ گئی ۔۔ ہاں یاسمین، ہمارے ادارہ کا جلسہ سالانہ ہونے والا ہے۔ از راہ کرم گورنر صاحب کی بانوئے محترم، اس موقعہ پر تشریف لائیں گی، انعامات وہی تقسیم کریں گی۔ مجھے تقریر و تحریر کرنا تو آتی نہیں، اور آتی بھی تھی تو تمہارے آنے کے بعد سے بھول گئی ہوں، اس موقع پر خیر مقدمی تقریر بھی تم ہی کرو گی اور سالانہ رپورٹ بھی تمہی سناؤ گی ۔ اچھا ۔

شائستہ کی بے بسی اور پریشانی اس وقت قابل دید تھی۔ اس نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

۔ لیکن آپا، تقریر کرنا تو مجھے بھی نہیں آتا، پھر گورنر صاحب کی بانوئے محترم کے سامنے ۔ نا بابا ۔ یہ میرے بس کا روگ نہیں ہے۔

جہاں آرا نے شائستہ کے اس عذر کو عذر لنگ قرار دیا اور جواب میں ہنسنے لگی، پھر اٹھیں اور سیدھی نعمت خانہ کے پاس پہنچیں، اسے کھولا اور پلیٹ میں کوئی چیز بہت ساری رکھ کر لائیں۔

۔ انہیں ادیب میاں کو، بڑا شوق ہے گاجر کے حلوے کا، میں نے خود پکایا ہے، لو چکھو۔

شائستہ نے پلیٹ کی طرف دیکھا اور بولی۔

۔ اگر اتنا بہت سا آپ مجھے کو دے رہی ہیں تو شاید کھانے کیلئے تو پوری دیگچی عنایت ہو گی۔

یہ کہہ کر اس نے دو تین چمچے کھائے اور پلیٹ پرے کھسکا دی، جہاں آرا نے اصرار کیا۔

۔ یہ نہیں ہو سکتا، واہ یہ تم نے چکھا ہے، جیسے اونٹ کے منہ میں زیرہ۔ ختم کرو جلدی سے یہ ہی کتنا۔

اس اخلاق، اس گرم جوشی، اس خلوص اور محبت پر شائستہ دل ہی دل میں کٹی جا رہی تھی، وہ سوچ رہی تھی، جب میں یہاں سے رخصت ہو جاؤں گی تو یہ میرے بارے میں کیا رائے قائم کریں گی، کتنا دکھ ہو گا انہیں۔

لیکن اگر نہ جاؤں تو شاید ان کے دل کی حرکت بند ہو جائے ۔ یہ دیوانی ہو جائیں۔

بہر حال مجھے جانا ہے اور آج ہی جانا ہے۔

وہ یہی سوچ رہی تھی کہ جہاں آرا نے چہکنا شروع کر دیا۔

۔ اس مرتبہ گرمیوں میں پہاڑ پر چلیں گے، بڑا مزہ رہے گا۔

اس التفات بے پایاں کا بوجھ اب شائستہ کے لئے ناقابل برداشت ہو تا جا رہا تھا۔ وہ تو یہاں سے رخصت ہونے کا پروگرام بنا رہی تھی، یہاں سے قطع تعلق کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اور یہ جہاں آرا بیگم ہیں کہ اپنائیت کے جال میں جکڑتی چلی جا رہی تھیں۔ اس نے بات ٹالنے کیلئے کہا۔

۔ دیکھا جائے گا آپا ۔ ابھی تو بہت دن ہیں۔

۔ بہت دن کہاں ہیں ۔ بس ایک ہی مہینہ تو ہے۔

۔ نہیں آپا، میں نہیں جاؤں گی، پھر یہاں ادارہ میں کون رہے گا؟

۔ واہ ادارہ ہمارے لئے ہے، یا ہم ادارہ کے لئے ہیں۔ اور پھر ادارہ میں تعطیل ہو گی ۔ چلنا پڑے گا تمہیں ۔ مسکرا کر ایسی بھولی، کیوں ٹالے جا رہی ہو ۔ روپیہ خرچ کرنا نہیں چاہتیں، سوچتی ہو گی ۔ یہ فضول خرچی تو بھائی نہ خرچ کرنا۔ ہم اور تم کچھ دو دو تو ہیں نہیں۔ اور پھر میں تمہاری بڑی بہن جو ٹھہری۔

یہ کہہ کر جہاں آرا نے ایسی نظروں سے دیکھا، جن سے محبت کے چشمے ابل رہے تھے

شائستہ کو پسینہ آگیا۔ ان نگاہوں کو وہ نہ سہہ سکی۔

"اچھا آپا، جیسی آپ کی مرضی!"

جہاں آرا کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا۔

ایوب میاں رات کو بہت دیر میں آئے اور جب تک وہ نہیں آئے جہاں آرا جاگتی رہی۔ گھڑی نے جب گیارہ بجائے تو ایوب صاحب نوشہ بنے تشریف لائے۔ لیکن معلوم ہوتا تھا کہ مزاج برہم ہے۔ جہاں آرا نے گھور کر دیکھا اور پوچھا۔

"اب تک کہاں رہے؟"

ایوب میاں نے کوٹ اتار کر کھونٹی پر ٹانگتے ہوئے کہا۔

"ایک دوست مل گئے تھے، انہوں نے روک لیا"

"گیارہ بجے تک؟"

"تو کیا ساری رات گزر گئی؟"

"یہ جلن مجھے پسند نہیں، کتنے دفعہ کہہ چکی ہوں، اپنا نہیں تو میرے وقار کا خیال رکھا کرو"

"تو تم بہانے ڈھونڈتی ہو خفا ہونے کے۔ اگر جی بھر گیا ہے تو کہہ دو صاف صاف کوئی اور ٹھکانہ ڈھونڈوں، کہیں بھی محنت مزدوری کر کے دو روٹی کما ہی کھاؤں گا۔ ہر وقت کی جھک جھک اور ڈانٹ ڈپٹ سے تو سابقہ نہیں پڑے گا"

آج پہلی مرتبہ ایوب نے اس طرح کی باتیں کی تھیں۔ جہاں آرا کو مصلحت اسی میں نظر آئی کہ بات ختم کر دی جائے۔ موضوع گفتگو بدل کر مصالحت پر آمادہ ہو گئیں۔

"کھانا تو کھالو"

"بھوک نہیں ہے"

"واہ بھوک کیوں نہیں ہے، تم نے دوپہر کو بھی بس یونہی منہ جھٹال دیا تھا۔"

"نہیں، میں نہیں کھاؤں گا۔ ذرا بھی جی نہیں چاہتا"

"اچھا ذرا نعمت خانہ کھولو"

"نعمت خانہ کھول کر۔ اب؟"

"دیکھو شیشے کی پلیٹ میں کیا چیز ہے؟"

"کوئی چیز ہے تو"

"ہاں گاجر کا حلوا ہے۔ کئی دن سے تم فرمائش کر رہے تھے۔ آج فرصت نکال کر میں نے تیار کر دیا۔ بڑے مزے کا ہے۔ شائستہ کو چکھایا وہ تو انگلیاں چاٹنے لگی"

ایوب میاں کچھ دیر نعمت خانہ کا پٹ کھولے، حلوے کی طشتری کے سامنے اکڑوں بیٹھے کچھ سوچتے رہے، پھر انہوں نے مصلحت اسی میں دیکھی کہ اس پیش کش کو مسترد نہ کریں۔ پلیٹ لے کر جہاں آرا کے پاس کرسی پر بیٹھ گئے۔ انگلیوں سے چمچے کا کام لیا، اور دو ہی تین حملوں میں میدان صاف تھا، پلیٹ لے جا کر پھر وہیں رکھ دی۔ کلی کی، رومال سے منہ پونچھا اور اعلان کر دیا۔

"واقعی بڑے مزے کا ہے"

صبح ہوئی۔

میاں بیوی دونوں ناشتہ کی میز پر بیٹھے تھے، کہ بالی گھبرائی ہوئی آئی، یہ ایک موٹی تازی عورت تھی، عمر کوئی پچاس کے لگ بھگ ہوگی، ادارہ میں اوپری کام کیا کرتی تھی، بطور خاص شائستہ کی خدمت پر مامور تھی، صبح و شام اس کے پاس جاکر اپنے دفتری اور اس کے کاموں کے بارے میں ہدایات حاصل کرتی تھی۔ جہاں آرا نے اس کو اتنا پریشان اور حواس باختہ دیکھا تو کہا۔

"کیا بات ہے بالی؟"

وہ بولی۔

اے بیوی، میں کیا بتاؤں، وہ تو میں نہیں۔

جہاں آرا کے کان کھڑے ہوئے۔

"کون نہیں ہے؟"

وہ کہنے لگی

"ارے وہی بیگم صاحبہ اور کون۔"

جہاں آرا کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

"کیا یاسمین نہیں ہے؟"

"ہاں وہی، کہہ تو رہی ہوں۔"

"کہاں گئی وہ؟"

"میں کیا جانوں بیوی؟"

"تیرا تو دماغ چل گیا ہے۔ جائے گی کہاں؟ ادھر اُدھر ہوگی۔"

"اے نہیں بیوی، میں نے ایک ایک کونہ چھان مارا ہے۔ سب سے پوچھا بھی، دفتر میں بھی دیکھ آئی — اور ان کا سوٹ کیس بھی نہیں ہے۔ کمبل بھی نہیں ہے۔ ضرور کچھ دال میں کالا ہے۔ ہائے اللہ! یہ اندھیر۔"

ایوب میاں اٹھ کھڑے ہوئے۔

"نہ کمبل ہے، نہ سوٹ کیس، کیوں؟"

"ہاں میاں چلو۔ خود دیکھ لو چل کر اپنی آنکھوں سے۔"

"چل۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا تو تیری خیریت نہیں۔"

ایوب بالی کے ساتھ شائستہ کے کمرہ میں گیا، واقعی نہ وہاں کمبل تھا، نہ سوٹ کیس، ادھر اُدھر کی چیزیں الٹیں مگر کوئی سراغ نہ ملا۔ ردی کی ٹوکری میں اس کے دل کے ٹکڑے، اس کے نامۂ محبت کے ٹکڑے پڑے تھے۔ انہیں جلدی جلدی سمیٹ کر جیب میں رکھ لیا۔ بالی ہنسنے لگی۔

"یہ کیا کر رہے ہو میاں؟ ان پرزوں کا کیا کروگے؟"

ایوب نے لال پیلی آنکھیں نکال کر اسے دیکھا اور کرخت لہجہ میں کہا۔

"زبان بند رکھ! ہمارا جو جی چاہتا ہے کرتے ہیں۔ تو کون پوچھنے والی؟ اگر اپنی اماں (جہاں آرا) سے کوئی بات کہی ہوگی تو کھڑے کھڑے نکال دوں گا۔ اور داؤ لگا تو زبان الگ گدی سے کھینچ لوں گا۔"

بالی سہم کر خاموش ہوگئی۔ اتفاق سے میز پر ایوب کی نظر پڑی، یہاں ایک لفافہ رکھا تھا۔ پتہ کی جگہ جہاں آرا کا نام تھا۔ ایوب میاں نے بڑھ کر اسے اٹھا لیا اور خط پڑھنا شروع کیا۔

آپا —!

حالات کچھ ایسے ہیں کہ میں ادارہ سے ترکِ تعلق پر مجبور ہوں،

تفصیل میں جانا بے کار ہے، خواہ مخواہ آپ کو رنج ہوگا اور کسی قیمت پر بھی مجھے یہ گوارا نہیں کہ آپ کو رنج پہنچاؤں۔ امید ہے آپ میری مجبوری کو محسوس کریں گی اور مجھے دل سے معاف کر دیں گی۔ آپ سے سچ کہتی ہوں، مجھے یہاں سے جانے کا بڑا دکھ ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اپنے گھر سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہی ہوں، لیکن کیا کروں مقدر! میں نے تو یہ سوچا تھا کہ یہاں سے مر کر ہی نکلوں گی۔ لیکن آپ کی خفگی کا اندیشہ مول لے کر جا رہی ہوں:

آپ کی

یاسمین:

خط پڑھ کر ایوب میاں کا خون کھول گیا، بس چلتا تو شائستہ کے اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے جس طرح اس نے ان کے نامہ محبت کی دھجیاں اڑا دی تھیں، سانپ نکل چکا تھا۔ اب لکیر پیٹنے سے کیا حاصل تھا؟ خط ہاتھ میں لئے سیدھے جہاں آرا کے کمرے میں پہنچے، وہ سراپا انتظار بنی بیٹھی تھی، ایوب میاں کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا خبر لائے ۔۔؟"

ایوب میاں نے کہا۔

"حرامزادی، نمک حرام کمینی۔"

پھر انہوں نے شائستہ کا خط اس کی طرف بڑھایا، خط پڑھ کر اس کے بھی تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"ضرور بھاگی ہے اپنے کسی آشنا کے ساتھ:"

ایوب میاں نے دل کے پھپھولے پھوڑتے ہوئے کہا۔

"اور کیا۔ ایسی آوارہ عورتوں کو ادارہ میں رکھ کر تم نے بڑی غلطی کی، وہ تو ادارہ کے دامن پر ایک مستقل داغ تھی، اچھا ہوا خود ہی چلی گئی۔"

جہاں آرا نے معصومیت کے ساتھ کہا۔

"مجھے کیا معلوم تھا وہ ایسی نکلے گی، میں نے تو اس کے ساتھ وہ سلوک کیا تھا جو اپنی بہنوں کے ساتھ بھی نہیں کیا تھا:"

ایوب میاں نے طنز کرتے ہوئے کہا۔

"تو اس کا بھید دیکھ لیا؟"

"ہاں دیکھ لیا، لیکن سوال یہ ہے کہ آخر گئی کہاں؟"

ایوب میاں نے نفرت اور حقارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"جائیگی کہاں، کسی سے آنکھ لڑ گئی ہوگی۔"

"صورت سے کتنی معصوم معلوم ہوتی تھی:"

"بڑی معصوم:"

"اے واہ، مجھی کو کہے جا رہے ہو، تم بھی تو اس کی قابلیت کے گن گایا کرتے تھے:"

"پھر کیا کرتا، دریا میں رہ کر مگر مچھ سے بیر کرنا، تم تو اس پر ہزار جان سے فریفتہ تھیں میں کچھ مخالفت کرتا تو میری خیریت تھی پھر؟ ورنہ میں نے تو اسے اچھی طرح پہچان لیا تھا:"

جہاں آرا کو اس انکشاف پر بڑی حیرت ہوئی، پوچھا۔

"کوئی بات تم نے ایسی ویسی اس میں دیکھی تھی؟"

ایوب میاں نے فرمایا

"ایسی ویسی بات کیا دیکھتا، وہ خود ہی ایسی ویسی تھی:"

"اے ہٹو بھی:"

"سچ کہتا ہوں۔ جانتی ہو وہ تم سے اسقدر کیوں مانوس تھی ۔۔ صرف میرے لئے ایسے ایسے فصیح و بلیغ محبت نامے لکھتی تھی اور جب تم ادھر اُدھر ہو جاتیں تو اس طرح محبت کرتی تھی کہ میں پریشان ہو جاتا تھا:"

جہاں آرا نے غرق حیرت ہو کر پوچھا۔

"تمہیں میرے سر کی قسم:"

ایوب میاں نے اس سے بھی بڑی قسم کھائی۔

"تمہاری جان کی قسم — جانتی ہو رات میرا مزاج کیوں چڑچڑا ہو رہا تھا، میں دیر سے کیوں آیا تھا۔؟"

جہاں آرا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میں کیا جانوں — ہاں یہ بات بالکل نئی تھی۔ تعجب تو بہت ہوا تھا مجھے۔"

ایوب میاں نے جوش کے عالم میں کہا۔

"کل میری اس سے لڑائی ہو گئی تھی۔ اور میں نے صاف لکھ دیا تھا کہ اگر تم نے اپنے اطوار نہ بدلے تو میں کھڑے کھڑے یہاں سے نکال دوں گا۔ خواہ جہاں آرا مجھ سے کبھی بات نہ کریں۔ میں بہت برا اور بہت معمولی آدمی ہوں، لیکن اپنی بیوی سے غداری نہیں کر سکتا۔"

جہاں آرا نے ممنون نظروں سے وفادار شوہر کو دیکھا اور وہ تقریر کئے جا رہا تھا۔

"مجھے اس نے رشوت بھی پیش کی تھی، کہنے لگی، یہ ادارہ میرے دم سے چل رہا ہے میری محنت سے چل رہا ہے۔ پاس والی کوٹھی کرایہ پر لے لونگی اور دوسرا ادارہ قائم کر دونگی وہ اس سے زیادہ چلے گا۔ تم اس کے اور میرے دونوں کے مالک ہو گے، جی تو چاہا تھپڑ مار دوں، لیکن ضبط کیا، ڈانٹ کر نکال دیا۔ میرے خیال میں وہ اسی ڈر سے بھاگی ہیں کہ کہیں یہ بات تمہیں نہ بتا دوں۔"

جہاں آرا بیگم نے کامل اتفاق رائے کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا ہوا بھاگ گئی۔ نمک حرام، پاپ کٹا۔ لو اور سنو، ہماری بلی اور ہمیں کو میاؤں۔"

جہاں آرا کے گھر میں شائستہ پر صلواتیں پڑ رہی تھیں، اسے گالیاں دی جا رہی تھیں شرمناک تہمت طرازی کا ہدف بنایا جا رہا تھا، اور منصور پور جانے والی ٹرین میں وہ جہاں آرا کے حسن سلوک کو یاد کر کے دل ہی دل میں شکریہ ادا کر رہی تھی۔ اس طرح چوری چھپے وہاں سے چلے آنے پر اس کا دل ملامت کر رہا تھا لیکن جب وہ سوچتی تھی کہ یہ قدم میں نے جہاں آرا کے وقار کو برقرار رکھنے کیلئے اٹھایا ہے تو اس کا ضمیر مطمئن ہو جاتا۔

ریل میں بیٹھ کر ایک مرتبہ پھر اسے اپنے حالات کا جائزہ لینے کا موقعہ ملا۔ بار بار دل میں یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آخر اس گردش میں ایک شہر سے دوسرے شہر میں کب تک بھاگتی رہوں گی؟ کب تک ایک در سے دھتکاری جاؤں گی اور دوسرے در پر دستک دوں گی؟

کیا میری زندگی اسی لئے ہے کہ در در کی ٹھوکریں کھاتی پھروں گی؟ کیا میں نے عالم وجود میں اسی لئے قدم رکھا ہے کہ ایک پل بھی چین سے نہ بیٹھ سکوں؟ کیا ہستی کا بوجھ مجھ پر اسی لئے رکھا گیا ہے کہ روتی رہوں، ترستی رہوں، کڑھتی رہوں۔

اور پھر اس کے سامنے انجم روئے دل ربا آ گیا۔

انجم کے تصور کے ساتھ ہی اس کا دل ٹھہر گیا، اسے ایک قسم کا سکون سا محسوس ہوا، جیسے بڑی حد تک دل کی کلفت دور ہو گئی، دل کا بوجھ اتر گیا۔

وہ محسوس کرنے لگی، یہ ساری مصیبتیں میں انجم کے لئے برداشت کر رہی ہوں،

اسے خوش رکھنے کے لئے، اس کی زندگی پرسکون بنانے کے لئے، میں اگر اس سے سچی محبت کرتی ہوں تو ضرور خوشی سے یہ سارے مصائب مجھے برداشت کرنے چاہئیں۔

اتنے میں منصور پور کا اسٹیشن آ گیا، اس کا سامان بہت مختصر تھا، ایک چھوٹا سا سوٹ کیس، ایک مختصر سا بقچی اور صرف ایک کمبل۔

قلی کے ساتھ وہ تانگہ اسٹینڈ پہ پہنچی، تانگہ والے سے دارالنسواں کا نام لیا اور بیٹھ گئی۔

اس ادارہ کی منتظم عالیہ خاتون تھیں، عمر پچاس سے زیادہ، بدن کافی گداز، نصف سے زائد بال سفید، زمانے کی سختیاں اتنی سہی تھیں کہ سختی میں خود بھی پتھر بن گئی تھیں، غالباً بیوہ تھیں، سر سے پاؤں تک سفید لباس میں ملبوس۔ شائستہ ان کے سامنے گئی اور کھڑی ہو گئی، انہوں نے نگاہ اٹھا کر اسے سر سے پاؤں تک دیکھا، پھر رکھائی کے ساتھ کہا۔

"کھڑی کیوں ہو بہن۔ بیٹھ جاؤ۔"

اس اکھڑ لہجے نے شائستہ کو مایوس کر دیا، اس نے سوچا یہاں تو دال گلتی نظر نہیں آتی، بہرحال وہ حسب الحکم کرسی پر بیٹھ گئی۔

عالیہ خاتون نے پوچھا۔

"کیسے آنا ہوا؟"

اس برجستہ سوال کا دو ٹوک جواب دیتے ہوئے شائستہ گھبرائی، بہرحال اس نے کہا

"اپنی غرض لے کر آئی ہوں۔"

ایک مرتبہ پھر عالیہ خاتون نے اسے سر سے پاؤں تک دیکھا، پھر طنز آمیز لہجہ میں ارشاد فرمایا۔

"تم غرض لے کر آئی ہو؟"

شائستہ اس طنز کو شاید محسوس نہ کر سکی۔

"جی ہاں میں...."

عالیہ خاتون نے اسے آگے کچھ نہ کہنے دیا۔

"اچھا تو پھر کہہ ڈالو جلدی سے" گھڑی دیکھ کر "مجھے ایک پارٹی میں جانا ہے۔"

اب تو شائستہ اور چکرائی، یوں کھڑے کھڑے کیا باتیں ہوں گی، عورت بڑے دل کی معلوم ہوتی ہے۔ اس نے کہا۔

"تو ایسی جلدی کیا ہے؟ آپ پارٹی میں تشریف لے جائیں، واپسی کے بعد سہی۔"

دیدے نکال کر عالیہ خاتون نے پھر اسے گھورا

"تو جب تک تم یہیں بیٹھی رہو گی؟"

شائستہ نے آمادگی کے ساتھ کہا

"تو کیا ہوا۔؟"

ذرا نرم لہجہ میں عالیہ خاتون بولیں

"کچھ معلوم تو ہو کیا بات ہے۔ کیا چاہتی ہو؟"

شائستہ نے اپنے پرس سے اخبار کا وہ تراشہ، جس میں دارالنسواں کے لئے ایک کارکن خاتون کی ضرورت کا اشتہار درج تھا، سامنے رکھ دیا۔ عالیہ خاتون نے اس پر ایک نظر ڈالی اور کہا۔

"تو اس لئے آئی ہو۔؟"

شائستہ نے جواب دیا۔

"جی اسی لئے۔"

عالیہ خاتون نے کہا۔

"لیکن تنخواہ ہمارے ہاں بہت کم ہے۔"

شائستہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"میں تو مفت کام کرنے کو بھی حاضر ہوں۔"

یہ پیشکش سن عالیہ خاتون چونکی ہو گئیں، انہوں نے ایک مرتبہ پھر نگاہوں کی سرچ لائٹ اس پر ڈالی اور سوال کیا۔

"کیا گھر سے بھاگ کر آئی ہو ۔۔؟"

یہ سوال سن کر شائستہ سکتہ میں آگئی ۔ اس نے سوچا اب تھوڑا ہی تار توڑ سوالات کیے جائیں گے، تمہارا نام کیا ہے؟ رہنے والی کہاں کی ہو؟ کہاں سے آئی ہو؟ ماں باپ کہاں ہیں؟ ٹھہری کہاں ہو؟ رہو گی کہاں؟

شائستہ کو خاموش دیکھ کر عالیہ خاتون کو یقین ہو گیا، ضرور کچھ دال میں کالا ہے انہوں نے اس مرتبہ ذرا کرخت لہجہ میں دریافت کیا،

"تم ہو کون؟"

شائستہ نے کہا۔

"آپ ہی کی طرح ایک عورت"

ان الفاظ میں درد اور سوز کی جو داستان پوشیدہ تھی، اُسے عالیہ خاتون محسوس نہ کر سکیں۔ لیکن کام کی بات ڈھونڈ نکالی،

"خدا نہ کرے ہم اس طرح کبھی گھر سے بھاگتے"

شائستہ نے ذرا تلخ لہجہ میں کہا۔

"آپ اس قدر بدگمانی سے کام کیوں لے رہی ہیں؟"

عالیہ خاتون کے ہونٹ تبسم سے آشنا ہوئے لیکن اسے زہر خند سے تعبیر کرنا چاہیئے۔

"شاباش ۔۔ اسے کہتے ہیں چوری اور سینہ زوری ۔ بیگم صاحبہ میں بدگمانی سے کام لے رہی ہوں؟ لیکن تم بدگمانی کا موقع کیوں دے رہی ہو؟ ۔۔ میرے سوال کا صاف اور سیدھا جواب کیوں نہیں دیتیں؟ میں پھر ایک دفعہ پوچھتی ہوں

"گھر سے بھاگ کر آئی ہو؟"

عجیب عورت سے پالا پڑا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس سوال کا مقصد کیا تھا۔ اس نے کہا۔

"اسے چھوڑیئے کہ میں بھاگ کر آئی ہوں یا خراماں خراماں۔ یہ بتایئے آپ کے ہاں مجھے کام مل سکتا ہے یا نہیں؟"

عالیہ خاتون نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"نا بابا ۔ آج تو یہاں تم کام ڈھونڈ رہی ہو، کل جب تمہیں ڈھونڈنے کے لیے قافلوں پر قافلے آئیں گے تو میں کیا جواب دوں گی؟ اور اگر خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہوئی تو بی بی تم تو کیے کی سزا بھگتو گی ۔ میں ناکردہ گناہ میں ناحق گھسیٹی جاؤں گی ۔۔ بھلا تمہارا یہ سن، یہ صورت اور دار النسواں کی نوکری؟ اس سے بہتر ہے حج کرنے چلی جاؤ۔ دار النسواں میں اگر کام کرنا ہے تو انتظار کرو"

شائستہ نے عالیہ خاتون کی تمام تلخ باتوں کو فراموش کر دیا، اس آخری جملہ میں اس کو امید کی کرن نظر آئی۔

"کب تک انتظار کرنا ہو گا؟"

عالیہ خاتون مسکرائیں۔

"میری عمر تک پہنچنے کے بعد ہی یہاں کام کرنے کی اہلیت پیدا کر سکو گی ۔! بی بی، ہم جوان عورتوں کو اپنے ہاں نہیں رکھتے، صاف صاف بات تو یہ ہے۔ اور خوبصورت عورتوں کو تو قریب بھی نہیں پھٹکنے دیتے۔ یہ ہمارا اٹل فیصلہ ہے۔ ابھی زیادہ دن تو نہیں ہوئے جب مس رابعہ یہاں تشریف لائی تھیں، تمہاری طرح کہا، مجھے قسمت نے دھکا دیا، میں نے انہیں رکھ لیا۔ دو تین دن تو خیریت سے گزرے۔ اس کے بعد جب دیکھو جب ٹیلیفون پر تبسم کی بجلیاں گرا رہی ہیں، دن بھر میں ادارہ کے پانچ فون آتے تھے۔ تو ان کے پچاس ۔ پھر شام ہوئی اور معلوم ہوا کہیں، اپائنٹمنٹ ہے، جلدی جلدی کپڑے بدلے، لپ اسٹک لگایا، کنگھی چوٹی کی، پرس ہاتھ میں لیا اور بیگم صاحبہ تشریف لے گئیں۔ کبھی دس بجے رات کو تشریف لا رہی ہیں، کبھی گیارہ بجے ۔۔ غضب خدا کا ایک دن تو ایک مردوا بھی اپنے ساتھ لگا لائیں۔ صبر کی بھی حد ہوتی ہے جب دوسرے دن یہ خبر سنی، میرے تو تن بدن میں آگ لگ گئی ۔۔ کھڑے کھڑے

نکالا بیگم صاحب کو، ایک صاحب سے تو اس مصیبت سے چھٹکارا ملا کہ دوسری بیگم صاحبہ آپ تشریف لے آئیں۔ بی بی معاف کرو۔ تم جہاں جاؤ گی ہاتھوں ہاتھ لی جاؤ گی قدر دان تمہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں گے۔ میرا ادارہ بدنام ہوا تو مجھ بیوہ کو روٹیاں بھیک نہیں ملیں گی۔ دو چھوٹے چھوٹے لڑکے ہیں، دو جوان جہان لڑکیاں ہیں، ماشاءاللہ رحم کرو مجھ پر۔ معاف کرو مجھے۔"

شائستہ اٹھ کھڑی ہوئی، ٹھنڈی سانس لیتی ہوئی بولی۔

"شرمندہ نہ کیجئے۔ معافی تو مجھے مانگنی چاہیئے۔"

شائستہ جب عالیہ خاتون کے دفتر سے اٹھی تو اس کے پاؤں من من بھر کے ہو رہے تھے۔ قدم رکھتی کہیں تھی، پڑتے کہیں تھے۔ جب سے اس نے انجم کا گھر چھوڑا تھا نئی نئی مصیبتوں اور آفتوں سے سے پالا پڑا تھا۔ لیکن آج کی مصیبت۔ عالیہ خاتون سب سے نرالی اور انوکھی تھی۔

اپنی نگاہوں میں اتنی سبک اور ذلیل وہ کبھی نہیں ہوئی تھی جتنی آج!

وہ آہستہ آہستہ قدم رکھتی، عالیہ خاتون کے کمرہ سے باہر آئی، سامنے پھاٹک تھا۔ اور وہ اسی طرف جا رہی تھی لیکن حیران تھی کہ اب کہاں جائے۔ نہ جانے تو ٹھہرے کہاں؟

یکایک اس کے کان میں ایک شیریں آواز آئی۔

"سنئے تو سہی۔"

اس نے مڑ کر دیکھا ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی تیز تیز چلتی اسی کی طرف آ رہی ہے، وہ اپنی جگہ رک گئی، اتنے میں وہ قریب آ گئی، اس نے کہا۔

"میرا نام سلمیٰ ہے۔ میں عالیہ خاتون کی لڑکی ہوں۔"

شائستہ نے بے اعتباری کی نظروں سے اسے دیکھا پھر پوچھا۔

"کیا اور کچھ انہوں نے کہلایا ہے۔ کچھ کسر باقی رہ گئی تھی؟"

وہ ہنسنے لگی۔

"جی نہیں، میں ان کی پیامی بن کر نہیں آئی، ساتھ کے کمرہ میں میرا قیام ہے آپ کی آواز سن کر نہ جانے کیوں میرا دل چاہا کہ آپ کو دیکھوں۔ امی مزاج کی سخت دل کی صاف، زبان کی کڑوی، طبیعت کی بھلی ہیں، ان کی زندگی ایسے مرحلوں سے گزری ہے اور ایسے "تلخ تجربات" سے انہیں سابقہ پڑا ہے کہ ہر نئے آدمی سے بدگمان ہو کر ملتی ہیں۔ پھر میں رابعہ کا داغ تو ابھی بالکل ہی تازہ ہے، اس لیے کچھ زیادہ چڑچڑی ہو گئی ہیں۔"

شائستہ اس لمبی تقریر سے اکتا گئی "آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

سلمیٰ نے کہا،

"میں چاہتی ہوں، آپ امی کے بارے میں کوئی بری رائے قائم نہ کریں!"

"بہت اچھا، نہیں کرتی!"

"اب آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

"یہ تو خود میں بھی نہیں جانتی!"

"کیوں، کیا آپ کا یہاں کوئی عزیز نہیں ہے؟"

"یہاں کیا کہیں بھی نہیں ہے، ——— سلمیٰ بہن اس دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے میں اکیلی ہوں!"

سلمیٰ کے چہرہ پر افسردگی کا رنگ چھا گیا۔

"پھر آپ کہاں جائیں گی اس وقت؟"

"شاید اسٹیشن!"

"اور وہاں سے؟"

"جس طرح یہاں چلی آئی، اسی طرح کسی اور شہر میں چلی جاؤں گی!"

سلمیٰ غور سے شائستہ کی طرف دیکھتی رہی پھر اس طرح جیسے وہ اٹل فیصلہ کر چکی ہو، بولی،

"نہیں آپ نہیں جائیں گی، میں نہیں جانے دوں گی آپ کو!"

سلمٰی کے اس برتاؤ سے شائستہ متاثر ہوئی،

"تمہاری اس شرافت کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں؟ لیکن میری بہن سوچو تو تم مجھے کس طرح روک لوگی؟ تم مجھے کس طرح رکھ لوگی؟"

سلمٰی نے کہا،

"آیئے میرے کمرے میں چلئے، وہیں رہیں گی آپ!"

لیکن شائستہ آمادہ نہ ہوئی،

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں تمہاری امّی کے تیور دیکھ چکی ہوں، اگر انھوں نے مجھے تمہارے کمرہ میں دیکھ لیا تو نہ میری خیریت ہے نہ تمہاری!"

سلمٰی ہنسنے لگی،

"نہیں نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا، وہ مجھے بہت چاہتی ہیں، یقین دلاتی ہوں وہ آپ کو رکھ لیں گی — آیئے!"

شائستہ نے کچھ جواب نہیں دیا، ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہی، بڑی مشکل سے سلمٰی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا،

"آیئے —"

شائستہ مزاحمت نہ کر سکی، سلمٰی کے ساتھ ساتھ اس کے کمرہ میں پہنچی، یہ ایک چھوٹا سا لیکن نہایت آراستہ و پیراستہ کمرہ تھا، سلمٰی نے کہا،

"یہ میرا ڈریسنگ روم بھی ہے، بیڈ روم بھی، اور — آج سے گسٹ ہاؤس بھی!"

شائستہ مسکرانے لگی۔

سلمٰی کے سامنے عالیہ خاتون کی ایک نہ چلی، بادل ناخواستہ وہ صفیہ (شائستہ) کو دارالنسواں میں رکھنے پر مجبور ہو گئیں، لیکن بہت جلد شائستہ نے اپنی محنت، بے لوثی، خلوص اور کارگزاری کا ایسا سکہ بٹھایا کہ وہ اس کا کلمہ پڑھنے لگیں، ادارہ کا کوئی کام ہو یا ذاتی معاملہ جب تک صفیہ کی صلاح شامل نہ ہو، اس کا سرانجام پانا مشکل تھا، بظاہر وہ سوا سو ماہوار تنخواہ پانے والی ادارہ کی ملازمہ تھی لیکن حقیقتاً اس کی اس مختصر سی کائنات پر حکومت تھی، یہاں کا پتہ بھی بغیر اس کی مرضی کے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا تھا،

اور سلمٰی کا تو یہ عالم تھا کہ وہ شائستہ پر جان دیتی تھی، دن رات اسے اپنے ساتھ رکھتی، دنیا جہاں کی باتیں کیا کرتی، ایک روز وہ خوشی خوشی اپنے کمرے سے آئی، اور ایک کرسی پر بیٹھ کر ایک خط پڑھنے لگی، خط پڑھتی جاتی تھی، مسکراتی جاتی تھی، باچھیں کھلی جا رہی تھیں، شائستہ نے اسے اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا جب وہ خط پڑھ چکی تو شوخ نظروں سے اس نے شائستہ کو دیکھا اور مسکرانے لگی،

شائستہ نے پوچھا،

"آج تو پھول کی طرح کھلی جا رہی ہو، کیا بات ہے؟"

سلمٰی نے ایک انداز خاص سے اسے گھورا، اور بولی،

"ہاں صفیہ میں خوش ہوں!"

بڑے بوڑھوں کی طرح شائستہ نے دعا دیتے ہوئے کہا۔

"خدا انہیں ہمیشہ خوش رکھے، لیکن کیا ہمیں اپنی خوشی میں شریک نہیں کرو گی؟"

سلمیٰ نے جواب دیا،

ایسا بھی ہو سکتا ہے کہیں؟ —— لو یہ خط دیکھ لو!"

شائستہ نے خط پڑھا اور متبسم ہو کر اسے لوٹاتے ہوئے کہا،

"اچھا تو یہ بات ہے، اگلے مہینے ہماری سلمیٰ بیگم کی شادی ہو رہی ہے؟ —— کون ہیں یہ نواب صاحب؟"

سلمیٰ پر فخر و ناز کے ملے ہوئے جذبات طاری ہو گئے، وہ بولی،

"اپنے شہر سے چند میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے مرزا پور، وہاں کے ہیں، پرانے رئیسوں میں شمار ہوتا ہے، تعلقہ کا کافی حصہ فضول خرچیوں میں برباد ہو گیا —— بڑے فضول خرچ ہیں، بس چلے تو اپنے آپ کو بیچ دیں، اور جو رقم اس طرح ملے، اسے لوگوں میں تقسیم کر دیں، پھر بھی کئی گاؤں ہیں، باغات ہیں، بلڈنگیں ہیں جن کا کرایہ آتا ہے۔ ایک شاندار حویلی ہے جس میں خود رہتے ہیں!"

"بڑے اچھے گھر جا رہی ہو، خدا مبارک کرے!"

اتنے میں عالیہ خاتون آ گئیں کسی کام سے، شائستہ نے کہا،

"سنا ہے ہماری سلمیٰ کا بیاہ ہونے والا ہے بہت جلد؟"

عالیہ خاتون نے کہا۔

"ہاں —— سارا انتظام تمہیں کو کرنا پڑے گا!"

"وہ تو میرا حق ہے، کروں گی —— لیکن سلمیٰ ابھی کم عمر ہے، اتنی جلدی اس کی شادی کیوں کئے دے رہی ہیں آپ؟"

عالیہ بیگم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا کروں صفیہ، مجبور ہوں، وہ لوگ اصرار کر رہے ہیں، نواب صاحب کا یہ

حال ہے کہ وہ اس لڑکی کے عشق میں دیوانے ہوئے جا رہے ہیں، کالج کے جلسہ میں معزز حاضرین کی صف میں یہ بھی بیٹھے تھے، ڈرامہ میں اس چھوکری نے بھی حصہ لیا، بس یہ چیز ان کو بھا گئی، میرے پاس پہنچایا تو مجھے تامل ہوا کہ ان دولت مند لوگوں سے ہمارا کیا جوڑ؟ پھر جب یہ معلوم ہوا کہ خیر سے شادی شدہ ہیں تو میں نے صاف انکار کر دیا۔ اے بیوی، یہ سنتے ہی انھوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، مہر کی رقم ادا کی اور رخصت کر دیا، اور مجھ سے کہلایا میں سلمیٰ کے لیے ہر چیز قربان کر سکتا ہوں، کیا اب بھی آپ کو میری محبت پر ترس نہیں آئے گا؟ سچ تو یہ ہے ایثار نے مجھے موہ لیا، پھر میں انکار نہ کر سکی، قبول کر لیا پیام، اب صبح و شام تقاضے ہونے لگے کہ تاریخ مقرر کرو، آخر کار تاریخ مقرر کر دی، اس کی منظوری کی اطلاع آج آئی ہے!"

عالیہ خاتون نے نواب صاحب اور ان کی عشق زیائی کا جو نقشہ کھینچا، اس سے شائستہ نہ صرف یہ کہ متاثر نہیں ہوئی، بلکہ اسے خدا واسطے کا بیر سا ہو گیا نواب صاحب سے، جو شخص ایک لڑکی کو کالج کے ڈرامے میں حصہ لیتے دیکھے اور فوراً عاشق ہو جائے اور اس عشق کے جوش میں اپنی بیاہتا بیوی کو بغیر کسی قصور کے فوراً طلاق دیدے، اسے قابل اعتبار کس طرح مانا جا سکتا ہے؟ کیا اسی طرح کل کو وہ کسی اور پر عاشق نہیں ہو سکتا اور نئے عشق کے چکر میں پڑ کر، سلمیٰ کو طلاق نہیں دے سکتا؟ لیکن یہ باتیں زبان پر نہیں لائی جا سکتی تھیں کیونکہ نواب صاحب کی محبوبیت کا اس گھر میں یہ حال تھا کہ بیک وقت عالیہ بیگم اور سلمیٰ دونوں ان پر عاشق تھیں، اگرچہ دونوں کا عشق مختلف قسم کا تھا،

لیکن اس گھر کی پرانی اور وفادار خادمہ کریمن کچھ خوش نظر نہیں آئی تھی، اور خود بخود شائستہ سے رازدارانہ الفاظ میں کہنے لگی،

"دیکھ لینا روئیں گی سر پر ہاتھ رکھ کر!"

شائستہ نے حیران ہو کر پوچھا،

"کون روئے گا کریمن بوا؟"

وہ بولی،

"یہی ماں بیٹیاں اور کون؟"

اب شائستہ نے زیادہ توجہ سے پوچھا،

"کیوں کریمن بوا؟"

وہ کہنے لگی،!

"یہ سوا تو اب ایک مہا بدمعاش ہے، ساری جائداد عیاشی میں لٹا چکا ہے سلمٰی کی عمر زیادہ سے زیادہ بیس سال کی ہوگی، اور وہ چالیس سے کم نہیں ہے،؟"

اب تو شائستہ کو اس گفتگو میں باقاعدہ حصہ لینا پڑا۔

"سچ کریمن بوا؟"

وہ بولیں۔

"اے مجھے کیا پڑی ہے جھوٹ بولنے کی بیٹی، میں اپنی آنکھوں کے دیکھے کو کہتی ہوں، مگر ان کی تو آنکھوں پر پٹی بندھی ہے۔!"

شائستہ نے پوچھا،

"حیرت ہے عالیہ خاتون سلمٰی کو چاہتی ہیں اور پھر اس طرح اس کی زندگی برباد کر رہی ہیں"

کریمن بوا نے کہا،

"حیرت کاہے کی بیٹی، یہ لوگ روپے کے پجاری ہیں، ——— اور روپیہ بھی تو نہیں موئے کے پاس، ایک بات اور بتا دوں؟"

"کون سی بات کریمن بوا؟" زہرخند کرتے ہوئے کریمن بوا نے ارشاد فرمایا،

"ایک چھوڑ تین بیویاں ہیں نواب صاحب کے حرم میں،!"

شائستہ کو یقین نہیں آیا،!

"بوا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان کے تو ایک ہی بیوی تھی، اسے بھی سلمٰی کے لئے طلاق دے دی،"

کریمن بوا کا پوپلا منہ پورا کا پورا کھل گیا، ——— وہ ہنس رہی تھیں،

"طلاق دینے کے بعد مہر کہاں سے دے گا؟ پیسے بھی ہے کچھ؟، تینوں دندنا رہی ہیں، جوتی میں جائیں گی سلمٰی، دیکھنا کیسی گت بنتی ——— لڑکی کی وہاں!"

شائستہ کو اب بھی کریمن بوا کی بات پر اعتبار نہیں آیا،

"کیسے مان لوں کریمن بوا؟"

کریمن بوا اپنی یہ توہین برداشت نہ کر سکیں،

"نہ مانو، مان لوگی تو کچھ انعام دے دوگی مجھے؟ ——— میری سگی بہن نواب کے زنان خانے میں ملازم ہے، اس سے بڑھ کر وہاں کے حالات اور کون جانے گا؟"

شائستہ کی بے اعتباری کم ہونے لگی،

"اس گھر کی تم پرانی نمک خوار ہو، تمہیں چاہیے تھا کہ عالیہ بیگم کو سارا حال رتی رتی بتا دیتیں"

کریمن بوا نے جھنجھلا کر کہا،

"تو کیا سمجھتی ہو، میں نے نہیں بتایا؟ کھول کھول کے ہر ایک بات بتا دی، لیکن انھوں نے تو یقین نہ کرنے کی جیسے قسم کھا رکھی ہے، میں کیا کروں؟"

شائستہ نے کہا،

"تعجب ہے، سخت تعجب ہے!"

کریمن بوا نے ایک دل جلے کے انداز میں کہا،

"تمہیں تو تعجب ہے مجھے صدمہ ہے، اس لڑکی کو میں نے گود میں کھلایا ہے، میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں، وہاں یہ ایک دن بھی خوش نہیں رہے گی عمر بھر روئے گی لیکن میں اسے بچا نہیں سکتی،!"

شائستہ نے ایک عزم کے ساتھ کہا،

"میں بچاؤں گی!"

"کس طرح بچاؤ گی بہن؟" کریمن بوا نے پوچھا۔

شائستہ نے جواب دیا،

"عالیہ خاتون سے سارا ماجرا نواب صاحب کا عرض کر دوں گی،!"

کریمن بوا نے طنز کیا،

"تم عرض کر دو گی اور وہ یقین فرمالیں گی، وہ سمجھیں گی تم ان کی لڑکی سے جلتی ہو، اس کی خوشی نہیں دیکھ سکتیں، یہ نہیں چاہتیں کہ وہ اپنے گھر بیاہ کر جائے اور ماشاءاللہ خوب صورتی میں تم کچھ اس سے زیادہ ہی ہو، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ خیال کریں، تم اپنی فکر میں ہو،!"

شمائستہ نے اپنا ارادہ بدل دیا،

"ہاں بوا، ٹھیک کہتی ہو، مجھے اس بیچ میں نہیں پڑنا چاہئے!"

"بالکل بے کار ہے بیٹی، مفت میں اپنی سبکی ہو گی،

"لیکن بوا ایک بات تو ہو سکتی ہے،!"

"وہ کیا بیٹی؟"

"کیوں نہ سلمیٰ کو سارا حال بتا دیا جائے؟"

"بیکار، بالکل بے کار ــــ، وہ تو خود نواب پر دیوانی ہوئی جا رہی ہے سوچتی ہے نواب بیگم کہلاؤں گی، موٹر پر سیر کو نکلوں گی، اعلیٰ درجہ کے ملبوسات استعمال کروں گی، ہیرے جواہرات اور سونے کے بیش قیمت زیور پہنوں گی، روپے کی ریل پیل ہو گی، دونوں ہاتھوں سے یہ مفت کی دولت لٹاؤ گی، اس سے اگر کوئی نواب صاحب کے خلاف کچھ کہے گا، الٹی اس کی دشمن ہو جائے گی۔ ایک دفعہ میں نے ذرا سا ذکر چھیڑا تھا، ارے بیٹی اتنا خفا ہوئی ہے کہ کیا کہوں، بس چلتا تو شاید کولھو میں پلوا دیتی مجھے!"

"تو اگر یہ لوگ خود ہی کنویں میں گر رہے ہیں تو کوئی کیا کر سکتا ہے؟"

"وہی تو میں کہتی ہوں، لیکن انجام پر جب نظر جاتی ہے تو دکھ ہوتا ہے، بہرحال ہم تو دعا گو ہیں، ہماری دعا تو یہی ہے کہ ہمارے اندیشے غلط ثابت ہوں، اور ان کی آرزوئیں پوری ہوں!"

آج سلمیٰ کی شادی ہے،!

نواب صاحب دھوم سے بارات لے کر آ رہے ہیں۔ منصور پور میں انہوں نے ایک شاندار کوٹھی کرایہ پر لے لی ہے، سلمیٰ یہیں رخصت ہو کر آئے گی۔ دوسرے دن نواب صاحب عالیہ خاتون کے، مع اپنی بیگم سلمیٰ کے مہمان ہوں گے، سلمیٰ پھر منصور پور کی کوٹھی میں چند روز رہے گی، وہاں سے پھر اپنی دولت سرا یعنی سسرال چلی جائے گی،

عالیہ خاتون کا دارالفسواں مہمانوں سے بھرا ہوا ہے، دور اور نزدیک کے عزیز اور رشتہ دار جمع ہو چکے ہیں، ان میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی، بچے بھی اور بوڑھے بھی، مہمانوں کے دو حصے کر دیئے گئے ہیں، مرد الگ مقیم ہیں عورتیں الگ۔ ٹھہرائی گئی ہیں، مردوں کے قیام و طعام کا انتظام عالیہ خاتون کے ایک دور کے رشتہ دار میاں تجمل حسین کے سپرد ہے، عورتوں کے استقبال خاطر و مدارات اور قیام و آرام کی ذمہ داری صفیہ (شائستہ) پر ہے، عالیہ بیگم بیحد مصروف ہیں لیکن کوئی کام ان کے ذمہ نہیں ہے، سلمیٰ دلہن بنی اپنے کمرہ میں بیٹھی ہے، اس کی بہنیں اور بھائی، خوشی سے پھولے نہیں سماتے، صفیہ ایک پاؤں سلمیٰ کے کمرہ میں، دوسرا باورچی خانہ میں ہے، کبھی وہ مہمانوں کی جھڑکیاں اور خفگیاں سہتی ہے، کبھی سب کی فرمائشیں سنتے سنتے عاجز آ جاتی ہے۔ کوئی کھانے

سے پہلے چائے کا خوگر ہے، کوئی کھانے کے بعد سوڈا ضرور پیتا ہے، کسی کو پان چاہئیں، کسی کا الائچی سے شغل کرنے کو جی چاہ رہا ہے، کسی کو دہی مرغوب ہے کوئی بالائی پسند کرتا ہے۔ صفیہ بے چاری ان سب کی فرمائشیں سنتی ہے، اور ان رنگارنگ فرمائشوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے، تعمیل میں ذرا دیر ہو جاتی ہے تو جلے کٹے فقرے سننا پڑتے ہیں۔

صبح کے ناشتہ کے بعد سے دوپہر کے کھانے تک اور دوپہر کے کھانے کا سلسلہ تقریباً تین بجے سہ پہر تک جاری رہتا ہے، صفیہ ایک پاؤں سے دوڑتی رہی، کبھی یہاں کبھی وہاں، کبھی ادھر، کبھی ادھر، کوئی چار بجے کے قریب تھکی ہاری آکر سلمیٰ کے پاس بیٹھ گئی، سلمیٰ کو اس کی اس محنت اور مصروفیت کا احساس تھا، کہنے لگی،

صفیہ آپا، کتنی اچھی ہو تم!"

شائستہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا،

یہ الہام کب ہوا سلمیٰ بیگم کو؟"

سلمیٰ نے کہا،

"دیکھ تو رہی ہوں، صبح سے چرخی کی طرح دوڑ رہی ہو، نہ ایک پہلو تڑا ہے نہ ایک بل چین، تمہاری جگہ میں ہوتی تو دیوانی ہو جاتی — خبردار جواب کہیں گئیں؟"

شائستہ نے پوچھا،

"کیا مطلب؟ — کہیں نہ جاؤں، یہیں بیٹھی رہوں تمہارے پاس؟"

سلمیٰ نے جواب دیا،

"ہاں کوئی ضرورت نہیں ہے، اس طرح ہلکان ہونے کی، بہت ہو چکا، اب آرام کرو!"

شائستہ نے چھیڑا،

"لیکن اب ذرا دیر میں تمہارے دولہا جو آتے ہوں گے!"

سلمیٰ کے چہرہ پر خوشی کا غازہ چمکنے لگا،

"آنے دو، !"

"اور ان کی خاطر تواضع نہ کروں؟"

"کیا ساری ذمہ داریاں اکیلی تم ہی انجام دوگی؟ — گھر کے اور لوگ کس مرض کی دوا ہیں؟"

"یہ وقت کام کا ہے، باتوں کا نہیں، یہ سوال اس وقت نہیں رکھنا چاہیئے اور میں تو تمہاری وجہ سے کر رہی ہوں،

جانتی ہوں، — اسی لیئے تو کہہ رہی تھی ابھی، کتنی اچھی ہو صفیہ آپا تم!"

"شکریہ اس بندہ نوازی کا، !"

"اب تمہیں ہماری ایک بات ضرور ماننی پڑے گی، ! — وعدہ کرو!"

(مسکرا کر) یہ بھی خوب رہی — مجھے تمہاری بات ضرور ماننا پڑے گی اور وعدہ بھی کروں؟ یا تو وعدہ نہ لو یا پھر حکم نہ دو!"

"نہیں آپا، تمہیں وعدہ بھی کرنا پڑے گا اور بات بھی ماننا پڑے گی!"

"(ہنستے ہوئے) بہت اچھا سرکار، وعدہ بھی حاضر ہے اور اقرار بھی فرمایئے!"

تمہیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا،

"کہاں؟"

"جہاں میں جاؤں، !"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"کیوں نہیں ہو سکتا؟"

پھر دارالنسواں کے کام میں جو خلل آئے گا!"

"نہیں آئے گا — تم نہیں تھیں، تب کام کیسے چلتا تھا؟ اگر استعفا دے کر چلی جاؤ تب کیسے چلے گا؟"

دلیل تو بڑی پُرزور ہے، لیکن عالیہ خاتون اسے تسلیم نہیں کریں گی!"

ان سے میں تسلیم کرالوں گی، دیکھو آپا میرا ارادہ ہے کہ نواب صاحب کے ہاں بیکار بیٹھے رہنے کے بجائے کچھ کام کروں!"

"یعنی — ؟ یعنی کچھ خدمت، تم اگر میرے ساتھ رہو گی تو ہم دونوں مل کر وہاں کے غریب اور نادار لوگوں کی گراں بہا خدمت انجام دے سکتے ہیں!"

"اچھا، دیکھا جائے گا — پہلے نواب بیگم تو بن لو، پھر یہ احکام صادر کرنا،

اتنے میں عالیہ خاتون گھبرائی ہوئی آئیں،

"صفیہ بیٹی، تم یہاں بیٹھی ہو؟ وہاں برات آگئی، نواب صاحب کے گھر کی عورتیں بھی آگئیں ہیں چلتی ہوں، تم یہاں کا انتظام کرو!"

عالیہ خاتون چلی گئیں، شائستہ نے ملتجی سے پوچھا،

"اب بتاؤ، بیٹھوں یا جاؤں؟"

وہ مسکرانے لگی،

شائستہ ہنستی ہوئی چلی گئی،

عالیہ خاتون نے حوصلہ اور استطاعت سے زیادہ بیٹی کی شادی پر صرف کیا، کافی مقروض ہو گئیں، لیکن پیشانی پر شکن تک نہ آئی، شوہر کی وفات کے بعد یہ پہلی خوشی تھی جو ان کی غم نصیب آنکھوں نے دیکھی تھی،

ایجاب و قبول کے بعد دولھا میاں یعنی نواب صاحب سہرے میں لپٹے لپٹائے تشریف لائے۔ بڑے ادب سے ساس (عالیہ خاتون) کو سلام کیا، انہوں نے چٹا چٹ بلائیں لیں، شفقت سے سر پر ہاتھ رکھا، سالیوں نے مذاق کرنا شروع کیا لیکن صفیہ بھی تو سالی تھی، وہ بھی زبردستی بلائی گئی، کسی نے دولھا میاں کا جوتا غائب کر دیا، کسی نے ان کی نشست پر آلپین لگا دی، کسی نے پان میں سرخ مرچ بھر کر پیش کیا، کسی نے چائے کی پیالی میں نمک بھر دیا، ہر حرکت پر دولھا میاں پد کتے اور یہ سگی اور رشتے کی سالیاں خوب خوب خوش ہوتیں، تالیاں بجاتیں، قہقہے لگاتیں ایک شائستہ تھی جو صرف حد سے بیٹھی، یہ تماشہ دیکھ رہی اور لطف اندوز ہو رہی تھی،

اتنے میں کسی لڑکی کو جو شرارت سوجھی تو اس نے صاحب کے چہرۂ زیبا پر ہاتھ مارا ایک ہی جھٹکے میں سہرا اس کے ہاتھ میں تھا اور نواب صاحب کا مکھڑا زیبا بے نقاب،!

جیسے نواب صاحب بے نقاب ہوئے، اتفاق کی بات سب سے پہلے ان

کی نظر شائستہ پر پڑی اور بالکل یہی معاملہ شائستہ کے ساتھ پیش آیا، دونوں نے ایک لمحے تک ایک دوسرے کو دیکھا پھر نگاہیں جھکا لیں،

نواب صاحب کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، جیسے کوئی مجرم عین حالتِ جرم میں گرفتار کر لیا جائے۔

شائستہ کا ایک رنگ آ رہا تھا ایک جا رہا تھا، جیسے کسی نے سارا خون سونت لیا ہو!

خوشی کے ترانوں اور قہقہوں میں نہ کسی نے نواب صاحب کا حالِ زار دیکھا نہ شائستہ کی سراسیمگی پر نظر گئی۔

"یہ وہی نواب صاحب تھے!"

شائستہ جب پہلے پہل گھر سے نکل کر انوری کے پھندے میں پھنسی تھی تو انوری نے انہی صاحب سے رقم خطیر لے کر شائستہ کو فروخت کر دیا تھا،

یہ وہی نواب صاحب تھے جنہوں نے شائستہ کو پرچانے کی، لبھانے کی، راہ راست پر لانے کی کوشش کی تھی، جنہوں نے بیش قیمت زیور اس کی بارگاہ حسن میں پیش کیا تھا، لیکن اس نے پائے حقارت سے اسے ٹھکرا دیا تھا

نواب صاحب کے لبوں پر دم آ رہا تھا، وہ سوچ رہے تھے یہ شائستہ یہاں کہاں سے آ مری، اگر حرامزادی نے عالیہ خاتون کو، اور سلمیٰ کو میرے نامۂ اعمال سے باخبر کر دیا تو کیا ہوگا؟ —— کیا پھر بھی اس گھر میں میری وہی عزت ہوگی جو اس وقت ہو رہی ہے؟

اور شائستہ سوچ رہی تھی، یہ ہیں وہ نواب صاحب جن کے ساتھ غریب سلمیٰ کی قسمت پھوٹی ہے؟ کریمن بوا سچ ہی تو کہہ رہی تھیں کہ عالیہ خاتون کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے جو اس قصائی کے حوالے اپنی پیاری بیٹی کو کئے دے رہی ہیں، بھلا اس عیاش اور قلاش کے ہاں سلمیٰ کیا سکھ پائے گی؟ اسے ایک دن بھی سکھ نہیں ملے گا، اس کا وہی حشر ہوگا جو نواب کی دوسری بدقسمت بیویوں

کا ہو چکا ہے!

چند روز تک اس کی ناز برداری ہوگی، دل جوئی ہوگی، خاطر مدارات ہوگی، اور جب نواب صاحب کے توشہ خانہ کی زینت بن جائے گی، یہ فریاد کرے گی، مگر کوئی اس کی فریاد رسی نہ کر سکے گا، یہ روئے گی مگر کوئی اس کی اشک شوئی نہ کر سکے گا،

ہائے، سلمیٰ اور یہ قسمت!

کیا کروں؟

"کس طرح اس موذی کے چنگل سے اسے بچاؤں؟

نہیں، میں کچھ نہیں کر سکتی، سلمیٰ بدقسمت ہے، اب اس کی قسمت نہیں سنور سکتی!"

پھر یکایک شائستہ کے دل میں خیال آیا، یہ نواب صاحب کہیں پھر مجھے ہدفِ ستم بنانے کی کوشش نہ کریں،

اگر ایسا ہوا تو میں کیا کروں گی؟ کہاں جاؤں گی؟ کون میری فریاد سنے گا؟ کون میری بات پر اعتبار کرے گا؟

نواب صاحب اپنے خیال میں کھوئے تھے، شائستہ اپنے اندیشوں میں سہمی ہوئی تھی، اور یہاں گھر میں قہقہے گونج رہے تھے، دل لگی ہو رہی تھی، نواب صاحب کو بار بار چھیڑا جا رہا تھا، لیکن وہ بے دلی کے ساتھ ان چھیڑخانیوں سے لطف اندوز ہو رہے تھے، شروع میں ترکی بترکی جواب دینے پر تلے ہوئے اور بھیگی بلی نظر آ رہے تھے،

عالیہ خاتون نے خیال کیا بے چارہ لڑکا (نواب صاحب) پریشان ہوا جا رہا ہے، یہ لڑکیاں ہاتھ دھو کر اس کے پیچھے پڑ گئی ہیں، انہوں نے سختی کے ساتھ ان سب کو ڈانٹا،

"بس بہت ہو چکا، کب تک لڑکے کو ہلکان کرتی رہو گی؟"

قہقہوں کا طوفان دفعتاً رک گیا۔

عالیہ خاتون نے بادیدۂ تر، اپنی نورِ چشم اور راحتِ جان سلمیٰ کو رخصت کیا، خود سلمیٰ کا یہ عالم تھا کہ باوجود انتہائی روشن خیالی اور تعلیم یافتہ ہونے کے ماں کے کندھے پہ سر رکھ کر، خوب پھوٹ پھوٹ کر روئی۔ شائستہ نے لاکھ لاکھ ضبط کیا مگر آنسوؤں کا سیلِ رواں روکے نہ رک سکا،

جس گھر میں ابھی، ذرا دیر پہلے تک چہل پہل تھی، رونق تھی، گہما گہمی تھی، شور تھا، قہقہے تھے، غل تھا، ہنگامے تھے، اب وہاں سلمیٰ کے رخصت ہو جانے سے سناٹا چھایا ہوا تھا، ہر شخص مغموم اور افسردہ و مضمحل نظر آ رہا تھا،

گھر میں بڑی دیر تک سلمیٰ اور نواب صاحب کے مرتبے اور شرافت کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر عالیہ خاتون نے اٹھتے ہوئے شائستہ سے کہا،

"بیٹی صفیہ اب جاؤ، سو رہو — صبح پھر اٹھنا ہے، ماشاءاللہ دولھا دلہن ناشتہ ہی کے وقت آ جائیں گے، میرا تو جیسے جی بیٹھا جا رہا ہے، سر بھی درد کر رہا ہے، شاید حرارت بھی ہے، مجھ سے تو کچھ ہو گا نہیں تمہیں کو سارے کام کرنے ہیں، اس مسلسل بے آرامی سے اگر خدا نخواستہ تمہاری طبیعت بھی خراب ہو گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔"

شائستہ نے اٹھتے ہوئے زیرِ لب تبسم کے ساتھ کہا،

"میری فکر نہ کیجئے، نہ مجھے بخار آئے گا نہ میں بیمار پڑوں گی!"

پہنچی، کریمن بوا جیسے اسی کے انتظار میں بیٹھی تھیں، شائستہ نے انہیں دیکھ کر کہا،

"ارے کریمن بُوا تم یہاں بیٹھی ہو؟!"

وہ جمائی لیتے ہوئے بولیں،

"ہاں بیٹی یہیں چلی آئی، وہاں جی نہ لگا!"

شائستہ اپنے بستر پر لیٹ گئی اور لیٹے لیٹے اس نے کریمن بوا سے جو پائینتیوں بیٹھی تھیں باتیں شروع کر دیں،

"سلمیٰ کے چلے جانے سے گھر کیسا اداس اداس سا لگ رہا ہے؟"

کریمن بوا نے تائید فرمائی،

"وہی تو اس گھر کی رونق تھی!— کیوں بیٹی تو نے دولھا کو دیکھا؟"

شائستہ کچھ سوچ رہی تھی، چپ لیٹی رہی۔ کریمن بوا نے پھر تقاضا کیا،

"بیٹی، میں کہتی ہوں تو نے دولھا کو دیکھا؟"

شائستہ نے جواب دیا،

"ہاں بوا دیکھ لیا۔"

کریمن بوا کو یہ جواب کافی اور شافی نظر نہ آیا،

"صورت دیکھی؟"

شائستہ انکار کیسے کر دیتی؟

"ہاں دیکھی!"

کریمن بوا نے پوچھا،

"کیسی ہے؟"

شائستہ نے کہا،

"آدمی کی صورت ہے!"

کریمن بوا ضبط نہ کر سکیں،

"یہاں کون بیٹھا ہے بیٹی جو اتنا سفید جھوٹ بول رہی ہو؟"— اے وہ موا

آدمی ہے یا بندر ؟ آنکھیں دیکھی تھیں ؟ کیسی شرارت ناچ رہی تھی ان میں ، بس وہ تو صورت سے بدمعاش معلوم ہوتا ہے !"

شائستہ خاموشی سے کریمن بوا کی باتیں سن رہی تھی ، ان کی تائید کرنا یا اس موضوع کو طول دینا اسے منظور نہ تھا ، لیکن کریمن بوا اس کی تائید یا اختلاف سے بے نیاز تھیں ، وہ اپنی کہے جا رہی تھیں۔

"رہ رہ کے بیگم صاحبہ (عالیہ خاتون) پر غصّہ آتا ہے کہ بیٹھے بٹھائے لالچ میں آ کر چاندسی بیٹی کی تقدیر پھوڑ دی۔

شائستہ نے لقمہ دیا ،

"لیکن اگر سلمیٰ کی تقدیر اچھی ہے تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نواب صاحب سدھر جائیں"

کریمن بوا کے منہ میں دانت ایک بھی نہیں تھا ، جب ہنستی تھیں تو غار کی طرح منہ کھل جاتا تھا ، اپنی اس کمزوری سے وہ واقف تھیں ، لہٰذا حتی الامکان کم سے کم ہنستی تھیں ، لیکن کبھی کبھی جب بالکل مجبور ہو جاتی تھیں تو حاضرین کے ذوق نظر کی ذرا بھی پروا کئے بغیر ہنسنا پڑتا تھا ، اس وقت بھی وہ ہنسنے پر مجبور ہو گئیں اور کافی دیر تک منہ کھولے ، شانے اچکاتی رہیں ، اس کے معنی یہ تھے کہ مسلسل ہنس رہی ہیں ،

لیکن شائستہ نے ان کی ہنسی کا کوئی نوٹس نہیں لیا ، آخر کریمن بوا کو ہنسی کا سلسلہ ملتوی کر کے بولنا پڑا۔

"بیٹی ، یا تو تم ضرورت سے زیادہ بھولی ہو یا بہت زیادہ بے وقوف ،!"

کریمن بوا کی بزرگی کا شائستہ احترام کرتی تھی ، لیکن اس حد تک ان سے بے تکلف ہو جانا بھی اسے منظور نہ تھا۔ ان الفاظ پر اس کی تیوریاں چڑھ گئیں اس نے ذرا تلخ لہجہ میں کہا ،

"کیا مطلب ؟"

کریمن بوا نے مطلب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ،

"سورج پورب کے بجائے پچھم سے نکلے ، یہ تو ہو سکتا ہے لیکن نواب سدھر جائے یہ نہیں ہو سکتا !"

اب شائستہ کو کریمن بوا کی باتوں سے وحشت ہونے لگی تھی ،

"ہو گا ، ہمیں کیا ؟ اپنی اپنی قسمت ہے !"

پھر وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی ، کریمن بوا کے دل کی بھڑاس کافی حد تک نکل چکی تھی ، انہوں نے بھی زیادہ دیر تک اس کی سمع خراشی کی ضرورت محسوس نہیں کی گلے میں بندھے ہوئے بٹوے سے خشک تمباکو کی ایک چٹکی نکال کر منہ میں رکھی ، گھٹنوں پر زور دے کر اٹھیں اور اٹھتے اٹھتے ایک دفعہ زور سے کھانسیں ، پھر آہستہ آہستہ کمرے سے باہر نکل گئیں ،

کریمن بوا کے جانے کے بعد شائستہ نے کوشش کی کہ نیند آ جائے لیکن نہ آئی ، ساری رات اس کی بے چینی میں گذری ، ذرا دیر کو پلک جھپک جاتی پھر آنکھ کھل جاتی !

اٹھنے کو تو شائستہ صبح اُٹھ گئی لیکن طبیعت بے مزہ اور بے کیف ہو رہی تھی، بدن ٹوٹ رہا تھا، سر میں درد تھا اور بخار بھی تھا!

جی چاہا لیٹی رہے، مہمانوں کے استقبال و مدارات کا انتظام خود عالیہ بیگم کریں گی، لیکن احساس فرض نے ایسا نہ کرنے دیا، وہ جلدی جلدی اُٹھی، اپنے سامنے اس نے برتن دھلوائے، ناشتہ تیار کرایا اور مہمانوں کے آنے سے پہلے سارا انتظام ٹھیک ٹھاک کر دیا، پھر وہ عالیہ خاتون کے پاس گئی،

"سارا انتظام ٹھیک ہے، ناشتہ بھی تیار ہو چکا ہے، لیکن خالہ اب میں لیٹتی ہوں جا کر!"

عالیہ بیگم یہ سُن کر حیران رہ گئیں جس نے اہتمام و انتظام کا سارا بوجھ اپنے دوش ناتواں پر اٹھا رکھا تھا، جس نے کئی کئی دن اور رات جاگ جاگ کر کام کیا تھا، وہ خود آج تھوڑا سا کام کرنے کے بعد لیٹنے جا رہی ہے، کیوں؟"

عالیہ خاتون نے ایک نظر شائستہ کے سراپا پر ڈالی، پھر پوچھا،

"کیوں بیٹی؟ طبیعت کیسی ہے؟"

"کچھ سُست ہے، بدن ٹوٹ رہا ہے!"

عالیہ خاتون نے فکر مند لہجے میں دریافت کیا،

"بخار تو نہیں ہے؟"

شائستہ نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔

"شاید ہو!"

اس جواب سے عالیہ خاتون کو تسلی نہیں ہوئی بے ساختہ ان کا ہاتھ شائستہ کے ماتھے پر پہنچ گیا،

"ارے تجھے تو بخار ہے بیٹی!۔۔۔ میں نہ کہہ رہی تھی کہ اتنا کام نہ کر!"

شائستہ مسکرانے لگی،

"تو آپ اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں، ٹھیک ہو جائے گا!۔۔۔ میں بیماری کی تیمارداری نہیں کرتی، لہٰذا وہ زیادہ دیر میرے پاس نہیں ٹکتی، جلد ہی بھاگ کھڑی ہوتی ہے!"

عالیہ خاتون نے محبت بھرے انداز میں اسے جھڑکتے ہوئے کہا۔

"ان ہی باتوں نے تجھے بیمار کر ڈالا ہے۔۔۔ اچھا جاؤ، آرام کرو، جب تک طبیعت بالکل ٹھیک نہ ہو جائے، خبردار جو کمرہ سے باہر نکلیں!"

شائستہ مسکراتی ہوئی چلی گئی، جاتے جاتے اس نے کہا،

"لیکن جب سلمیٰ آ جائے تو مجھے بلا لیجئے گا،

عالیہ خاتون نے صاف انکار کر دیا،

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں بلوانے کی، وہ خود چلی آئے گی تمہارے پاس تمہارے ہی کمرہ میں تو اتاری جائے گی

تھوڑی دیر کے بعد گھر کا پُرسکون ماحول پُر شور ہنگامہ سے بدل گیا نواب صاحب اور سلمیٰ کا استقبال دھوم دھام سے ہو رہا تھا،

شائستہ کا جی چاہا خود جائے اور سلمیٰ کو لے کر آئے لیکن، اب بخار اور بڑھ گیا تھا، ہمت نہ پڑی، وہ یہ سوچ کر لیٹی رہی کہ سلمیٰ خود ہی یہاں آئے گی

لیکن ایک گھنٹہ گذر گیا اور سلمیٰ نہ آئی شائستہ کو حیرت تھی اس تاخیر کی

وجہ کیا ہے؟ پھر اس نے اپنے دل کو تسلی دی کہ ناشتہ واشتہ سے فارغ ہو کر آ جائے گی، ہو سکتا ہے عالیہ خاتون نے روک لیا ہو اور باتیں شروع کر دی ہوں، ان کی باتیں جب شروع ہوتی ہیں تو بڑی مشکل سے اور بڑی دیر میں ختم ہوتی ہیں۔ اتنے میں کریمن بوا آ گئیں، شائستہ نے سوال کیا،

"سلمیٰ آ گئی؟"

کریمن بوا نے بے تعلقی کے ساتھ جواب دیا۔

"ہاں آ گئیں رات ـــــ نواب صاحب بھی ساتھ آئے ہیں!"

شائستہ نے پوچھا۔

"خوش تو بہت ہو گی؟"

کریمن بوا نے جواب دیا،

"ہاں خوش کیوں نہ ہو گی، شروع شروع میں تو خوش ہونا ہی چاہیئے،

اس طنز پر ذرا بھی متوجہ ہوئے بغیر شائستہ نے دریافت کیا،

"یہاں نہیں آئی اب تک؟"

کریمن بوا نے کہا،

"یہاں آ کر کیا کریں گی؟ وہ تو بیگم صاحبہ کے کمرے میں ہیں، وہی کمرہ ان کے لیے درست کیا گیا ہے ـــ!

ایک نامعلوم سا خطرہ شائستہ کے دل میں دھڑکنے لگا۔

"لیکن وہ تو یہاں اس کمرہ میں ٹھہرنے والی تھی!

بازدروں پردہ اور درون خانہ سے، کریمن بوا انتہائی ہوشیار ہونے کے باوجود ناواقف تھیں، فرمایا۔

"وہیں زیادہ آرام محسوس کیا ہو گا!"

اس نامعقول جواب پر شائستہ اعتراض کرنے ہی والی تھی کہ عالیہ خاتون آتی نظر آئیں، انہوں نے کمرہ میں قدم رکھتے ہی کریمن بوا کی خبر لی،

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

نہایت سادہ سا جواب حاضر تھا،

"کچھ نہیں!"

عالیہ خاتون نے درشت لہجہ میں کہا،

"جاؤ!"

کریمن بوا نے حیرت سے بیگم صاحبہ کو دیکھا، کچھ اعتراض کرنا چاہا، لیکن ان کے تیور دیکھ کر سہم گئیں، خاموشی کے ساتھ اٹھیں اور تشریف لے گئیں!

کریمن بوا کے جانے کے بعد عالیہ خاتون نے حقارت اور نفرت سے بھری ہوئی ایک نگاہ شائستہ پر ڈالی،

"اب کیسی ہو؟"

شائستہ اٹھ کر بیٹھ گئی،

"بخار، کچھ اور بڑھ گیا ہے!"

عالیہ خاتون نے سنجیدگی کے ساتھ کہا،

صفیہ، میں بہت افسوس کے ساتھ تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں!"

شائستہ کا دل دھڑکنے لگا،

"فرمائیے!"

عالیہ خاتون گویا ہوئیں!"

"افسوس اب تم یہاں نہ رہ سکو گی!"

شائستہ کہنا بھی چاہا کر پوچھے،

"کیوں؟ ـــ کیا خطا سرزد ہو گئی مجھ سے؟"

لیکن نہ پوچھ سکی، خاموش رہی، عالیہ خاتون نے کہا،

"ہمیں یہ نہ معلوم تھا کہ تم اتنی گھناؤنی زندگی بسر کر چکی ہو، حیرت ہے تم نے دارالنسواں میں آنے کی جرات کیسے کی؟"

بڑا سنگین الزام تھا اور شائستہ کے پاس اس کا مدلل اور مسکت جواب بھی تھا، لیکن وہ سمجھ گئی تھی بات کیا ہے؟ وہ جانتی تھی کہ اپنے داماد کی بات عالیہ خاتون کے تردید جھوٹی اور غلط ہو ہی نہیں سکتی اس لیے نہ اس نے الزامات کی صفائی مانگی، نہ صفائی دینے کی کوشش کی، کہا تو صرف اتنا

"بہت اچھا چلی جاؤں گی، جیسی آپ کی مرضی!"

عالیہ خاتون نے تنو تنو کے دو نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا،

"یہ تمہارا حساب ہے!"

شائستہ نے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کی طرف توجہ نہیں کی

"نہیں خالہ، مجھے یہ روپیہ نہیں چاہیئے، میری طرف سے سلمیٰ کو ——"

عالیہ خاتون کو غصہ آگیا،

"خدا اسے اور اس کے شوہر کو سلامت رکھے، وہ تم جیسی آوارہ منش لڑکیوں کا روپیہ کیوں قبول کرنے لگی!"

شائستہ نے سراپا حیرت بن کر ایک نظر عالیہ خاتون پر ڈالی پھر آہستہ سے کہا،

"یہ آپ کہہ رہی ہیں!"

عالیہ خاتون کے پاس جواب تیار تھا،

"میرا شکریہ ادا کرو کہ تم کہہ رہی ہوں، گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو اور زیادہ باتیں کر کے میرا وقت نہ ضائع کرو!"

شائستہ نے کچھ نہیں کہا،

عالیہ خاتون نے وہ نوٹ پھر اس کی طرف بڑھائے،

"میں بے مار نہیں ہوں، حساب صاف رکھنا چاہتی ہوں، یہ روپے لے لو اگر ضرورت نہ ہو تو کہیں خیرات کر دینا، کہیں راستہ میں آگ میں جلا دینا لیکن اپنی رقم سنبھالو اور یہاں سے سدھارو۔"

شائستہ نے بے بسی کے ساتھ پوچھا،

"ابھی چلی جاؤں؟"

عالیہ بیگم نے برہمی کے ساتھ کہا،

"ہاں بھئی، اسی وقت، ابھی فوراً —— اب تم ایک منٹ بھی اس گھر میں نہیں رہ سکتیں، ہا"

شائستہ اٹھ کھڑی ہوئی

"بہت اچھا، جاتی ہوں!"

شائستہ گرتی پڑتی اپنے کمرے سے باہر نکلی، کرمین بوا راستہ میں مل گئیں،

"کیا میرا ایک کام کرو گی؟"

وہ بڑی مستعدی اور آمادگی کے ساتھ بولیں،

"ایک نہیں ہزار، بتاؤ تو سہی!"

شائستہ نے بدقت تمام دیوار کا سہارا لے کر اپنے آپ کو سنبھالا، ورنہ شاید گر پڑتی،

میں یہاں سے جا رہی ہوں، ایک تانگہ لاؤ، میرا سامان اس پر رکھواؤ اور اسٹیشن تک مجھے پہنچا دو! میں تمہاری کچھ خدمت کر دوں گی!"

کرمین بوا حیران و ششدر شائستہ کا منہ دیکھ رہی تھیں، انہیں اپنے کانوں پر یقین نہ آیا،

"کیا کہہ رہی ہو بیٹا؟"

شائستہ نے کہا،

"باتوں میں وقت نہ ضائع کرو، جو کچھ پوچھ لینا بعد میں پوچھ لینا اب میرا یہاں ایک لمحہ بھی ٹھہرنا خطرناک ہے، اگر عالیہ خاتون نے مجھے یہاں دیکھ لیا تو کھڑے کھڑے نکال دیں گی!"

لیکن کرمین بوا یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکیں،

کی بیگم صاحبہ نے جواب دے دیا،
شائستہ نے کہا۔
"ہاں، انہوں نے مجھے حکم دیا ہے، میں فوراً یہاں سے چلی جاؤں۔"
"لیکن کیوں بیٹی؟"
مجھے پہنچا کر جب آنا تو انہی سے پوچھ لینا!"
کرمن بوا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے،
"تم نکال دی گئیں؟"
"ہاں بوا میں نکال دی گئی! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ابھی چلی جاؤں بوا، مجھے بخار ہے، کھڑا نہیں ہوا جاتا، چکر آ رہے ہیں، آنکھوں تلے اندھیرا چھایا ہوا ہے، جلدی کرو، ——— میں یہاں مرنا بھی نہیں چاہتی!"
کرمن بوا نے فرمایا،
"یہ لوگ اتنے ظالم ہیں، یہ تو میں نے بھی نہ سوچا تھا!"
شائستہ نے کرمن بوا کو تسلی دی،
"نہیں بوا یہ لوگ بُرے نہیں ہیں، میں بُری ہوں، میں ذلیل ہوں میں اس قابل نہیں کہ یہاں رہ سکوں، انہوں نے جو کچھ کیا ٹھیک کیا، اچھا کیا، ——— لیکن بوا دیر ہو رہی ہے، جلدی کرو، ایسا نہ ہو کہ عالیہ خاتون آ جائیں اور مجھے یہاں موجود پائیں!"
کرمن بوا آستین پونچھتی ہوئی باہر نکلیں، اتفاق سے ایک خالی تانگہ جا رہا تھا اسے بُلایا، جلدی جلدی شائستہ کا سامان رکھا، خود تانگہ والے کے پاس بیٹھ گئیں، شائستہ کو پیچھے بٹھایا، تانگہ والے نے پوچھا کہاں چلوں؟ شائستہ نے بتایا اسٹیشن!"
ذرا دیر میں اسٹیشن آ گیا، گاڑی ابھی ابھی آئی تھی، قلی سے شائستہ نے پوچھا
"یہ گاڑی کہاں جائے گی؟"

اس نے بتایا
"سعادت گنج!"
شائستہ نے سو روپے کا ایک نوٹ بوا کو دیتے ہوئے کہا،
"سعادت گنج کا ایک ٹکٹ لے آؤ انٹر کلاس کا۔"
قلی نے سامان اتارا، شائستہ نے اسے آٹھ آنے کے بجائے ایک روپیہ دے دیا، اتنے میں کرمن بوا ٹکٹ لے کر آ گئیں،
قلی نے کہا،
"صاحب جلدی چلئے، ایسا نہ ہو کہ گاڑی چھوٹ جائے!"
شائستہ قلی کے ساتھ ساتھ جلد جلد چلنے لگی پھر اس نے کرمن سے کہا
"اب تم جاؤ، میں بیٹھ جاؤں گی بوا!"
وہ ہانپتی ہوئی بولیں،
"واہ بیٹی، ایسی کون سی جلدی مجھے پڑی ہے کہ بھاگ جاؤں، چلو تمہیں اطمینان سے بٹھا دوں!"
ایک زنانہ انٹر کلاس میں قلی سامان لے کر گھس گیا، اتفاق سے ایک سیٹ بالکل خالی تھی، اس پر بستر کر دیا، اور نیچے اتر کر کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا، شائستہ نے اسے بھی ایک روپیہ دیا، اس نے ادب سے سر جھکا کر سلام کیا اور خوش خوش روپیہ لے کر چلا گیا!

شائستہ سے بیٹھا نہ گیا، وہ بستر پر لیٹ گئی، پھر اس نے کرمن بوا سے کہا
"ٹکٹ مجھے دے دو، باقی روپے تم لے لو، اب گاڑی چھوٹا چاہتی ہے اتر جاؤ جلدی سے!"
کرمن بوا نے کہا،
"بیٹی تم نے مجھے سو روپے کا نوٹ دیا تھا، ٹکٹ آیا ہے پندرہ روپے کا،

اتنے سارے روپے مجھے دیئے دے رہی ہو، —— ؟

شائستہ نے جواب دیا،

"خوشی سے دے رہی ہوں!"

اتنے میں گاڑی نے سیٹی دی، شائستہ نے کہا،

"بوا، اب گاڑی چلا چاہتی ہے، اترو، جلدی کرو، ورنہ ——

ابھی جملہ پورا نہ ہوا تھا کہ گاڑی رینگنے لگی، شائستہ نے گھور کر کہا،

"جلدی سے اتر جاؤ!"

کریمن بوا بڑے اطمینان سے اس کے پاؤں کے پاس آکر بیٹھ گئیں،

"اتر کیسے جاؤں؟ کیا تمہیں اکیلا جانے دوں؟ کیا تمہارے احسانات بھلا دوں؟ نہیں تنہا چھوڑ دوں؟ —— میں تمہارے ساتھ چلوں گی!"

شائستہ نے حیرت سے کریمن کو دیکھا اور کہا،

"تم میرے ساتھ چلوگی؟ پھر عالیہ خاتون تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گی۔؟"

"نہ چھوڑیں، وہاں اب جاتا بھی کون ہے؟"

"تو کیا میرے ساتھ ہی رہوگی؟"

"ہاں اب زندگی کے جو تھوڑے دن رہ گئے ہیں، وہ تمہارے ہی ساتھ بسر ہوں گے، جہاں تم وہاں میں!"

اس جواب کو بظاہر شائستہ نے پسند نہیں کیا، لیکن دل میں ایک طرح کا اطمینان بھی ہوا، وہ اب تنہا نہیں ہے، ایک بوڑھی کمزور اور نزار و نحیف عورت اس کے ساتھ ہے، نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے، یہ کمزور عورت بھی بہت بڑا سہارا ہے، جس کا اس دنیا میں کوئی نہ ہو، اس کے لئے اس بوڑھی عورت کی گود میں سکون ہی سکون ہے، وہ ممنون نگاہوں سے کریمن کو گھورنے لگی،

"اچھا جیسی تمہاری مرضی!"

شائستہ کی حالت لمحہ بہ لمحہ غیر ہوتی جا رہی تھی، کریمن اس کے پاس بیٹھی سر دباتی رہی، اور وہ بار بار بے چینی کے ساتھ کروٹیں بدلتی تھی، لیکن سکون میسر نہ تھا پاس کی ایک سیٹ پر ایک خوب صورت عورت بیٹھی تھی، بظاہر بے پروائی سے لیکن حقیقتاً بڑی توجہ سے وہ بار بار شائستہ کو دیکھتی تھی، اور نظر جھکا لیتی تھی ایک ننھی سی بچی گود میں تھی، دس بارہ سال کی ایک اور لڑکی ساتھ تھی، یہ غالباً ملازمہ تھی، تھوڑی دیر کے بعد شائستہ نے آنکھیں بند کر لیں، کریمن نے ایک مرتبہ پھر ماتھا دیکھا اور اس کے بعد آہستگی کے ساتھ اتر کر نیچے بیٹھ گئی، پاس بیٹھی ہوئی خاتون نے اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا،

"بڑی بی، نیچے کیوں بیٹھ گئیں؟ (جگہ بناتے ہوئے اپنی سیٹ پر) ادھر بیٹھ جاؤ!"

کریمن نے تکلف کیا،

"بیٹی، میرا کیا ہے، ٹھیک بیٹھی ہوں!"

خاتون کا اخلاق اصرار کی حد تک پہنچ گیا،

"تو کیا ہے آ جاؤ نا!"

کریمن آکر خاتون کے پاس بیٹھ گئی، اس نے کہا،

"تمہاری بی بی سو گئی؟"

کریمن نے فکرمند لہجے میں کہا،

"میرے خیال میں تو غوطہ آگیا ہے، سوئے گی کیا بخار میں تلملا رہی ہے!"

خاتون نے بھی اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے شائستہ کے ماتھے پر دو انگلیاں رکھیں، پھر جلدی سے ہٹا لیں، اور کہا،

"بخار تو بہت تیز ہے،!"

پھر پوچھا،

"کہاں جا رہی ہیں یہ ؟"

کریمن بوا نے جواب دینے میں ذرا تامل کیا پھر کہا،

"سعادت گنج کا ٹکٹ لیا ہے،!"

"خاتون خوش ہو گئی،!"

"وہیں تو میں بھی جا رہی ہوں، ـــــ سعادت گنج میں کہاں، کس محلہ میں قیام ہوگا ؟"

کریمن بوا اس سوال پر سٹ پٹا گئیں، جب وہ سٹ پٹاتی تھیں تو صاف کوئی بڑاتی تھیں،

"اتر جائے کسی سرائے میں یا ہوٹل میں،!"

خاتون کو بڑا تعجب ہوا، اس جواب پر،

"سرائے میں یا ہوٹل میں ؟ ـــــ یہ کیوں بھلا ؟ ـــــ"

کریمن بوا نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور فرمایا،

دنیا میں جس کا کوئی نہ ہو وہ سرائے یا ہوٹل کے سوا اور کہاں ٹھہر سکتا ہے

اب تو خاتون کو اور زیادہ دلچسپی ہوئی،

"یہ کیا کہہ رہی ہو بڑی بی ؟ جب کوئی ہے نہیں تو وہاں جا کیوں رہی ہو ؟"

شائستہ کی نا وقت علالت نے پہلے ہی سے رقتِ قلب اور سوز و گداز کی کیفیت پیدا کر دی تھیں، اس سوال پر ابل پڑیں،

"قسمت لیے جا رہی ہے، اور کیوں جا رہے ہیں ؟" کوئی شوق ہے سیر سپاٹے کا ـــــ یہ بخار، یہ کمزوری، بھلا یہ وقت سفر کرنے کا تھا، لیکن جانا پڑ رہا ہے !"

اور یہ کہتے کہتے کریمن کی آنکھوں میں آنسو چھلملانے لگے، اس نے دوپٹہ سے اپنے آنسو پونچھے، اور بٹوا کھول کر تمباکو کی ایک چٹکی منہ میں رکھ لی، خاتون کو اب ہمدردی پیدا ہو گئی تھی، کریمن اور شائستہ سے اس نے پوچھا،

"لیکن ایسی کیا مصیبت ہو گئی تھی یوں گھر سے باہر نکلنے کی ؟"

کریمن نے طنز کیا،

"گھر سے باہر نکلنے کی ؟" وہ گھر تھا ؟"

خاتون نے پوچھا،

"پھر کیا تھا ؟"

کریمن بوا نے جل کر کہا،

"قصائی خانہ،!"

اور پھر انہوں نے مختصر الفاظ میں شائستہ کے جلا وطن ہونے کی سرگذشت سنا دی،

اب تو خاتون کی دلچسپی حد بیان سے زیادہ بڑھ گئی،

"تو یہ منصور پور کی رہنے والی نہیں ہیں ؟"

کریمن بوا نے جواب دینے کے بجائے انکار میں سر ہلا یا، خاتون نے پوچھا،

کریمن بوا نے سوال جواب کا سلسلہ مختصر کرنے کے لئے کہا،

"یہ تو میں نہیں جانتی، لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے، اس لڑکی کا دنیا میں کوئی نہیں ہے، یونہی ایک جگہ سے دوسری جگہ بسیرا لیتی پھرتی ہے، سچ کہتی ہوں بی بی، ایسی نیک، شریف، ایماندار، نمازی، بھولی بھالی اور شریف طبیعت کی عورت میری نظر سے آج تک نہیں گذری، یہ بال دھوپ میں سفید نہیں کئے ہیں، اڑتی چڑیا پہچان لیتی ہوں، صفیہ بیگم ؟ ـــــ بس یوں کہو، اپنا جواب آپ ہے، اس کی مصیبت دیکھ کر دل کڑھ رہا ہے، غضب خدا کا اس بیچاری میں، کمبختوں نے بے خطا بے قصور اسے نکال دیا، میں اور تو کوئی مدد کر نہیں سکتی تھی، ایسی نوکری پر لات ماری اور چلی آئی ساتھ، اور اب

خدا نے چاہا تو مر کر ہی اس کے پاس آ جاؤں گی، دوسری جگہ کے گوشت روٹی کے مقابلہ میں اس کے ساتھ رہ کر فاقہ کرنا مجھے منظور ہے!"

ان باتوں نے خاتون کے دل میں کریمن کی عزت پیدا کر دی، اس نے تحسین آمیز نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا،

"بڑا اچھا!"

رات بھر سفر جاری رہا، شائستہ ویسے ہی غفلت میں پڑی رہی، وہ خاتون بھی سو گئی، بچی کبھی جاگ پڑتی کبھی رونے لگتی کبھی سو جاتی، وہ خادمہ لڑکی اور کریمن بوا پاس پاس فرش پر لیٹ گئیں، صبح سب سے پہلے کریمن کی، پھر اس خاتون کی آنکھ کھلی، پھر شائستہ کی، اور ملازمہ لڑکی کی، خاتون جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر پھر اپنی جگہ آ کر بیٹھ گئی، اس کے بعد شائستہ منہ دھونے چلی گئی، وہ ابھی منہ دھو کر واپس نہ آئی تھی کہ ایک اسٹیشن آیا، خاتون نے ناشتہ کا آرڈر دیا شائستہ جب منہ دھو کر آئی تو خاتون نے گفتگو میں پہل کی،

اب کیسی ہے آپ کی طبیعت؟"

شائستہ نے آہستہ سے کہا،

"پہلے سے اچھی ہے!" لیکن کمزور بہت ہو گئی ہوں!"

اتنے میں ناشتہ آ گیا، خاتون نے ایک پیالی میں اوولٹین ڈال کر دودھ ملایا اور شائستہ کی طرف بڑھا دیا۔

اوولٹین ہے، کمزوری رفع ہو جائے گی، پی لیجیے۔

"شائستہ نے حیرت اور تامل کے ساتھ خاتون کی طرف دیکھا شاید انکار کرنا چاہتی تھی، لیکن کر نہ سکی، پیالی لے کر گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگی، خاتون نے پوچھا

"بہن آپ کا نام کیا ہے؟"

شائستہ نے کہا،

"مجھے صفیہ کہتے ہیں کیا آپ کا نام معلوم کر سکتی ہوں!"

خاتون مسکرانے لگی،

"میرا نام ناہید ہے! ـــ آپ سعادت گنج جا رہی ہیں؟"

شائستہ نے قدرے تامل کے ساتھ جواب دیا،

"جی ہاں فی الحال تو وہیں جا رہی ہوں!"

ناہید نے دریافت کیا،

وہاں کہاں قیام ہوگا؟"

شائستہ نے بے پروائی کے ساتھ کہا،

"کہیں نہ کہیں ٹھہر ہی جاؤں گی!"

ناہید نے التجا، اصرار اور خوشامد کے ساتھ کہا،

"آپ میرے ساتھ ٹھہریں گی!"

شائستہ کو اور زیادہ حیرت ہوئی،

اس کی کیا ضرورت ہے؟"

ناہید بولی،

ہوٹل جیسا آرام تو میرے غریب خانہ پر نہیں مل سکیگا، لیکن جانے کیوں آپ کی طرف دل کھنچتا ہے، میرا کہا مان لیجیے، میں مشکور ہوں گی! ـــ کریمن سے آپ کے جو حالات معلوم ہوئے ہیں، ان کے بعد تو اور زیادہ آپ کی طرف طبیعت کھنچ رہی ہے، اگر میرے غریب خانہ پر جی نہ لگے تو بے شک جہاں چاہے چلی جایئے گا! پھر میں نہیں روکوں گی!"

شائستہ نے خاموشی اختیار کر لی، گویا وہ رضا مند ہو گئی۔

ناہید ایک شریف عورت تھی، مرزاپور نامی گاؤں پورا کا پورا اس کے شوہر اختر حسین کی ملکیت تھا، اس کے علاوہ بہت سے باغات تھے، ماہانہ آمدنی کسی طرح تین ہزار ماہوار سے کم نہیں تھی، اختر حسین خاصے پڑھے لکھے آدمی تھے، ولایت سے بیرسٹری کی ڈگری بھی لے آئے تھے، باپ کے انتقال کے بعد اب وہی سارے گھر اور جائداد و املاک کے وارث تھے۔ لہٰذا اثاثہ بھی بہت کافی آیا تھا، ناہید ان کی ماموں زاد بہن تھی، اور اس سے انہیں عشق تھا، جس نے شادی کی صورت اختیار کرلی، دونوں میاں بیوی بڑی محبت سے زندگی کے دن بسر کر رہے تھے، اختر حسین کو دیہات کی زندگی کچھ اتنی مرغوب تھی کہ مستقل بود و باش مرزاپور ہی میں رکھتے تھے یوں کبھی طبیعت گھبراتی تو شہر چلے گئے، وہاں بھی ان کی ایک کوٹھی موجود تھی گرمیوں میں ناہید کو ساتھ لے کر پہاڑ چلے جاتے تھے اور وہاں سکون و نشاط کی زندگی بسر کرتے تھے، ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوتی تھی۔ لیکن دونوں میں سے کسی کو بھی اس کا غم نہ تھا، اور ابھی شادی کو دن ہی کون سے ایسے زائد ہوئے تھے ـــ دوسرا سال تھا،

اسٹیشن پر، استقبال کے لیے اختر حسین موجود تھے، وہ بڑے تپاک اور گرم جوشی سے اپنی محبوب بیوی سے ملے، ناہید نے شائستہ کا تعارف کرایا، انہوں نے بڑی خندہ جبینی سے شائستہ کو خوش آمدید کہا،

اور سب کے ساتھ باہر آئے، یہاں ایک شاندار موٹر انتظار میں کھڑی تھی، سب لوگ اس پر بیٹھ گئے۔ مرزاپور کا فاصلہ تقریباً بیس میل تھا، کوئی پون گھنٹے میں یہ لوگ وہاں پہنچ گئے

ناہید نے واقعی شائستہ کے ساتھ بہن کا سا برتاؤ کیا، اس کے لیے ایک آراستہ کمرہ الگ کر دیا گیا، جہاں ضرورت کی سب چیزیں موجود تھیں، کھانا ناشتہ، ناہید کے ساتھ ہوتا، ایک ملازمہ خدمت کے لیے ہر وقت حاضر رہتی، کریمن بوا نہایت آرام سے زندگی بسر کرتیں، نہ کوئی کام نہ کوئی ذمہ داری بس پلنگڑی پر بیٹھی خدا سے فریاد کر رہی ہیں،

مری بار کیوں دیر اتنی کری؟

دو مہینے گذر گئے،!

یہ مدت اس طرح گذری کہ پتہ بھی نہیں چلا، شائستہ بالکل ایک فرد خاندان کی حیثیت سے رہ رہی تھی، نہ کسی قسم کی تکلیف، کسی طرح کی پریشانی اسی اثنا میں عید کا تہوار آیا، اس موقع پر ناہید نے کئی بڑے اچھے اور قیمتی جوڑے شائستہ کے لیے بنوائے، کریمن کو بھی کافی نوازا، شائستہ انکار ہی کرتی رہ گئی، مگر ناہید نے ایک نہ سنی، جو چاہا کیا اور وہ بے بسی کے ساتھ سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئی!

ایک روز سہ پہر کی چائے ناہید اور شائستہ ساتھ بیٹھی پی رہی تھیں کہ شائستہ نے کچھ تامل کے ساتھ کہا،

"ایک بات کہنا چاہتی ہوں آپ سے،!"

ناہید نے بسکٹ کا ایک ٹکڑا منہ میں رکھتے ہوئے زیرلب تبسم کے ساتھ کہا،

"صرف ایک بات؟ ـــ اتنے دنوں کے بعد تو بولی ہو، بہت سی

باتیں کہو۔!"

شائستہ نے سنجیدگی کے ساتھ پوچھا،

"لیکن آپ خفا تو نہ ہو جائیں گی؟"

ناہید نے بات کا گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا،

"تم سے خفا ہو جاؤں گی؟ — کیا یہ ممکن ہے؟"

شائستہ یہ محبت بھرے الفاظ سُن کر پس و پیش میں پڑ گئی، دل کی بات زبان پر لائے یا نہ لائے اسے خاموش دیکھ کر ناہید نے کہا،

"چپ کیوں ہو گئیں؟ کہو کیا بات ہے؟"

شائستہ بولی،

"اب میں جانا چاہتی ہوں؟"

ناہید:۔ کہاں جانا چاہتی ہو؟

شائستہ:۔ جہاں قسمت لے جائے!

ناہید: کیا یہاں تکلیف ہے کچھ؟

شائستہ: آپ کے ہاں تو مجھے وہ آرام ملا جو اپنے گھر میں بھی میسّر نہیں آسکتا تھا۔

ناہید: پھر یہ کیا سوجھی؟ — شاید میری کوئی بات ناگوار گذری؟ اگر یہ بات ہے تو بغیر معلوم کیے میں معافی چاہ لیتی ہوں۔!

شائستہ: (با چشمِ پُر نم) خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کیجئے، آپ کا احسان زندگی بھر فراموش نہیں کر سکوں گی، مجھے اتنا ذلیل اور ہیچ نہ سمجھئے کہ میں آپ کی کسی بات سے ناگواری محسوس کر سکتی ہوں؟

ناہید: آخر کوئی وجہ تو ہو گی اس ارادہ کی ہے — کیوں جانا چاہتی ہو؟

شائستہ: یہاں بے کار پڑے پڑے کیا کروں؟

ناہید: تو یوں کیوں نہیں کہتیں، بے کاری سے جی گھبراتا ہے کچھ مشغلہ چاہئے

اور بے کاری سے جی گھبراتا بھی ہو گا، میں تو زیادہ تر ان کے (اختر حسین) پاس وقت گذارتی ہوں، (مسکراتے ہوئے) تم اکیلی پڑی پڑی چھت کی دھنیاں گنا کرتی ہو گی،

شائستہ: (مسکراتے ہوئے) جی اور کیا

ناہید: تو تمہارے لیے کوئی چھوٹا مشغلہ پیدا کر دیں؟

شائستہ: (متحیر ہو کر) آپ میرے لیے کیا مشغلہ پیدا کر سکتی ہیں؟

ناہید: جو چاہو،

شائستہ: مثلاً — ؟

ناہید: یہاں سے کوئی دس میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے سیتا پور، وہاں ہماری کوٹھی بھی ہے، صاحب (اختر حسین) بھی وہاں جاتے رہتے ہیں اور میں بھی،

کوٹھی کے ایک حصّہ میں تمہارے لیے ایک سکول کھولے دیتے ہیں، وہاں لڑکیوں کو تعلیم دو، جاہل، مظلوم، اور ستم رسیدہ عورتوں کو کام سکھاؤ، آمدنی بھی خاصی ہو گی، مشغلہ بھی ہاتھ آجائے گا۔ اور خدمت کی خدمت اور خدا کے ہاں سے اس کا اجر الگ۔

شائستہ: (خوش ہو کر) تجویز تو بڑی معقول ہے، لیکن

ناہید:۔ لیکن کیا؟

شائستہ: اسکول قائم کرنے کے لیے شروع میں مصارف بھی تو کافی ہوں گے

ناہید:۔ مثلاً کیا ہوں گے؟

شائستہ: فرنیچر، کم سے کم تین مہینے کے لیے استانیوں اور دوسرے ملازموں کی تنخواہ کا خرچ، پھر پبلسٹی کا خرچ الگ،

ناہید: بس پانچ ہزار؟ اس کے لیے اتنی فکر مند ہو رہی ہو — ؟

شائستہ: تو کیا یہ تھوڑی رقم ہے کچھ؟

ناہید : پہلے چائے پی لینے دو، پھر سوچیں گے، (چائے کی پیالی بڑھاتے ہوئے) لو پیلو، !

چائے کا شغل کوئی پندرہ منٹ تک جاری رہا، پھر ناہید کایک اٹھ کھڑی ہوئی،

"ابھی آئی!"

شائستہ اپنی جگہ چپ چاپ بیٹھی، اپنے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں سوچنے لگی، ذرا دیر کے بعد ناہید واپس آئی اور سامنے کرسی پر بیٹھ گئی

"کیا سوچا جا رہا ہے؟"

شائستہ مسکرادی،

"کچھ نہیں!"

ناہید نے پرس کھولی اور نوٹوں کے بچاس نوٹ اس کے سامنے ڈھیر کر دیئے

"لیجئے جناب یہ ہیں پانچ ہزار روپے — اللہ کا نام لے کر شروع کر دیجئے!"

رقم دیکھ کر شائستہ سخت پریشان ہوئی، اس نے بڑے اضطراب کے ساتھ کہا،

"یہ کیا کیا آپ نے؟"

ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا،

"کوئی جرم نہیں کیا ہے؟"

شائستہ بولی،

"لیکن یہ اتنے سارے روپے آپ کیوں خطرہ میں ڈال رہی ہیں؟"

ناہید نے کہا،

"صرف تمہارے لیے، تمہیں خوش رکھنے کے لیے!"

شائستہ بولی،

"لیکن اتنا بڑا ظلم میں تو نہیں کر سکتی آپ پر!"

ناہید نے کہا،

اس عنایت کا شکریہ، — یہ روپے تمہیں لینا پڑیں گے!"

شائستہ نے فیصلہ کن لہجہ میں نوٹوں کو پرے ہٹاتے ہوئے کہا،

"نہیں یہ نہیں ہو سکتا!"

ناہید نے سمجھایا،

"اچھا، ایسا کرو، یہ روپیہ قرض حسنہ کے طور پر لے لو، اس کو اپنی آمدنی سے اگر ادا کر سکنا تو کر دینا، میں لے لوں گی،!"

لیکن شائستہ اب بھی متامل تھی،

"یہ تو ٹھیک ہے، لیکن اگر ادا نہ ہو سکے تو پھر؟"

ناہید نے جواب دیا،

تو اطمینان رکھو، نہ تم پر قرقی آئے گی، نہ ڈگری ہو گی، نہ مقدمہ چلے گا۔ — آخر تم روپے کو اتنا اہم کیوں سمجھتی ہو، کیا روپیہ ہی سب کچھ ہے؟ — آدمیت کچھ نہیں؟ انسانیت کچھ نہیں، خدمت کچھ نہیں؟ نہیں شائستہ یہ چیزیں سب کچھ ہیں، روپیہ کچھ نہیں، وہ تو ہاتھ کا میل ہے، وہ تو ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے، آئی اور گئی، آدمی دنیا سے گذرتا ہے تو اس کے ساتھ روپیہ نہیں جاتا، ہاں اس کے اعمالِ خیر ضرور ساتھ جاتے ہیں، مجھے ایک نیک کام کرنے کا موقعہ ملا ہے اور تم اس سے روک رہی ہو، تمہیں تو میری حوصلہ افزائی کرنی چاہیئے تھی، مجھے اکسانا چاہیئے تھا، میرا دل بڑھانا چاہیئے تھا!"

شائستہ نے جواب میں کچھ کہنا چاہا، لیکن ناہید نے اسے روک دیا،

"بس بہت باتیں ہو چکیں، اب میں کچھ نہیں سننا چاہتی، تم کل ہی سیتاپور روانہ ہو جاؤ، میں نے ہدایت دے دی ہے، وہاں کا عملہ تمہارے ہر حکم کی تعمیل کرے گا!"

شائستہ نے پوچھا،

"تو اسکول کوٹھی ہی میں قائم کرنا پڑے گا؟"

ناہید نے جواب دیا،

"ہاں اور کیا، کوئی دوسری جگہ لوگی، تو اس کا معقول کرایہ ادا کرنا پڑے گا، پھر نہ جانے وہ جگہ کہاں ہے؟ ہماری کوٹھی قلب شہر میں ہے، ہر طرف سے لڑکیاں اور عورتیں وہاں آسانی سے آسکتی ہیں،!"

شائستہ نے ایک اور اعتراض کیا،

"لیکن آپ اور اختر بھائی جب بھی وہاں جائیں گے تو تکلیف ہوگی،

ناہید کی تیوریاں چڑھ گئیں، اس نے کہا،

"کیوں تکلیف ہوگی؟"

شائستہ نے کہا،

شور قیامت سے کتنا غل غپاڑہ ہوتا ہے اسکول میں، شاید آپکو معلوم نہیں

ناہید کے خوب صورت ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔

"جی خوب جانتی ہوں، کئی سال اسکول میں ایک نالائق، کند ذہن اور غبی لڑکی کی حیثیت سے گذار چکی ہوں،!"

شائستہ ہنسنے لگی،

"واہ، خواہ مخواہ،!"

ناہید نے کہا،

"ہاں سچ،! ہمارے آرام میں کوئی مخل نہیں پڑے گا، کوٹھی کا کمپاؤنڈ بڑا وسیع ہے، آخر میں ایک اینکسی بنی ہے جس میں چار کمرے، دو برآمدے غسل خانہ ریسٹرن، سب کچھ ہے، کمرے خاصے ہوادار اور کشادہ ہیں کوٹھی کی آواز اینکسی تک اور اینکسی کی آواز کوٹھی تک نہیں پہنچ سکتی، میں نے وہاں کے کارکن کو یہ ہدایت کر دی ہے۔ کہ اینکسی خالی کر دی جائے۔ چھت

پر جو کمرہ ہے اس میں تم اور کریمن رہائش رکھنا، نیچے کے چار کمرے اسکول کے لیے بہت کافی ہیں پھر خدا جب اسکول کو پروان چڑھائے گا تو ہم اینکسی میں آجائیں گے، کوٹھی تمہارے حوالے کر دیں گے، بس اب زیادہ سوچو نہیں کام کرو کام،—!

شائستہ نے، سیتا پور میں اختر حسین کی کوٹھی کے ملحقہ حصہ میں، تربیت گاہ نسواں قائم کر دی، خلوص اور صداقت کا جذبہ رائیگاں نہیں جاتا، یہ تربیت گاہ ترقی کے منازل بڑی تیزی سے طے کرنے لگی، بہت جلد نوبت یہاں تک پہنچی کہ داخلہ کی جگہ نہ رہی اور بہت سی درخواستوں کو مسترد کر دیا، پھر خوش قسمتی سے اسٹاف بھی اچھا میسر آگیا، اور تربیت گاہ کا نام خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ چلنے لگا، کبھی کبھی ناہید بھی آجاتی، اور اپنی کوٹھی میں کئی کئی دن رہتی اور تربیت گاہ کی ہر دل عزیزی اور ترقی دیکھ کر خوش ہوتی اور شائستہ کو مبارک باد دیتی، کبھی فرصت کا ایک آدھ وقت نکال کر شائستہ بھی مرزا پور چلی جاتی، اور وہاں کی خالص گھریلو فضا میں کچھ وقت صرف کر کے واپس آجاتی،

تربیت گاہ میں جو عورتیں اور لڑکیاں داخل ہوئی تھیں، وہ بھی شائستہ کے برتاؤ اور سبھاؤ سے اسی درجہ متاثر ہوئیں کہ اس کی پرستار بن گئیں ذرا اس کی طبیعت خراب ہوتی یا وہ سست نظر آتی تو یہ پریشان ہو جاتیں، اور جب تک "باجی" کی طبیعت بالکل روبہ اصلاح نہ ہو جاتی، اسی طرح پریشان و منتظر رہتیں، گویا واقعی ان کی سگی بہن کی طبیعت ناساز اور ناد رست ہے۔

تربیت گاہ میں یوں تو جتنی معلمائیں تھیں، سب ہی فرض شناس، کارگزار مستعد اور محنتی تھیں، لیکن فریدہ اپنے عادات و خصائل کے اعتبار سے یکتا اور ممتاز تھی، اس کی تعلیم تو کچھ زیادہ نہیں تھی، صرف ایف۔ اے پاس تھی لیکن فن تعلیم سے اسے غیر معمولی دلچسپی تھی، جس خوبی سے وہ تعلیم دیتی تھی۔

بی۔ اے، بی۔ ٹی، اور ایم۔ اے این ٹی خواتین بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھیں اور امور خانہ داری میں تو وہ ماہر تھی، عورتیں ہوں یا لڑکیاں سب کو ایسی گُن کی باتیں سکھاتی تھی کہ وہ بہت جلد مِل نکلتی تھیں، تربیت گاہ میں سب سے کم عمر معلمہ فریدہ تھی، لیکن ہر دل عزیزی اور مقبولیت کے اعتبار سے بس شائستہ کے بعد اسی کا نمبر تھا، اس کی وفاداری، اہلیت، اور مستعدی سے شائستہ بھی بہت متاثر تھی، اس کا برتاؤ وہی تھا جو ایک بڑی بہن کا چھوٹی کے ساتھ ہونا چاہیئے!

منشی ثابت علی صاحب مختار عام اپنی کوٹھری میں فرش پر تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں، بینک کی ایک کہانی ٹوٹی ہوئی ہے جس کا قائم مقام ایک موٹا سا دھاگا ہے، شیشے اتنے میلے ہو چکے ہیں کہ خواہ مخواہ ان میں سے ہر چیز دھندلی نظر آتی ہے اور مجبوراً بار بار عینک کو ناک سے پیشانی پر لے جا کر دیکھنا پڑتا ہے، ایک بڑا سا رجسٹر سامنے کھلا رکھا ہے، نہایت ہی انہماک اور استغراق کے عالم میں اس کے اندراجات دیکھ رہے ہیں، تکیہ اور فرش کے نیچے سے کھٹمل نکل نکل کر رینگتے ہوئے منشی صاحب کے دوش ناتواں کا سہارا لیتے ہوئے گردن اور بدن کے دوسرے حصوں پر مشقِ ستم کر رہے ہیں، رجسٹر پر نظر جمائے جمائے منشی صاحب زور سے ہاتھ مار کر اس مصیبت سے نجات پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ذرا دیر کے لیے دبک جاتے ہیں، اس کے بعد پھر بے تکانی کا سلسلہ شروع کر دیتے ہیں، منشی صاحب نے اپنا شغل جاری رکھتے ہوئے جیب سے بیڑی نکال کر سلگائی، اور ایک زوردار کش لگایا، اتنے میں ایک کھٹمل نے زور سے گردن میں کاٹ لیا، اتنے زور سے کاٹا کہ بلبلا گئے، یہ یاد نہ رہا کہ ہاتھ میں جلتی ہوئی بیڑی ہے، جوش انتقام نے بدحواس کر دیا اور اسی بیڑی والے ہاتھ سے کچل دیا، جلتی ہوئی بیڑی گردن میں لگی، کھڑبڑا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اتنی زوردار گالی کھٹمل کو دی ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس مرتبہ اتنی زور سے کاٹتا کہ منشی جی زندگی بھر یاد

دیکھتے، اسی حالت میں سکینہ آگئی، منشی جی پھر اپنی جگہ بیٹھ گئے، چونکہ مزاج اس وقت بگڑا ہوا تھا، لہٰذا خلافِ معمول اسے دیکھ کر باچھیں نہیں کھلیں۔ بلکہ تیوریاں چڑھ گئیں،

"کیوں آگئیں تم؟"

سکینہ نے بغیر کسی جھجک کے صاف صاف کہہ دیا

"تمہارے منہ میں لوکا لگانے ــــ ہاں نہیں تو!"

سکینہ کے ہاتھوں ذلتیں سہنے کے وہ عادی ہو گئے تھے، لیکن منہ میں لوکا لگوانے کے لیے قطعاً تیار نہ تھے، بگڑ کر فرمایا، "کیا کہا"۔

سکینہ ذرا بھی مرعوب نہ ہوئی

"کیا سنا نہیں؟ ــــ اس سٹھیا نا سی بڑھاپے نے بہرا بھی بنا دیا خیر سے بڑھایا! ــــ اتنی بڑی گالی قطعی ناقابلِ برداشت تھی،

"میں بوڑھا ہوں؟"

سکینہ نے قیامت خیز نظروں سے منشی جی کے سراپا کو دیکھا اور بولی

"اے ہے، بوڑھے ہوں تمہارے دشمن، تم تو گبرو جوان ہو، گلفام، تاج الملوک ــــ اپنی عزت اپنے ہاتھ، میرے منہ نہ لگنا کہے دیتی ہوں!"

ان تابڑ توڑ حملوں سے بیچارے پریشان ہو گئے، آخر مصالحت کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا،

غصہ تو تمہاری ناک پر رکھا رہتا ہے!

سکینہ نے تیکھے لہجہ میں کہا،

"خدا سلامت رکھے تم ہی تو رہ گئے ہو، جسے میں اپنا غصہ دکھاؤں گی ــ میں کہتی ہوں ہوش میں ہو یا نہیں؟"

منشی جی نے ایک آہ بھری اور فرمایا،

ہوش میں ہوتا تو یہ باتیں سن لیتا، ایک زمانہ تھا کہ میں ناک پر مکھی نہیں

بیٹھنے دیتا تھا، بڑے بڑے غنڈے میرے نام سے کانپتے تھے، سارے شہر میں میرا ڈنکا بجتا تھا،

سکینہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا،

"اچھا، یہ بکواس بند کرو! معلوم ہے جو کچھ ہو، ــــ صاحب نے پوچھا ہے وہ تصویر ٹھیک کرا لائے ہیں!"

منشی جی نے ایک قہقہہ لگایا،

"تصویر ــــ!"

اور پھر ہنسنے لگے،

سکینہ نے پوچھا،

کچھ دماغ چل گیا ہے، خالی خولی ہنسے جا رہے ہو؟"

منشی جی نے بیڑی کا کش لگاتے ہوئے کہا،

"جانتے ہو صاحب نے کس کی تصویر ٹھیک کرائی ہے؟"

وہ بولی

"میں کیا جانوں؟"

منشی جی: نہ جانے اس چڑیل سے کب پیچھا چھوٹے گا؟

سکینہ: کون چڑیل؟ ــــ میں چڑیل ہوں؟ ذرا اپنی صورت تو دیکھو آئینہ میں، موا بندر؟

منشی جی: ٹھیک کہتی ہو سکینہ بیگم، صرف بندر کیوں، کتا سور گدھا بھی تو میں ہوں لیکن خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں میں نے تمہیں چڑیل نہیں کہا تھا، میں تمہیں کہہ سکتا ہوں؟ بھولے سے بھی اگر یہ لفظ تمہارے لیے زبان سے نکل جائے تو زبان کاٹ کر پھینک دوں۔

سکینہ: پھر کسے کہہ رہے تھے؟

منشی جی: وہی ناشدنی کی بچی اور کون؟

سکینہ: (ذرا قریب آکر) سچ ؟
منشی جی: ہاں بھئی بالکل سچ، نہ جانے تمہارے صاحب کب تک عشق فرماتے رہیں گے اس عورت سے !"
سکینہ: (ہمدردانہ انداز میں) محبت بڑی بُری چیز ہے منشی جی!
منشی جی: لیکن بھائی تالی دونوں ہاتھ سے بجتی ہے۔ یہ محبت ہے کہ تمہارے صاحب نوجوان بجا رہے ہیں اس کے فراق میں اور وہ اپنے کسی یار کے پہلو میں بیٹھی مزے کر رہی ہے۔
سکینہ: تمہیں کیا معلوم ؟ کیوں مفت خدا میں تہمت لگاتے ہو کسی پر ؟
منشی جی: بھئی سکینہ میں تمہارا بڑا خیال کرتا ہوں لیکن ہر بات میں اختلاف نہ کیا کرو!
سکینہ: میں کیا جانوں ہوگا، سچ ہی کہہ رہے ہوگے۔
منشی جی: غلط کیوں کہنے لگے ہم ہے — اماں یار ایک بات تو بتاؤ
سکینہ: پوچھو،
منشی جی: پوچھ لیں گے، کھڑی کیوں ہو نیزہ کی طرح، آؤ ادھر تخت پر بیٹھ جاؤ پھر اطمینان سے باتیں ہوں!
سکینہ: بس ٹھیک ہے، مجھے کھڑا رہنے دو۔
منشی جی: بیٹھ جاؤ گی تو کیا ہو جائے گا ؟
سکینہ: نہیں میں کھڑی ہی ٹھیک ہوں،
منشی جی: آج کل صاحب میں اور رخسانہ بیگم میں کیسی گذر رہی ہے ؟
سکینہ: اچھی گذر رہی ہے
منشی جی: تمہیں میرے سر کی قسم !
سکینہ: ہاں سچ،
منشی جی: رخسانہ بیگم بھی عجیب چیز ہیں یا تو شوہر کے دامن سے لپٹی بیٹھی ہیں

اور وہ تھوکتا تک نہیں، سیدھے مُنہ بات بھی نہیں کرتا، اپنی پرانی دھرانی معتوبہ معشوقہ کی پرانی دھرانی تصویریں ٹھیک کرا کرا کے فریم میں لگوا رہا ہے اور یا وہ حال تھا کہ طلاق لینے پر تلی ہوئی تھیں،
سکینہ: (بگڑ کر) اے موئے خدائی خوار کیوں طوفان اٹھا رہا ہے بیگم صاحب پر، اگر کہیں کسی کے کان میں بھنک پڑ گئی تو ایک بال بھی سلامت نہ رہے گا، نہ سر کا، نہ ڈاڑھی کا!
منشی جی: (سہم کر) بھنک کیسے پڑے گی، کیا تم چغلی کھاؤ گی ہماری؟
سکینہ: اب تو خیر چھوڑے دیتی ہوں، لیکن آئندہ بیگم صاحب کے بارے میں ایسی ویسی باتیں کیں تو واقعی ایک ایک بات کہہ دوں گی جاکر — ہم نمک حرام نہیں ہیں، جس کا نمک کھاتے ہیں اس کی بُرائی کیسے سن لیں،
منشی جی: بھئی عجیب چیز ہو بخدا تم بھی، پھر ہتھے سے اُکھڑ گئیں،
سکینہ: پھر کیوں ایسی باتیں کرتے ہو ؟
منشی جی: اچھا بھئی کان پکڑے، معاف کر دو،
سکینہ: صاحب انتظار کر رہے ہوں گے۔ ان سے تصویر کو کیا کہوں جاکر؟
منشی جی: (جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر) سکینہ کی طرف بڑھاتے ہوئے یہ لو،
سکینہ: یہ کیوں ؟
منشی جی: لے تو لو!
سکینہ: کیوں لے لوں ؟ بڑے آئے روپیہ بانٹنے والے !
منشی جی: خدا جانتا ہے، کسی بُری نیت سے نہیں دے رہا ہوں، لے لو !
سکینہ: (نوٹ لیتے ہوئے)۔ اچھا لے لیا، پھر ؟
منشی جی: اب ایک وعدہ کرو۔

سکینہ: جھاڑو پھیروں تیرے منہ پر، مجھ سے وعدہ لے گا موا بوڑھا کھوسٹ!

منشی جی: سکینہ بیگم تم خواہ مخواہ خفا ہو جاتی ہو، وعدہ کے لفظ پر بدک گئیں، حالانکہ یہ دوسری قسم کا وعدہ ہے!

سکینہ: کیا وعدہ کروں؟

منشی جی: اب آئیں راہ پر۔ —— وعدہ یہ کرو کہ ہم جو کہیں گے وہ کرو گی

سکینہ: بتاؤ کیا چاہتے ہو تم؟

منشی جی: واپس جاؤ، اور صاحب سے کہہ دو شائستہ بیگم کی تصویر فوٹو گرافر کے ہاں گم گئی

سکینہ: اچھا کہہ دوں گی، لیکن دس روپے کیوں دے رہے ہو؟

منشی جی: (ہنستے ہوئے) خدا کی قسم بڑی بھولی ہو، بھائی مطلب یہ ہے کہ یہ بات رخسانہ بیگم کے سامنے کہنا، —— رخسانہ بیگم کے روبرو۔

سکینہ: اچھا انہی کے سامنے کہہ دوں گی، لیکن اس میں تمہاری حکمت کیا ہے؟

منشی جی: جی چاہتا ہے قربان ہو جاؤں تمہارے اس بھولے پن پر، ساری حکمت تو اسی میں ہے۔

سکینہ: میں سمجھ گئی تاکہ صاحب میں اور بیگم صاحب میں لڑائی ہو۔

منشی جی: خدا کا شکر ہے سمجھ گئیں،

سکینہ دس روپے کا نوٹ منشی جی کی طرف پھینکتی ہوئی بولی،

"اے چل ہٹ، میں کیوں لڑائی کراؤں اپنے صاحب میں اور ان کی بیگم میں ——

گفتگو ابھی ناتمام تھی کہ انجم آگیا۔

انجم کو آتا دیکھ کر سکینہ تو کھسک گئی، اور منشی ثابت علی مختار عام پر

لرزہ طاری ہو گیا، وہ پیکر جلال بنا سامنے کھڑا تھا، آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے، چہرہ سرخ ہو رہا تھا، منشی صاحب اپنے تخت حکومت سے نیچے اترے اور ایک مجرم کی طرح سامنے آکر کھڑے ہو گئے۔ انجم نے پوچھا

"کیا ہو رہا تھا؟"

یہ اتنا مبہم اور جامع سوال تھا کہ اس کا جواب دینا آسان نہ تھا، انجم نے پھر پوچھا،

"یہ نوٹ کیسا پڑا ہے؟"

منشی جی نے لپک کر اسے اٹھا لیا، اور مٹھی میں دباتے ہوئے کچھ عرض کرنا چاہا، لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا، انجم نے پھر سوال کیا،

"کیا نوٹ آپ نے سکینہ کو دیا تھا؟"

"اب تو منشی جی کا ماتھا ٹھنکا، اور زیادہ عرصہ تک خاموش رہنا بھی ممکن نہ تھا، کہنے لگے،

"جی ہاں اسی کو!"

"کس صلہ میں؟"

"قرض مانگ رہی تھی!"

انجم نے نفرت بھری نظروں سے منشی جی کو دیکھا۔

"اب آپ نے مہاجنی بھی شروع کر دی ہے؟"

منشی جی سٹ پٹا گئے"

"نہ جانے کیوں اتنی خراج ہو گئی ہے، جب دیکھو جب قرض کی بھیک مانگنے کو موجود، میں تو عاجز آگیا ہوں اس عورت سے، پھر منہ پھٹ اور بدتمیز الگ، ——

انجم زیادہ نہ سن سکا۔

"اس سفید داڑھی پر آپ کو جھوٹ بولتے شرم نہیں آتی؟

منشی جی نے گردن اٹھا کر انجم کے قد پر نظر ڈالی اور سوال کیا

"حضور میں جھوٹا ہوں؟"

انجم نے جواب دیا،

"جی ہاں آپ، ـــ آپ کو جھوٹ بولتے دیکھ کر میں شرما جاتا ہوں مگر جھوٹ بول کر آپ نہیں شرماتے! ـــ کیا آپ نے سکینہ کو یہ روپے اس لیے نہیں دیئے تھے کہ وہ رخسانہ کے سامنے شائستہ کی تصویر کا ذکر کر کے اسے مشتعل کرے؟ کیا آپ نے شائستہ کو گالیاں نہیں دیں؟ کیا آپ نے میرے اور شائستہ کے بارے میں ناپاک، گندے اور نجس خیالات کا اظہار نہیں کیا ـــ مجھے صرف آپا (رابعہ) مرحومہ کا خیال آجاتا ہے، اگر آپ ان کے زمانے کے نہ ہوتے تو میں کان پکڑ کر ابھی نکال دیتا آپ کو!"

منشی جی صورت تصویر خاموش کھڑے تھے اور اپنے کارنامے سن رہے تھے

انجم نے کہا،

"بتایئے وہ تصویر کہاں ہے؟ اگر وہ گم ہو گئی ہے تو آپ صفحۂ ہستی سے گم ہو جائیں گے، میں آپ کو شوٹ کر دوں گا!"

منشی جی نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا،

"نہیں حضور، وہ گم نہیں ہوئی!"

"تو کہاں ہے پھر؟" ـــ انجم نے ڈپٹ کر پوچھا

"وہ تو میں کل ہی لے آیا تھا!" ـــ منشی جی نے فرمایا۔

انجم نے اور زیادہ برہم ہو کر دریافت کیا،

"تو کہاں ہے وہ؟"

منشی جی نے ایک تجوری کھولی، اور اس میں سے شائستہ کی ایک تصویر جو چھوٹے سے چوکھٹے میں آویزاں تھی نکال لائے۔

"یہ رہی سرکار"

انجم نے وہ تصویر، منشی جی کے ہاتھ سے چھین لی اور اس پر نظر جما دی، وہی دل آویز نقشہ، وہی دلفریب صورت، وہی سحر طراز آنکھیں، وہی جان لیوا انداز، انجم کا غصہ اتر چکا تھا، اب وہ کسی دوسرے ہی عالم میں پہنچ چکا تھا، تصویر کو اس طرح تک رہا تھا جیسے شائستہ اس کے سامنے موجود ہے اور مصروفِ نظارہ ہے، تھوڑی دیر وہ اسی طرح گم سم کھڑا رہا، پھر اس نے پوچھا

"اور وہ دوسری تصویریں؟ ان کا کیا ہوا؟"

منشی جی نے سرادب جھکا کر جواب دیا،

"جی حضور وہ فوٹو گرافر کے پاس ہیں، کافی دھندلی ہو گئی ہیں، ان میں پہلے جیسا رنگ بھرنا اور بالکل نیا بنا دینا ذرا مشکل کام ہے، دام بھی زیادہ مانگتا ہے میں نے تو انکار کر دیا،

"کتنے مانگتا ہے؟" ـــ انجم نے پوچھا۔

منشی جی نے فرمایا،

"حضور ڈیڑھ سو کہتا ہے، ـــ لوٹ ہے لوٹ!"

"دے دیجئے!" ـــ انجم نے کہا ـــ

پھر وہ تصویر جیب میں رکھی، اور آہستہ آہستہ قدم رکھتا باہر چلا گیا۔

انجم کے جانے کے بعد سکینہ مسکراتی ہوئی داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر منشی جی کے تن بدن میں آگ ہی تو لگ گئی، گرج کر بولے "پھر آ گئیں تم"

"میں سب کچھ دیکھ رہی تھی، دروازہ کی اوٹ سے، کیا درگت بنی ہے میاں جی کی غیرت دار ہو تو اب ایسی حرکت نہ کرنا!" سکینہ نے ہنس کر کہا۔

منشی جی چیخ کر بولے۔

"چلی جاؤ!" وہ بھی چیختی ہوئی بولی،

"نہیں جاتے!"

رخسانہ اب سکون کی زندگی بسر کر رہی تھی، وہ انجم کی محبت حاصل نہ کر سکی لیکن انجم کو اس نے حاصل کر لیا، یہ بھی بہت تھا، اسی پر اب وہ قانع ہو گئی تھی، انجم کے دل سے شائستہ کی محبت اب تک نہیں نکلی تھی، یہ وہ جانتی تھی، لیکن مایوسی اور نامرادی نے اور پھر مرحوم بہن کے خیال نے التفات و توجہ کی جو نعمت رخسانہ کو عطا کرائی تھی، وہ اسے کافی سمجھتی تھی، وہ ایک خود پسند عورت تھی، خود بیں اور خود آرا، وہ انجم سے محبت کرتی تھی اور شاید بہت زیادہ لیکن اس کی محبت ایثار سے خالی تھی، اس محبت کی خاطر وہ کسی طرح کا ایثار نہیں کر سکتی تھی، محبت کا جواب محبت سے نہ پا کر، وہ محبت سے دستبردار بھی ہو سکتی تھی، یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ مشتعل ہو کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قطع تعلق پر آمادہ ہو گئی تھی۔

لیکن اب اسے وہ سب کچھ میسر تھا جس کی وہ متمنی تھی، شائستہ اس گھر سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو چکی تھی اور اس طرح بہت بڑا کانٹا نکل چکا تھا، رابعہ بیگم مر چکی تھیں، لہٰذا اب کوئی ایسا نہیں تھا جس کے سامنے اسے سر جھکانا پڑے، تنویر اپنے کالج اور بورڈنگ میں مگن تھی، اور پھر اس کی ماں (رابعہ) اس کے لیے اتنا چھوڑ گئی تھی کہ وہ کسی درجہ میں بھی ماموں (انجم) کی زیر بار احسان نہیں بن سکتی تھی، انجم ٹھوکریں کھا کر اور شائستہ سے مایوس ہو کر بہرحال اب اس کا تھا، اور بلا شرکت غیرے وہ اس کی مالک تھی، گھر کی فضا کو پرسکون رکھنے

کے لیے وہ اکثر اس کی باتیں مان لیا کرتا تھا، اور اس کے معاملات میں کبھی دخل نہیں دیتا تھا، دل پر جبر کر کے اس کی تفریحوں میں بھی حصہ لیتا تھا اور روپے پیسے کا جہاں تک تعلق تھا، انجم کی طرف سے کوئی پابندی نہیں تھی، وہ سیاہ و سفید کی مالک تھی، جو چاہے خرچ کرے، جو چاہے رکھے، جو چاہے اٹھائے اس اطمینان نے رخسانہ میں ایک طرح کی قناعت پیدا کر دی تھی، اب اگر وہ انجم کو کسی وقت کھویا کھویا سا دیکھتی، یا اسے فکرمند پاتی، یا اسے تصویر کی طرف ٹکٹکی لگائے دیکھتی تو نہ خفا ہوتی، نہ ڈرتی، بلکہ مسکرا دیتی، کیونکہ وہ جانتی تھی،

گیا ہے سانپ نکل اب لکیر پیٹا کر

شائستہ تو جا چکی، بلکہ شاید مر بھی چکی تھی، اب اگر اس کی یاد میں انجم شب و روز کچھ لمحے صرف کر لیتا ہے تو کیا کرے؟ اس کا کیا بگڑتا ہے؟

اس وقت وہ اطمینان سے اپنے کمرہ میں بیٹھی، دعوتِ شب کا پروگرام بنا رہی تھی، آج اس نے اپنی کئی سہیلیوں کو دعوت دی تھی، اتنے میں منشی... ثابت علی صاحب مختار عام تشریف لائے، رخسانہ نے ایک نظر ان کے سراپا پر ڈالی، پھر پوچھا،

"کیا بات ہے مختار صاحب، آپ تو بہت پریشان نظر آ رہے ہیں!"

مختار صاحب پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، ایسا دلچسپ مگر بھیانک منظر رخسانہ نے کبھی نہیں دیکھا تھا، وہ اٹھ کھڑی ہوئی،

"ارے آپ رو کیوں رہے ہیں؟

کہنے لگے

"حضور بھریا یا، یہ بال اسی گھر کی خدمت میں سفید کیے ہیں، لیکن —

پھر رونے لگے،

رخسانہ نے پوچھا،

"آخر ہوا کیا کچھ بتائیے تو سہی —!

منشی جی نے ساری داستان از اوّل تا آخر سُنا دی اور ناک پونچھتے ہوئے کہا
آخر اس گھر میں کب تک شائستہ بیگم کی حکمرانی رہے گی؟ اب وہ نہیں ہیں
تو ان کی تصویر حکومت کر رہی ہے۔ ایک معمولی سی تصویر کے لیے مجھے کان
پکڑ کر نکال دینے کی دھمکی دی، گالیاں دیں، برا بھلا کہا، بیگم صاحب میں آپ
کے پاس فریاد لے کر آیا ہوں، میرا حساب کر دیجئے۔ میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ
کربلائے معلّٰی، نجف اشرف کہیں بھی چلا جاؤں گا، میں نے ہجرت کی ٹھان لی ہے
اب اس ملک میں، اس دیس میں، اس شہر میں، اس گھر میں نہیں رہ سکتا، اس
سفید ڈاڑھی کی لاج رکھیئے اور بندۂ درگاہ کو رخصت کر دیجئے!"

رخسانہ غور سے یہ باتیں سنتی رہی، پھر اس نے فیصلہ کُن لہجہ میں کہا،
"نہیں" آپ نہیں جا سکتے، آپ یہاں اسی طرح رہیں گے جس طرح رہتے
چلے آئے تھے،!"

منشی صاحب کی آنکھیں جھپکنے لگیں،!

دوپہر کے کھانے کے وقت انجم واپس آیا، اس نے ایک خوب صورت
اور قیمتی ساڑھی رخسانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا،
"لو بھئی، بڑی مشکل سے ملی ہے،!"

رخسانہ نے ساڑھی کو سرسری نظر سے دیکھتے ہوئے پرے ہٹا دیا، اس کا
منہ پھولا ہوا تھا، انجم نے اس کی یہ کیفیت دیکھی تو پوچھا،
"کیا بات ہے؟ — خفا ہو کچھ؟

رخسانہ نے آنکھیں ملائے بغیر پوچھا،
"اب بڑے بوڑھوں کے منہ بھی آنے لگے ہیں!"

انجم اس سوال کا مطلب بالکل نہ سمجھ سکا،
"نہیں تو — بھلا ایسا ہو سکتا ہے؟"

رخسانہ نے بتایا،
آج منشی جی بیچارے کی ایک ذرا سی بات پر اتنی دُرگت بنا ڈالی آپ
نے، کچھ تو ان کے بڑھاپے کا، ان کی سفید داڑھی کا، ان کی پنشنی خدمات کا
لحاظ کیا ہوتا!"

انجم نے چڑھی ہوئی تیوری کے ساتھ کہا،
اس کا نام نہ لو، وہ جتنا جتنا بوڑھا ہوتا جاتا ہے، ویسے ہی ویسے بد
نفس اور مفسد ہوتا جاتا ہے، یہ اس کے بڑھاپے ہی کا خیال تھا کہ میں نے
اسے چھوڑ دیا، ورنہ —

"کان پکڑ کر نکال دیتے آپ اسے؟"

"ہاں قطعاً،!"

"صرف ایک تصویر پر؟"

"نہیں، ایک تصویر پر نہیں، خباثت پر جانتی ہو اس کا مقصد کیا تھا؟"

"بتایئے،!"

"صرف مجھے اور تمہیں لڑانا!" اور بالآخر اپنے اس ناپاک ارادہ میں وہ
کامیاب ہو گیا،!"

وہ تو ہجرت کر کے اب اس دیس ہی سے چلا جانا چاہتا ہے!"

"غلط! — اسے جوتے مارو تو بھی نہیں جائے گا — میں تو دروازہ
میں کھڑا اس کی ساری باتیں سنتا رہا تھا!"

"(زیرِ لب تبسم کے ساتھ) آپ اب جاسوس بھی بننے جا رہے ہیں؟"

"کیا کروں بننا ہی پڑتا ہے، اس نے دس روپے سکینہ کو دیئے اور اس
سے کہا کہ تمہارے سامنے وہ مجھ سے آ کر کہے کہ شائستہ بیگم کی تصویر گم
ہو گئی فوٹو گرافر کے پاس، وہ جانتا ہے شائستہ کا نام تمہاری کمزوری ہے
یہ نام سنتے ہی تم مشتعل ہو جاؤ گی، لڑنے لگو گی، اور پھر وہ تم سے وفاداری

جتا کر خوب انعام و اکرام وصول کرے گا "

" میں نہیں یقین کرتی کہ وہ ایسا کر سکتا ہے ۔۔۔ پوچھوں سکینہ سے ؟

" ضرور پوچھو ، ! "

رخسانہ نے سکینہ کو آواز دی وہ دوڑتی ہوئی آئی ، رخسانہ نے پوچھا ۔

" کیوں ، منشی جی نے تجھے دس روپے دیئے تھے ؟ "

وہ مسکرانے لگی ،

" جی ! "

رخسانہ نے سوال کیا ،

" کیوں دیئے تھے ؟ "

سکینہ نے وہی بات دُہرا دی جو ابھی ابھی انجم نے کی تھی ، رخسانہ نے پوچھا ،

" پھر تو نے کیا جواب دیا ؟ "

وہ بولی ،

" نوٹ میں نے اس کے منہ پر کھینچ مارا اور کہا ، میں کیوں اپنے صاحب اور ان کی بیگم صاحبہ میں لڑائی کراؤں ، تو ٹھہرا ایک نمک حرام ، تو ہی یہ حرکتیں کر ، اتنے میں صاحب آ گئے ، میں بھاگ آئی ! "

رخسانہ نے سکینہ کو رخصت کرنے کے بعد انجم سے شکر تے ہوئے کہا ،

" ہو گا ، چھوڑیئے بھی یہ باتیں ، اس شخص کا تو دماغ چل گیا ہے ، ۔۔۔ دیکھئے آج میں نے فائقہ ، نزہت ، شاکرہ اور قمر کی دعوت کی ہے ، ذرا آدمی بن کر اس تقریب میں شریک ہو جیئے گا ، ! "

انجم نے کوئی جواب نہیں دیا ، اپنے کمرہ میں چلا گیا !

دعوت بڑے اہتمام سے ہوئی اور انجم نے رفع شر کے لیے اس میں پورا پورا حصہ بھی لیا ، لیکن دل بجھا بجھا سا تھا اور ایسی محفلوں میں بیٹھ کر اسے خواہ مخواہ شائستہ یاد آ جاتی تھی ، !

کھانے کے بعد سب لوگ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے ، چائے کا دور اور باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ، شاکرہ نے جو بڑی بک بک تھی ، رخسانہ کو چھیڑتے ہوئے کہا ،

" ہمارے انجم صاحب کچھ چُپ چُپ سے ہیں ، کہیں آپ نے ان کی مزاج پُرسی تو نہیں کر دی ہے آج ؟

رخسانہ ہنسنے لگی ،

" ان کی مزاج پُرسی کون کر سکتا ہے ؟ ، ویسے چُپ چپ کیوں ہیں یہ میں کیا جانوں ؟ "

شاکرہ نے اب براہِ راست انجم کو مخاطب کیا ،

" کیوں انجم بھائی کیا بات ہے ؟ "

انجم نے جواب دیا ،

" بات تو کچھ بھی نہیں ، ویسے بات یہ ہے کہ حکما کا قول ہے ، خواتین کی محفل میں خاموش رہنا ہی بہتر ہے ،

شاکرہ نے پوچھا ،

"وہ کیوں بھائی صاحب!"
انجم نے بتایا،
"اس لیے کہ اگر عورتوں کو مسلسل نہ بولنے دیا جائے تو ان کی صحت کو خطرہ لاحق ہو جاتا ہے، رخسانہ کے رشتے سے آپ میری بہن ہیں اور میں چاہتا ہوں بول بول کر آپ اور زیادہ تندرست بن جائیں، ــــ!"
فائقہ نے کہا،
"اب اس سے زیادہ کیا تندرست ہوں گی؟ کل میرے سامنے ہی تو وزن کرایا تھا، دو من سے ماشاء اللہ کچھ زیادہ ہی ہے!"
سب لوگ ہنسنے لگے، رخسانہ نے شکایت آمیز لہجہ میں فائقہ سے کہا،
"واہ نظر نہ لگاؤ بیچاری شاکرہ کو، اس کا وزن دو من نہیں، دس من ہے پھر نہیں کیا؟"
نزہت نے کہا،
"یہ کیا بے تکی بحث چھیڑ دی، کچھ کام کی باتیں کرو!"
رخسانہ کو جیسے کچھ یاد آ گیا،
ٹھیک تو کہتی ہے زینت اتنا اچھا گانا گاتی ہے، مگر کسی نے جھوٹوں بھی نہ پوچھا، اچھا زینت ہم خاموش ہوئے جاتے ہیں، تم کچھ سنا ڈالو!
زینت کہنے لگی،
"نہیں بھئی، مجھے گانا وانا نہیں آتا!"
فائقہ نے کہا،
"تمہیں تو ہنسنا آتا ہے، ہنسو گی؟"
یہ کہہ کر اس نے دو انگلیاں گدگدانے کے لیے اٹھائیں زینت نے کہا
"ہر وقت، ہر جگہ شرارت،
فائقہ نے اصرار کیا،

"تو پھر سنا دو!"
زینت عاجز آ کر بولی،
"کیا سنا دوں؟"
فائقہ نے بتایا،
"کوئی اچھی سی غزل!"
رخسانہ نے تائید کی،
"ہاں پھڑکتی ہوئی!"
شاکرہ کیوں چپ رہتی؟ کہنے لگی،
"بس مزا آ جائے ایسی ــ!"
آخر اصرار سے مجبور ہو کر، زینت نے حسرت موہانی کی ایک غزل شروع کر دی، ہر شعر تیر و نشتر ثابت ہو رہا تھا، اس کی رسیلی آواز جادو کا کام کر رہی تھی، ساری محفل پر سناٹا چھایا ہوا تھا، سب دم بخود نظر آ رہے تھے اب شاکرہ کی شرارت باقی تھی نہ فائقہ کی شوخی، نہ رخسانہ کی بذلہ سنجی، اور انجم تو خاموش تھا ہی!
آخر زینت اس شعر پر پہنچی،

نہیں آتی جو ان کی یاد تو پہروں تک نہیں آتی
مگر جب یاد آتے ہیں تو اکثر یاد آتے ہیں!

دفعتاً انجم اٹھ کھڑا ہوا اس نے کہا،
"بس کیجئے مس زینت!"
اس کی آنکھیں نم تھیں، چہرہ پر عجیب وحشت برس رہی تھی، وہ تیزی کے ساتھ کمرے سے باہر نکلا چلا گیا، رخسانہ شرمندہ تھی کہ انجم نے یہ کیسی حرکت کی، سب لوگ حیران و ششدر کہ انجم نے یہ کیا کیا!

رخسانہ پر انجم کی اس حرکت سے جو کچھ گذر گئی اس کا اندازہ نہیں کیا۔
جا سکتا، تھوڑی دیر پہلے جو کیفیت انجم کی تھی وہی حال اب رخسانہ کا ہو گیا،
کیا مجال جو منہ سے بولے اور سر سے کھیلے، ساری محفل پر بدمزگی کی کیفیت
طاری ہو گئی، فائقہ، زینت، شاکرہ سب کو چپ لگ گئی، بڑی دیر تک مرگ سا
سناٹا طاری رہا، پھر فائقہ نے بات شروع کی کہنے لگی،

"انجم بھائی کو کیا ہو گیا تھا؟"

شاکرہ نے کہا،

ہاں — میں تو ڈر گئی!

زینت کہنے لگی،

"معلوم ہوتا ہے کچھ دال میں کالا ہے؟"

پھر ہنس پڑی،

فائقہ نے پوچھا،

"کیوں رخسانہ زینت ٹھیک کہہ رہی ہے؟ انجم بھائی کہیں اٹکے ہوئے ہیں"

شاکرہ بولی،

"تو کیا ان سے پوچھ کر اٹکے ہوں گے، تم بھی بڑی بھولی ہو!"

سب کے ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا،

لیکن رخسانہ شریک تبسم تھی نہ شریک تکلم، آخر تھوڑی دیر کے بعد یہ محفل

برخاست ہو گئی، ان سب کو رخصت کرنے کے بعد رخسانہ سیدھی انجم کے
کمرہ میں پہنچی، اب تک اس کی وہی کیفیت تھی، وہ بے قراری کے عالم میں
کمرہ کا گشت کر رہا تھا، رخسانہ کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا،

"کیا بات ہے رخسانہ کیسے آ گئیں؟"

رخسانہ آئی تو لڑنے کے لیے تھی، لیکن انجم کی یہ کیفیت دیکھ کر کسی دوسرے
وقت کے لیے اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا، بڑے نرم اور ملائم لہجہ میں بولی،

"آخر آج آپ کو کیا ہو گیا تھا؟ کتنی شرمندہ ہوئی ہوں میں!"

انجم نے بے پروائی کے ساتھ کہا،

"کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں، اپنی محفل طرازی کا شریک مجھے نہ بنایا کرو، لیکن
تم اپنی ضد کے آگے کسی کی سنتی ہو؟"

رخسانہ نے شکایت آمیز لہجہ میں جو اپنائیت کا رنگ لیے ہوئے تھا، کہا،

"لیکن کس لئے اپنی محفل طرازی میں آپ کو شریک کرنا چاہتی ہوں، یہ
بھی کبھی سوچا آپ نے؟"

انجم کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے، وہ پھر ٹہلنے لگا، اس نے کہا،

"ہاں — تمہارا خیال ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو،

رخسانہ بے چین ہو گئی،

"یہ میرا خیال ہے، واقعہ نہیں!"

انجم بھی اس وقت لڑنے پر تیار نہیں تھا،

"واقعہ یہی ہے لیکن تمہاری محبت عجیب سی ہے کبھی کبھی مجھے شبہ ہونے لگتا
ہے کہ یہ صرف تمہارا خیال ہی ہے یا واقعی محبت کرتی ہو؟"

رخسانہ نے کچھ نہ پوچھا، ٹکر ٹکر انجم کی طرف دیکھنے لگی، انجم نے سلسلۂ کلام
جاری رکھتے ہوئے کہا،

"تم مجھ پر ظلم کرتی ہو، زیادتی کرتی ہو، احکام نافذ کرتی ہو، پابندیاں عائد کرتی

ہو، جس سے محبت کرتا ہوں، اس کا گندے اور نجس الفاظ میں ذکر کرتی ہو، مجھے طعنے دیتی ہو، میرا مذاق اڑاتی ہو، دوسروں کے سامنے مجھے ذلیل کرتی ہو، — پھر بھی محبت کرتی ہو، یہ عجیب بات ہے یا نہیں، تم ہی کہو،

رخسانہ نے جواب دیا،

اور آپ! — آپ کیا نہیں کرتے؟ پچھلی باتوں کو چھوڑیئے، آج ہی آپ نے مجھے کتنا ذلیل کیا ہے! زینت، شاکرہ اور فائقہ نے میرا کس کس طرح مذاق اڑایا ہے، آپ سن رہے ہوتے تو ضرور شرمندہ ہوتے، لیکن میں کوئی جواب نہ دے سکی، زینت نے صاف صاف الفاظ میں کہہ دیا، دال میں کچھ کالا ہے، میں کیسے کہہ دیتی ہاں ہے؟ چپ رہی اور میری چپ کا انہوں نے ٹھٹھا اڑایا کہ بس میرا دل ہی جانتا ہے، آپ کو دوسروں کی باتیں یاد رہتی ہیں، لیکن اپنی بھول جاتے ہیں،

اور پھر سسکیاں لے لے کر رونے لگی،

شاید آج پہلی بار، اس کی خودداری، خودی، اور خود بینی نے شکست کھائی تھی ورنہ اب تک اس کی آنکھیں کم از کم، انجم کے سامنے اشک آلود نہیں ہوئی تھیں، انجم آگے بڑھا، اس نے رخسانہ کا سر اپنے سینے سے لگا لیا اور پیٹھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے ندامت بھرے لہجہ میں کہا،

رخسانہ مجھے معاف کر دو — نہ جانے مجھے کیا ہو جاتا ہے، میں خود بھی نہیں سمجھ پایا!"

رخسانہ اسے ایسی نظروں سے دیکھنے لگی جن میں ہمدردی بھی تھی، ترس بھی اور محبت بھی!

انجم اور رخسانہ کی زندگی ایک ڈھرے پر چل رہی تھی، اب دونوں ایک دوسرے کے اداشناس اور مزاج داں ہو چکے تھے، رخسانہ نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ انجم کا دامن نہیں چھوڑ سکتی، اس نے ٹوکر، قطع تعلق کر کے طلاق لینے کا اعلان کر کے، گھر چھوڑ کر، بول چال بند کر کے، طعنے دے کر مذاق اڑا کر تجربہ کر لیا کہ وہ انجم کو نہیں بدل سکتی، اس کے دل سے شائستہ کی محبت نہیں نکال سکتی اور پھر اپنا جائزہ لیا تو محسوس کیا کہ جس طرح انجم شائستہ سے محبت کرنے پر مجبور ہے، اسی طرح وہ بھی انجم سے محبت کرنا ترک نہیں کر سکتی وہ کسی طرح بھی انجم کو نہیں چھوڑ سکتی،

ایسے موقعوں پر جب انجم اور شائستہ کے تعلقات اس کے دل میں اضطراب اور خلش پیدا کر رہے ہوتے، اور وہ اپنے پندار کو مجروح ہوتا دیکھتی تو اسے یاد آ جاتا، جب جب اور جتنی مرتبہ بھی اس نے یہ فیصلہ کیا کہ انجم کو چھوڑ دے علیحدگی اختیار کر لے، بہت جلد اسے یہ فیصلہ بدلنا پڑا،

"کیوں؟"

"کس لیئے بدلنا پڑا؟"

کیا اس لیے نہیں کہ اس کے دل میں انجم کی محبت بسی ہوئی تھی، اس نے اپنی محبت پر خودداری، خود پسندی، خود بینی، چڑچڑے پن، بدمزاجی اور سخت کلامی کا ایک آہنی خول چڑھا رکھا تھا، تاکہ نہ وہ خود اپنی محبت کو دیکھ سکے، نہ

کوئی دوسرا، لیکن انجم کی صورت دیکھنے کے بعد یہ آہنی خول اس طرح پگھل جاتا تھا جس طرح ذرا سی چنگاری سے موم پگھلنے لگتا ہے، وہ بے بس ہو جاتی تھی اور پھر صلح کر لیتی تھی،

پھر اس نے یہ بھی سوچا اور بارہا سوچا کہ کم از کم اب شائستہ سے انجم کی محبت اس کے لیے بے ضرر ہے، اس کی زندگی پر اس محبت کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، انجم اسی کا ہے اور اسی کا رہے گا، اسے کوئی نہیں چھین سکتا، شائستہ اب قصۂ ماضی بن چکی ہے، وہ اب واپس نہیں آسکتی، وہ گئی، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گئی، پھر، اگر شائستہ کے نام سے، شائستہ کے تخیل سے انجم محبت کرتا ہے تو کرے، اس کا کیا بگڑتا ہے؟

گذشتہ واقعہ سے اس نے یہ سبق بھی حاصل کیا تھا، فائقہ وغیرہ کے سامنے انجم کے بیتابانہ اقدام سے جب زینت گا رہی تھی، رخسانہ نے یہ سبق حاصل کیا کہ اب نہ وہ شائستہ کے لیے ناملائم الفاظ استعمال کرتی، نہ کبھی اسے ملامت کرتی، بلکہ اگر بات چھڑ جاتی تو اوپری دل سے محض انجم کو خوش کرنے کے لیے ایک آدھ لفظ شائستہ کی تعریف ہی میں کہہ دیتی، وہ چاہتی تھی، اب کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے انجم کے ذہنی توازن پر اثر پڑے، جس سے وہ بے قابو ہو جائے، وہ انجم کو زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھی، چاہتی تھی، وہ شائستہ کو بھول جائے نہ بھول سکے تو کم از کم اس غم میں گھلے نہیں، وہ اسے اصرار کر کے گلگشت کے لیے لے جاتی، وہ ایک بے بس معمول کی طرح ساتھ ہو لیتا، وہ زبردستی اسے سنیما لے جاتی، وہ بے دلی کے ساتھ چلا چلتا، وہ اسے اکیلا کر کے نمائش گاہ لے جاتی اور وہاں اسے بہلاتی رہتی کہ شاید اس کا دل بہل جائے، اس کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس شدت سے وہ نمایاں ہو رہی تھی، کبھی کبھی تو ایسا اندازہ ہوتا کہ اگر کہیں شائستہ مل جائے تو وہ اسے منت کر کے اپنے ساتھ لے آئے گی اور

اصرار کر کے اسے روک لے گی، اور پھر کبھی اس گھر سے جانے نہ دے گی،

انجم رخسانہ کے اس انقلاب اور اس کیفیت کو محسوس کر رہا تھا وہ سوچتا تھا بہرحال میں رخسانہ سے شادی کر چکا ہوں، خوشی سے یا ناخوشی سے، یہ بحث بے کار ہے، میرا اخلاقی فرض ہے کہ اسے خوش رکھوں، اس کی آرزوئیں اور تمنائیں پوری کروں، اور حتی الامکان کوئی ایسی حرکت نہ کروں۔ جو اس کے دل کو صدمہ پہنچائے، یہ خیال اور زیادہ شدید ہو جاتا تھا جب وہ رخسانہ کی یک طرفہ محبت کو محسوس کرتا تھا، وہ جانتا تھا کہ اسے رخسانہ سے محبت نہیں ہے، وہ جانتا تھا رخسانہ بھی اسے محسوس کرتی ہے کہ وہ نہ اس سے محبت کرتا ہے، نہ کر سکتا ہے، پھر بھی وہ اس سے محبت کیے جا رہی ہے۔ کیا اس ایثار اور خود فراموشی کا اتنا معاوضہ بھی نہ ہونا چاہیے کہ وہ اس کے سامنے سر نہ اٹھائے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ دل دہی کرے۔

دن گزرتے رہے۔

ایک مرتبہ انجم انفلوئنزا میں مبتلا ہوا، پنسلین کے مسلسل انجکشن دیئے گئے مگر دیر سے بخار کم ہو جاتا، پھر شدت اختیار کر جاتا ۱۰۵ ڈگری تک پہنچ جاتا۔ کبھی کبھی اس پر بحرانی کیفیت طاری ہو جاتی اور وہ ہذیان بکنے لگتا، اس حالت میں اسے بار بار شائستہ یاد آتی، اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار شائستہ کی تصویر گھومتی، اور وہ بار بار اس سے صرف ایک ہی سوال کرتا۔

"شائستہ تم مجھے چھوڑ کر کیوں چلی گئیں۔"

کبھی کہتا،

"تم جلاد ہو، تم نے جان بوجھ کر میرے دل کو زخمی کر دیا۔"

کبھی گویا ہوتا،

"اگر تمہیں جانا ہی تھا تو مجھے اپنے ساتھ لے چلتیں، میں تمہارے ساتھ صحراؤں میں بھٹکتا، وادیوں میں چکر لگاتا، پہاڑوں پر چڑھتا، جنگلوں میں رہتا۔ لیکن خوش رہتا۔ شائستہ تم نے میری خوشی چھین لی، تم نے مجھ سے مجھے چھین لیا، تم چلی گئیں اور اپنے ساتھ میرا سب کچھ لیتی گئیں۔ اب میں ایک زندہ لاش ہوں اب میں ایک کھوکھلا جسم ہوں، تم نے مجھ پر ظلم کیا اور اب سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ میں تم سے فریاد بھی نہیں کر سکتا، میری زبان پر مہر لگی ہے۔ میں رخسانہ کو خوش

نہیں کر سکتا۔ اس کا دل نہیں دکھا سکتا، وہ واقعی مجھ سے محبت کرتی ہے، آہ بدقسمت رخسانہ تو نے اس سے محبت کی جو تیری محبت کا جواب نہیں دے سکا۔ آہ بدنصیب انجم تو نے اس سے محبت کی جس نے تیری محبت کی قدر نہ کی۔ میرا اور رخسانہ کا غم مشترک ہے، ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست ہیں، ہمدرد ہیں، غم خوار ہیں، ہم دونوں کا یہ رشتہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا۔"

پھر اس پر غنودگی سی طاری ہو جاتی، وہ بے ہوش سا ہو جاتا،

تھوڑی دیر کے بعد پھر وہ آنکھیں کھولتا،

سرخ بھبوکا، جیسے شعلہ۔

ان آنکھوں کو وہ گردش دیتا، ادھر ادھر دیکھتا اور مایوسی کے عالم میں کہتا۔

"شائستہ تم جھوٹی بھی ہو۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ آؤ گی مگر نہیں آئیں،

میں کب تک انتظار کروں؟

کیا ساری عمر اسی انتظار میں گذر جائے گی؟"

پھر وہ کروٹ بدلتا، بار بار کروٹیں بدلتا، اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگتا، رخسانہ لپک کر گلاس میں پانی لاتی اور اس کے ہونٹوں سے لگا دیتی۔ ایک آدھ گھونٹ پی کر منہ ہٹا لیتا۔

پھر چھت کی طرف وہ ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگتا۔

پھر دیوار پر نظریں گاڑ دیتا۔

پھر یکایک خود بخود اس کی نظریں شائستہ کی تصویر پر جو ایک خوبصورت فریم میں آویزاں تھی، اٹک جاتیں۔

پھر وہ آنکھیں بند کر لیتا اور عالم خیال میں پہنچ جاتا۔

رخسانہ نے اس زمانے میں کمال کر دیا۔ وہ اپنی ہر چیز، ہر اصول، ہر عادت ہر خواہش پامال کر چکی تھی۔ وہ شب و روز اس کی چاکری کرتی رہتی۔ ڈاکٹر نے کئی مرتبہ خواہش ظاہر کی کہ وہ نرس کا انتظام کئے دیتا ہے۔ لیکن رخسانہ نے یہ بات

rekhta

نہ مانی۔

"کیا کوئی نرس ایسی بھی ہے جو مجھ سے زیادہ انجم کی خدمت کرلے گی، نہیں ڈاکٹر صاحب آپ کا شکریہ۔ نرس کا انتظام کرنے کی زحمت گوارا نہ کیجئے۔ میں کافی ہوں، میں سب کچھ کرلوں گی۔"

اس مدت میں رخسانہ نے سر میں تیل نہیں لگایا، آرائش نہیں کی، لپ اسٹک اور نیل پالش کی طرف رُخ نہیں کیا، جو عورت دن میں دو مرتبہ زرق برق لباس سے اپنے آپ کو آراستہ کرتی تھی، وہ دو دو دن کپڑے تبدیل نہ کرتی، اور یہ بھی تو بہت معمولی سے، نہ میچ کا خیال نہ رنگ کا لحاظ، ناشتہ کا وقت گزر جاتا اسے پروا بھی نہ ہوتی۔ کھانا سکینہ لاکر سامنے رکھ دیتی اور جب وہ ٹھنڈا ہو جاتا تو واپس لے جاتی۔ رخسانہ چپ تھی۔

ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ خود کسی خوفناک بیماری میں مبتلا ہے یا کسی جان لیوا بیماری سے [illegible] ہے۔

سکینہ رو رو کر، ضد کرکے، ہاتھ جوڑ جوڑ کر بہ مشکل اسے دو چار لقمے کھلانے میں کامیاب ہوتی پھر وہ ہاتھ کھینچ لیتی۔

"سکینہ لے جاؤ، لقمہ میرے حلق سے اترتے ہی نہیں۔"

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھیں آب گوں ہو جاتیں۔

اس کی خوبصورت آنکھوں سے شبنم کے چمکتے ہوئے قطرے ٹپکنے لگتے۔

اس کے خوبصورت ہونٹ برگ گل کی طرح لرزنے لگتے۔

سکینہ کچھ نہ کہہ سکتی۔ خود اس کی آنکھیں فوارے کی طرح اُبلنے لگتیں، وہ دوپٹے سے آنسو پونچھتی ہوئی چپ چاپ چلی جاتی۔

انجم کے بستر کے پاس ایک آرام کرسی رخسانہ نے ڈلوائی تھی۔ بس اسی پر

بیٹھی رہتی۔ دن میں یا رات میں کبھی ذرا دیر کے لئے اونگھ جاتی۔ پھر یکایک چونک پڑتی جیسے اس بستر پر انجم نہیں لعل و گہر کی تھیلیاں رکھی ہیں اور کوئی ڈاکو انہیں اُٹھائے جائیگا۔

وہ اٹھتی، ماتھے سے بخار کا اندازہ کرتی، پھر تھرمامیٹر لگاتی اور جب اس کی نگاہ ۱۰۵ ڈگری پر پڑتی تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا۔ وہ ایسا محسوس کرتی جیسے تھرمامیٹر ایک خنجر آبدار ہے جو اس کے سینے میں گھونپا جا رہا ہے۔

چپکے سے وہ تھرمامیٹر کیس میں رکھتی اور پھر اپنی کرسی پر آکر بیٹھ جاتی۔

کوئی پندرہ دن کے بعد بخار ٹوٹا۔

رخسانہ کی خوشی سے باچھیں کھل گئیں، وہ دوڑی دوڑی سکینہ کے پاس گئی۔

"سکینہ سکینہ — ان کا بخار اتر گیا۔"

یہ سنتے ہی سکینہ سجدہ میں گر پڑی۔ اس کی وہ مالکہ جو اس سے بات کرنا اپنی توہین سمجھتی تھی، جو اس کی بات کا جواب دینا اپنی شان کے خلاف سمجھتی تھی۔ جو اس سے سیدھے منہ مخاطب ہونا اپنے وقار کے خلاف خیال کرتی تھی۔ وہ آج اس کے سامنے ننگے پاؤں کھڑی تھی۔ اس کا دوپٹہ سر سے ڈھلک کر کندھے پر آگیا تھا، اس کے بال الجھے ہوئے تھے اس کا لباس سکینہ سے زیادہ میلا تھا۔

اس حالت میں اپنی مالکہ کو دیکھ کر وہ رونے لگی۔ اسے روتا دیکھ کر رخسانہ خفا ہو گئی۔

"ارے پگلی تو رو کیوں رہی ہے، وہ خدا کے فضل سے اچھے ہیں، ان کا بخار اتر گیا وہ بڑے سکون کی نیند سو رہے ہیں۔ میں نے ان کی نبض دیکھی، اچھی طرح چل رہی ہے۔ دل کی آواز کان لگا کر سنی، اچھی طرح دھڑک رہا ہے۔ ناک کے پاس روئی رکھ کر دیکھی، اچھی طرح سانس لے رہے ہیں، خدا نخواستہ انہیں کچھ ہوا نہیں ہے، بخار اتر گیا ہے، اب وہ خدا نے چاہا تو بہت جلد تندرست ہو جائیں گے۔ خوش ہونے کے بجائے تو رو کیوں رہی ہے پگلی۔"

سکینہ کے آنسو اب بھی جاری تھے، اس نے روتے روتے کہا۔

"یہاں کو خدا لوح کی عمر دے۔ مجھ سے بڑھ کر ان کے اچھے ہونے کی کسے خوشی ہوگی، لیکن میں تو آپ پر رو رہی ہوں میری سرکار۔"

رخسانہ کے تیور چڑھ گئے۔

"مجھ پر کیوں؟"

وہ کہنے لگی۔

"ذرا آئینہ کے سامنے جا کر دیکھئے تو سہی آپ نے کیا حال بنا رکھا ہے اپنا! مجھ سے یہ نہیں دیکھا جاتا۔"

رخسانہ کے ہونٹوں پر ہلکا سا تبسم نمودار ہوا اور وہ جواب دیئے بغیر ویسے ہی ننگے پاؤں واپس چلی گئی۔

رخسانہ آکر انجم کے پاس آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔ بار بار پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھتی تھی کہ کہیں بخار پھر تو نہیں آگیا۔

ذرا دیر کے بعد انجم نے آنکھیں کھول دیں۔ رخسانہ نے بڑے پیار سے جیسے بچہ کو مخاطب کرتے ہیں پیشانی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اب آپ اچھے ہیں، بخار اتر گیا۔"

انجم مسکرا دیا۔

ذرا دیر کے بعد رخسانہ نے پوچھا۔

"کیا کچھ کھانے کو جی چاہتا ہے۔"

انجم نے مختصر سا جواب دیا۔

"نہیں۔"

اتنے میں سکینہ بھی آگئی۔

"یخنی تیار ہے، لے آؤں۔؟"

انجم نے ذرا جھلا کر جواب دیا۔

"نہیں، مجھے سخت نفرت ہے یخنی سے۔"

رخسانہ نے مسکراتے ہوئے سکینہ سے کہا۔

"جاؤ لے آؤ۔"

وہ چلی گئی۔

رخسانہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"پھر قوت کس طرح آئے گی اگر آپ نے یخنی بھی نہ پی۔"

انجم نے کہا۔

"آنا ہوگا تو ویسے ہی آجائے گی۔"

رخسانہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ آج بہت دنوں کے بعد وہ ہنسی تھی۔ اسی اثنا میں سکینہ گرما گرم یخنی لیکر آگئی۔ پیالہ میں سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ انجم نے تیوری چڑھا کر اسے دیکھا۔ رخسانہ نے اس سے پیالہ لے لیا اور کہا۔

"تم جاؤ۔"

پھر پیالہ لیکر پاس آکر بیٹھ گئی اور پیار بھرے لہجہ میں کہا۔

"ضد نہیں کرتے۔"

پھر اپنے ہاتھ سے چمچہ چمچہ کر کے اس نے ساری یخنی پلا دی، انجم ذرا بھی مزاحمت نہ کر سکا، پی چکنے کے بعد اس نے کہا۔

"منہ خراب کر دیا۔"

وہ بولی

"ابھی ٹھیک ہو جائیگا۔"

پھر لپک کر اپنے کمرہ میں گئی۔ اور ایک گلوری بنا لائی

"لیجئے اسے چبا لیجئے۔ بالکل ٹھیک ہو جائے گا منہ کا مزہ۔"

یہ کہہ کر گلوری اس کے منہ کی طرف بڑھائی۔ انجم نے ہاتھ بڑھا کر اسے لینا

چاہا، وہ ایک ادائے خاص کے ساتھ مسکراتی ہوئی بولی۔

"منہ کھولیے۔"

انجم نے بے بسی کے ساتھ منہ کھول دیا، رخسانہ نے گھوری اسے کھلا دی اور پھر اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ پٹی پر انجم کا ہاتھ رکھا ہوا تھا، رخسانہ نے اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور غور سے اس کی نسوں اور رگوں کو دیکھنے لگی۔ کہنے لگی۔

"کتنے دُبلے ہو گئے ہیں آپ۔"

انجم نے زیرِ لب تبسم کے ساتھ کہا۔

"واہ، کہیں ہاتھ بھی دبلا یا موٹا ہوتا ہے۔"

رخسانہ ہنسنے لگی۔

"ہوتا کیوں نہیں۔ دیکھئے میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ سے موٹا ہے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ڈاکٹر آ گیا۔ اسے دیکھ کر رخسانہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آیئے ڈاکٹر صاحب۔"

ڈاکٹر اسی کرسی پر بیٹھ گیا جس پر رخسانہ بیٹھی تھی۔ پھر اس نے پیشہ ورانہ انداز میں پوچھا۔

"کہیئے مسٹر انجم کیا حال ہے۔"

انجم نے رسمی سا جواب دیا۔

"کرم ہے آپ کا۔"

ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے انجم کا معائنہ کیا۔ دل، پھیپھڑے، سینہ، نبض ہر چیز کو غور سے دیکھا۔ رخسانہ پاس ہی کھڑی ڈاکٹر کو اس طرح تک رہی تھی جیسے کوئی مجرم عدالت کے کٹہرے میں کھڑا جج کا یہ فیصلہ سننے کا منتظر ہو کہ اسے سزائے موت ملی یا پروانۂ رہائی۔ انجم کا بخار اتر چکنے کے بعد بھی وہ پورے طور سے مطمئن نہ تھی۔ اس کی صحت سے زیادہ کمزوری دیکھ کر وہ دل ہی دل میں سہمی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد اطمینان کا سانس لیا۔

"مبارک ہو بیگم صاحبہ! مسٹر انجم بالکل اچھے ہیں اب۔"

رخسانہ نے دخل در معقولات کرتے ہوئے جواب دیا

"لیکن کمزور بے انتہا ہیں۔"

ڈاکٹر نے جواب دیا۔

اس کی پروا نہ کیجئے۔ انشاء اللہ چند روز میں قوت عود کر آئے گی۔ بس اس کا لحاظ رکھیئے کہ ان کے ذہنی اور جسمانی آرام میں خلل نہ پڑے، پرہیز بھی ضروری ہے۔ چند روز تک صرف یخنی یا شوربا چھلکا دیجئے۔ پھلوں میں آپ جس پھل کا چاہیں جوس دے سکتی ہیں۔"

رخسانہ نے کہا۔

"ان سب باتوں کا لحاظ رکھا جائے لیکن جب تک یہ بالکل تندرست نہ ہو جائیں۔ آپ حسبِ معمول روز تشریف لاتے رہیں۔"

اس فرمائش کی تعمیل کے لئے ڈاکٹر صاحب کو کیا عذر ہو سکتا تھا۔

"میں حاضر ہو جایا کروں گا۔ ویسے کوئی خاص ضرورت تو نہیں۔"

رخسانہ نے اصرار کیا۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب یہ میری استدعا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب نے اپنا سامان رکھا اور چلتے ہوئے فرمایا۔

"بہتر۔ جیسا آپ کہیں۔"

ڈاکٹر کے جانے کے رخسانہ سے انجم نے کہا۔

"میں یخنی پیوں گا نہ شوربا چھلکا کھاؤں گا!"

رخسانہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"پھر کیا کھائیں گے آپ؟"

انجم نے نہایت سادگی کے ساتھ کہا۔

"بھنا ہوا گوشت۔"

رخسانہ بے اختیار ہنس پڑی۔

"کیا خدا نخواستہ پھر بیمار ہونے کو جی چاہتا ہے؟ ذرا قوت آجائے پھر ایک مرتبہ نہیں سو مرتبہ بھنا ہوا گوشت کھا لینا۔ میں خود اپنے ہاتھ سے پکا کر کھلاؤں گی آپ کو۔"

انجم بچوں کی طرح مچل گیا۔

"میں تو آج ہی کھاؤں گا۔"

رخسانہ کرسی سے اٹھ کر بالکل اس کے پاس ہی بیٹھ گئی اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا۔

"نہیں۔ آج نہیں کھائیں گے۔ ابھی کئی دن نہیں کھائیں گے۔ مانئے نا آپ میرا کہنا۔"

یہ بات رخسانہ نے کچھ اس انداز سے کہی کہ انجم انکار نہ کر سکا۔

"جیسے تم کہو۔"

رخسانہ خوش ہو گئی جیسے کسی ضدی اور لاڈلے بیٹے کی اطاعت سے ماں خوش ہوتی ہے۔ اس اطاعت پر رخسانہ نے خراجِ تحسین پیش کیا۔

"بڑے اچھے ہیں آپ۔"

انجم نے پوچھا

"کب سے؟"

وہ بولی

"ہمیشہ سے۔"

انجم نے پوچھا

"سچ کہتی ہو۔"

وہ کہنے لگی

"قسم لے لیجئے۔"

انجم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں بہت برا ہوں بہت برا۔"

رخسانہ کے چہرے کی رونق ماند پڑ گئی۔

"یہ کیا کہا آپ نے؟"

وہ گویا ہوا،

"کچھ غلط تو نہیں کہا۔"

"دنیا میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو آپ کو برا کہہ سکے؟"

انجم نے جواب دیا۔

"ہاں، خود میں۔"

رخسانہ ہنسنے لگی۔

"زیادہ انکسار نہ کیجئے۔"

انجم نے سنجیدگی سے کہا۔

"واقعی جب میں اپنے اور تمہارے معاملہ پر غور کرتا ہوں تو مجھے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی ہے۔"

رخسانہ نے انجم کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے سہلاتی ہوئی بولی۔

"کیوں؟"

انجم نے ایک نفس سرد کے ساتھ کہا۔

"اس گھر میں تم ذرا بھی خوش نہ رہ سکیں۔ میں تمہیں ذرا بھی خوشی نہ دے سکا۔"

رخسانہ نے جذبات انگیز لہجہ میں کہا۔

"ایسا نہ کہیئے۔"

انجم نے پوچھا۔

"کیوں نہ کہوں؟ اپنے آپ کو بُرا کہہ کر کسی حد تک اپنے ضمیر کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتا ہوں۔ تم میری بیوی ہو، رفیقۂ حیات ہو، کیا ایک شوہر کی حیثیت سے میں کبھی بھی تمہیں سکھ پہنچا سکا کیا اس پر مجھے شرمندہ نہیں ہونا چاہیئے۔"

رخسانہ نے جواب دیا۔

"جب مجھے کوئی شکایت نہیں ہے تو آپ شرمندہ کیوں ہوں؟ آپ ضمیر پر بوجھ کیوں محسوس کریں۔"

انجم نے اضطراب کے ساتھ پوچھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟"

وہ بولی

"غلط نہیں کہتی۔ مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہیئے۔"

انجم نے متحیر نظروں سے اسے دیکھا اور پوچھا۔

"کیوں؟"

رخسانہ نے نظریں نیچی کر کے کہا۔

"اس لئے کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں، آپ کی خوشی میری خوشی ہے آپ کا سکھ میرا سکھ ہے۔ آپ میری نظروں کے سامنے رہیں۔ یہی میرے لئے بہت ہے۔"

انجم اپنی حیرت کو نہ دبا سکا، اس نے پوچھا،

"رخسانہ، یہ تم کہہ رہی ہو تم؟"

وہ بولی۔

"کیا آپ سن نہیں رہے ہیں؟ یہ میری آواز ہے یا سکینہ کی۔"

انجم ہنسنے لگا۔

کچھ دیر تک دونوں پاس پاس خاموش بیٹھے رہے، پھر انجم نے کہا

"تم نے جس طرح میری خدمت کی اسے میں کبھی نہیں بھول سکتا۔"

رخسانہ نے ذرا شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔

"اب تکلف شروع کر دیا آپ نے۔"

انجم کا ہاتھ اب تک رخسانہ کے ہاتھ میں تھا، اب وہ اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اس نے جذباتی لہجہ میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں تمہارا ممنون ہوں، تمہارے اس احسان کو کبھی فراموش نہ کر سکوں گا۔"

یہ کہتے کہتے انجم کی آنکھیں آب گوں ہو گئیں۔ رخسانہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"ایسا نہ کہیئے، میرے دل کو صدمہ ہوتا ہے ان باتوں سے۔"

پھر اس نے انجم کے ماتھے پر ہاتھ رکھا اس کے بعد اس کی نبض دیکھتی ہوئی بولی۔

"آپ زیادہ باتیں نہ کیجئے۔ نہ زیادہ سوچئے، ورنہ خدانخواستہ پھر حرارت ہو جائے گی۔"

انجم نے ذرا جھلائے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"ہنسو تم حرارت اور بخار سے ڈرتی کیوں ہو۔ کیا وہ کوئی شیر ہے جو مجھے کھا جائے گا۔"

بات ختم کرنے کے لئے وہ بولی۔

"ہاں میں اس سے شیر ہی کی طرح ڈرتی ہوں، عورت ہوں نہ، بزدل جو ٹھہری، اسے میری اور بہت سی کمزوریوں کی طرح ایک کمزوری سمجھ لیجئے انجم نے اس کی یہ کمزوری تسلیم نہیں کی۔"

"نہیں تم بہت بہادر ہو۔"

رخسانہ نے عاجز آتے ہوئے کہا۔

"میں بہادر ہوں یا بزدل۔ یہ بحث پھر کر لیجئے گا۔ اب آنکھ بند کر کے

تھوڑی دیر چپ چاپ پڑے رہیے۔

یہ کہکر اس نے خود اپنے ہاتھ سے انجم کی آنکھیں بند کر دیں، انجم آنکھیں بند کئے پڑا رہا، رخسانہ پاس بیٹھی رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد سکینہ وارد ہوئی۔ رخسانہ نے پوچھا۔

"کیوں آئی ہے۔ کوئی کام ہے۔؟"

"جی میں یہ پوچھنے آئی تھی کہ سرکار کا کھانا لے آؤں۔"

انجم نے آنکھیں کھول دیں۔

"کیا پکا ہے۔"

وہ بولی۔

"یخنی ہے اور شوربا پھلکا۔"

انجم نے سوال کیا،

"تم نے اپنے لئے کیا پکایا ہے؟"

اس نے بتایا،

قصابن بڑا اچھا گوشت لائی تھی اس کے کباب بنائے ہیں میں نے؟"

انجم نے حکم دیا۔

"یخنی بے ڈکار لیئے تم پی جاؤ، شوربا پھلکا جتنا بھی ہے ایک ہی لقمہ میں ختم کر دو۔ کباب ادھر لے آؤ۔"

سکینہ بے بسی سے رخسانہ کی طرف دیکھنے لگی۔ رخسانہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"انہیں تو ایسی ہی باتیں سوجھتی ہیں جاؤ وہی کھانا جو انکے لئے پکا ہے لے آؤ۔"

وہ چلی گئی، انجم نے کہا۔

"لیکن ایک شرط ہے۔"

رخسانہ نے سادگی کے ساتھ پوچھا۔

"وہ شرط بھی بتا دیجئے۔"

انجم نے کہا۔

"تم آدمی بن کر آؤ گی تب کھاؤں گا۔ یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے اپنا، بال الجھے ہوئے کپڑے میلے۔"

رخسانہ نے بحث نہیں کی، اپنے کمرہ میں جا کر اس نے جلدی جلدی غسل کیا ایک اچھا سا جوڑا پہنا۔ بال سنوار کر اور بن ٹھن کر واپس آئی۔ انجم اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔

"غلطی ہو گئی۔ مجھے تمہاری تصویر لے لینی چاہیئے تھی۔ پھر تم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر دیکھتیں کہ جب کیا تھیں اب کیا بن گئی ہو۔ "وہی فرق جو گل پژمردہ اور گل رعنا میں ہوتا ہے۔"

وہ مسکرانے لگی۔

"بس رہنے بھی دیجئے۔"

اب انجم بالکل تندرست تھا۔ زرینہ غسلِ صحت کا اہتمام دھوم دھام سے کر رہی تھی۔ انجم خود بھی اس طرح کی رسمیات کا قائل نہ تھا لیکن اُسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ رخسانہ ہمیشہ ان رسمیات سے بیزار رہنے اور ان کا مذاق اُڑانے کے باوجود بڑے جوش و خروش سے اس کے غسلِ صحت کا جشن منانے پر تُلی ہوئی ہے۔ سارے لق و دق مکان کی از سرِ نو رنگ آمیزی کی گئی۔ مرمت کرائی گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بالکل ایک نیا مکان بن گیا ہو، مہمانوں کی فہرست جس میں مرد، عورت، عزیز، دوست سب شامل تھے کسی طرح پانچ سو سے کم افراد پر مشتمل نہ تھی۔ منشی ثابت علی صاحب مختارِ عام کو کھلی چھٹی تھی کہ وہ دعوت کے سلسلہ میں جتنا چاہیں خرچ کریں۔ لیکن دعوت ہر جہت سے مکمل اور بے نظیر ہو۔ خوشی سے ان کی باچھیں کھلی جا رہی تھیں۔ کیونکہ اس طرح کے اختیارات جب انھیں ملتے تھے، اور ہاتھ رنگنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے تھے۔

کسی کام سے سکینہ آئی تو جذبات کو قابو میں رکھنا مشکل ہو گیا۔ منہ بگاڑ کر کہنے لگے۔

"آہا! چھوٹی بیگم صاحبہ تشریف لاتی ہیں، اجی حکم۔"

سکینہ نے تیوری چڑھا کر منشی جی کو دیکھا تو آج ان کا روپ ہی دوسرا تھا۔ خضاب لاجواب نے داڑھی کا ایک ایک بال شبِ تاریک کی طرح سیاہ کر دیا تھا۔ چوڑی دار پاجامہ، بالکل نیا ٹخنے کا۔ اس پر تنزیب کا اعلیٰ درجہ

کا انگرکھا، سر پر ایک خوب صورت اور طرح دار دو پلی ٹوپی فسانۂ آزاد کے خوجی معلوم ہو رہے تھے۔ سکینہ نے چاہا تو یہ تھا کہ منہ توڑ جواب دے کر کرکری کر دے مختار صاحب کی مشیخت۔ لیکن یہ دھج دیکھ کر اسے بیساختہ ہنسی آ گئی وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ مختار صاحب بھی اس وقت موج میں تھے اسے ہنستا دیکھ کر خود بھی ہنسنے لگے، پھر فرمایا۔

"تمہیں جب ہنستا دیکھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے نظروں کے سامنے شگوفہ کا منہ کھلا اور وہ پھول بن گیا، سکینہ بیگم ہنسو، ہنستی رہو، جب تک ہنسا جائے ہنسو، جہاں تک ہنس سکتی ہو ہنستی رہو۔"

اب سکینہ کے لیے ضبط کرنا دشوار ہو گیا۔

"واہ بڑے میاں، بالکل ہوش کھو بیٹھے۔"

بڑے میاں مختار صاحب کی چڑ تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو لڑ پڑتے لیکن اس وقت درگذر ہی میں مصلحت تھی کہنے لگے۔

"نہ جانے کیا بات ہے تم میں، واقعی تمہیں دیکھ کر میں ہوش کھو بیٹھتا ہوں۔ سکینہ بیگم۔"

"وہ اٹھلاتی ہوئی بولی۔

"مجھے دیکھ کر۔"

مختار صاحب نے کلیجہ پر ہاتھ مار کر کہا۔

"ہاں، تم خود نہیں جانتیں کہ تم کیا ہو؟ یہ کوئی میرے دل سے پوچھے، میری آنکھوں سے پوچھے، میرے جگر سے پوچھے۔"

سکینہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا

"میں کہتی ہوں بڈھوے تو اپنی اس پوپلی کو دیکھ کر بھی اسی طرح اچھل

کود نے لگتا ہے!"

اُوہ ۔ سکینہ کے یہ الفاظ بم کے گولے کی طرح مختار صاحب کے تن نیم جاں پر گرے۔ سارا عشق رفو چکر ہو گیا، ساری دیوانگی غائب ہو گئی۔ سکینہ نے آج غضب کر دیا! انہیں بھڑوا بنا دیا۔ یہ لفظ سنتے ہی مر جانا بہتر ہے اور پھر بھی بس نہیں! اپنے آپ کو ان کی نواسی اور پوتی کے برابر قرار دیدیا وہ غصہ سے تھر تھر کانپنے لگے۔ کاش ان کے یہ کمزور ہاتھ، ہاتھ نہ ہوتے شمشیر و خنجر ہوتے، تو ابھی اس بدزبان اور دریدہ دہن کی لاش تڑپتی پھڑکتی نظر آ رہی ہوتی۔ بہر حال انہوں نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے مرتعش آواز میں گرجتے ہوئے پوچھا۔

"میں بھڑوا ہوں؟"

سکینہ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

"اور نہیں کیا آدمی ہو؟"

مختار صاحب نے ہمت کر کے کہا۔

"مار ڈالوں گا!"

سکینہ نے ذرا بھی سہمے بغیر کہا۔

"کسے مار ڈالے گا موئے خدائی خوار! مجھے؟ ذرا قدم تو بڑھا کے دیکھ، چندیا گنجی نہ کر دوں تو سکینہ نام نہیں۔ لو اور سنو! مجھے دیکھ کے دیوانے ہو جاتے ہیں بابا جان! ہوش کھو بیٹھے ہیں! مجھے ہنستا دیکھ کر پھول یاد آ جاتا ہے! تھوک دوں تجھ پر اور تیری زبان پر! اب ہی عشق اچھل رہا ہے تو اپنی لڑکی سے عشق کیوں نہیں لڑاتا!"

اتنی طویل تقریر مختار صاحب کے لئے دوبھر ہو گئی، بیچ میں بول پڑے "تیری اوقات کیا ہے! پاؤں کی جوتی! ذرا منہ لگایا تو لگی بھونکنے وہی بات ہوئی اصیل سے خطا نہیں، کم اصل سے وفا نہیں!"

سکینہ نے مختار صاحب کو زیادہ دیر تک تقریر کرنے کا موقع نہ دیا۔

"اے چل پھوڑ دے! بڑا آیا اصیل بن کر! ہمیں تیرے بڑھوں تک کی خبر ہے کون تھے؟ کیا تھے؟ موا بنجارہ، بنجارے کی اولاد!"

منشی صاحب اس طرح کانپنے اور لرزنے لگے جیسے خدانخواستہ مرگی کا دورہ پڑ رہا ہے۔ انہوں نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

"چپ! —— گلا گھونٹ دوں گا ابھی!"

سکینہ نے منہ آگے کر دیا۔

"لے گھونٹ، ذرا گھونٹ تو سہی! میں بھی تو دیکھوں کتنا دم ہے تیرے ہاتھوں میں! ایسی تلی دباؤں گی کہ سانس تک نہ لیگا موا بے غیرت!"

یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی، وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ سکینہ جانے کے لئے مڑی اور جاتے جاتے اس نے بم کے بجائے ایٹم بم پھینکا، کہنے لگی۔

"اب اس گھر میں تو رہے گا یا میں —— ابھی جاتی ہوں صاحب اور بیگم صاحب کے پاس، صاف صاف کہہ دوں گی، ہاتھ بیچے ہیں ذات نہیں بیچی! جہاں کہیں جاؤں گی، محنت کروں گی اور دو روٹیاں کھانے کو مل جائیں گی کوئی کال پڑا ہے! —— اب ذرا دیر کے بعد تماشا دیکھنا، بیگم صاحب اور صاحب آ کر جب بے بھاؤ کی جوتیاں برسائیں گے!"

یہ کہہ کر وہ جانے کے لئے مڑ رہی تھی کہ منشی جی بھی تیزی سے لپک کر اپنے تخت کی طرف بڑھے اور قبل اس کے کہ وہ سمجھ سکے یہ کیا کرنے والے ہیں ان کی دستار اس کے قدموں پر تھی!

سکینہ نے جلدی سے دستار اٹھا لی، منشی صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

"نہیں سکینہ بیگم! تمہیں گھر چھوڑنے کی ضرورت نہیں، میں چلا جاتا ہوں۔ تم نے کافی سزا دے لی، ذلیل کر لیا۔ اب صاحب سے اور بیگم صاحب سے کہوں پھر سفید بالوں میں کالک لگواؤ گی! مجھے معاف کر دو میں واقعی بڑا

بھلا آدمی ہوں!"

یہ کہہ کر اپنے کاغذات سمیٹنے لگے، جیسے واقعی اس گھر کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ رہے ہیں۔ سکینہ کو ترس آگیا، اس نے سوچا یہ بوڑھا آدمی اس عمر میں کہاں کہاں ٹھوکریں کھائے گا۔ اس نے کہا۔

"میں کچھ سچ مچ تھوڑے صاحب اور بیگم صاحب سے شکایت کرنے جا رہی تھی، باقی اپنی زبان ذرا قابو میں رکھا کرو!"

منشی جی نے اطمینان کا سانس لیا اور فرمایا۔

"تمہارا حکم سر آنکھوں پر سکینہ بیگم، لیکن ذرا سوچو تو سہی جب دل ہی قابو میں نہ ہو تو زبان کیسے قابو میں رہ سکتی ہے؟ — بہر حال تمہارا حکم ہے تو دونوں کو قابو میں رکھنے کی کوشش کروں گا!"

سکینہ اپنا تبسم ضبط نہ کر سکی۔

وہ سوچنے لگی کتنا بڑا ایکٹر ہے یہ شخص بھی اتنی ذرا سی دیر میں کتنے رنگ بدلے ہیں، اس نے ذرا سا منہ لٹکایا اور پھر آگیا اپنے رنگ پر، اس نے کہا

"ارے وہ ہو، اتنی جلدی آگئے پھر اپنی اوقات پر، ایک دو دن تو صبر کیا ہوتا!"

منشی جی نے فرمایا۔

"اب تو صبر ایک ہی مرتبہ آئے گا، مر لینے دو مجھے، تم سلامت ہو تو زندگی کے دن کی!"

"اللہ جانتا ہے ایسا ڈھیٹ میں نے ساری عمر میں کوئی نہیں دیکھا"

منشی جی نے کہا۔

"ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے؟"

برس پندرہ یا چودہ کا سن
جوانی کی راتیں مرادوں کے دن

سکینہ لاجواب ہو گئی اور خاموشی کے ساتھ باہر نکل چلی گئی، منشی جی کا حوصلہ اب پھر بڑھ رہا ہے، وہ پکارتے ہی رہ گئے۔

"اری خدا کی بندی ایک بات تو سنتی جاؤ!"

لیکن وہ جا چکی تھی، اس کے جانے کے بعد منشی جی نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے جمال جہاں آرا پر ایک نظر ڈالی اور نہ جانے کیوں مسکرانے لگے، شاید انہیں یقین تھا کہ وہ بوڑھے ہیں!

انجم کے ہر طرح کے انکار کے باوجود رخسانہ کی ضد غالب آگئی آج اس کے غسل صحت کا جشن تھا!

رخسانہ کی مسرت کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، اس لئے آج سخاوت کا دریا بہا دیا گھر کے ہر ملازم کو ایک ایک جوڑا کپڑا اور ایک ایک مہینہ کی تنخواہ عطا کی سکینہ کو سونے کی چھ چوڑیاں مزید دیں منشی ثابت علی صاحب مختار عام کو دو مہینہ کی تنخواہ عطا کی، نیز ایک قیمتی جیبی گھڑی بھی، علاوہ ازیں ان سے یہ بھی کہا کہ آپ جب چاہیں حج کو جا سکتے ہیں، سارے مصارف میں دوں گی!

سکینہ منشی جی کے قریب ہی کھڑی تھی، پیچھے سے بولی۔

"نو سو چوہے کھا کے بلی حج کو چلی —— (زور سے) مختار صاحب کب جاؤ گے حج کو!"

مختار صاحب نے جل کر جواب دیا۔

"تمہاری نماز جنازہ پڑھ جانے کے بعد!"

اس جواب پر رخسانہ کو ہنسی آگئی۔ اس نے کہا

"واہ مختار صاحب آپ نے بھی منہ ایسی بات کہہ دی، خدا نہ کرے کہ ہماری سکینہ کے دشمن مریں، وہ کیوں مرنے لگی؟"

سکینہ بولی

"سرکار دیکھ لیجئے گا میں اپنے ہاتھ سے تو دوں گی اس کی لاوارث لاش!"

رخسانہ نے سکینہ کو ڈانٹا۔

"چپ رہ کیوں بکے جاتی ہے!"

منشی جی نے فریاد کی "سن لیجئے سرکار، کیسی گل فشانیاں فرمائی جا رہی ہیں! میں اگر کچھ کہوں گا تو آسمان سر پر اٹھا لیا جائے گا آپ سے شکایت کرنے کی دھمکی دی جائے گی!"

رخسانہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سکینہ سے کہا

"چل ——"

اور پھر اپنے ساتھ اسے لئے چلی گئی!

اندر پہنچ کر اس نے کہا۔

"چلو سکینہ اپنے صاحب کا کمرہ ذرا اچھی طرح ٹھیک کر دو، میری سہیلیاں وہیں آ کر بیٹھیں گی، اب وقت ہو رہا ہے آنے کا!"

سکینہ کو بھلا کیا عذر ہو سکتا تھا، اس نے کہا۔

"چلئے سرکار! —— ہاں بس وہی باقی ہے دوسرے کمرے تو میں نے صبح ہی صبح ٹھیک کر دئے تھے!"

یہ دونوں انجم کے کمرے میں پہنچیں، رخسانہ اپنی نگرانی میں کمرہ کی ایک ایک چیز صاف کرانے لگی، جب کرسیاں، تپائیاں، صوفے وغیرہ قرینے سے لگ گئے تو اس کی نظر دیواروں پر پڑی اس نے کہا۔

"جاؤ سکینہ سیڑھی لے آؤ یہ تصویریں کافی گرد آلود ہو رہی ہیں۔ انہیں صاف کر دو!"

سکینہ فوراً سیڑھی لے آئی اور اس پر چڑھ کر باقاعدہ ہر تصویر کو اتار کر پہلے جھاڑن سے صاف کرتی پھر اس کی جگہ آویزاں کر دیتی رخسانہ نیچے سیڑھی کے پاس کھڑی نگرانی کر رہی تھی کہ کسی طرح کا نقص نہ رہ جائے، اتنے میں شائستہ کی تصویر کی باری آئی سکینہ نے اسے اتارا اور صاف کرنے لگی جب صاف کر کے پھر اس کی جگہ اسے آویزاں کرنے لگی تو رخسانہ نے کہا۔

"اری پگلی! یہ ابھی صاف نہیں ہوئی اور صاف کر، چہرہ دھندلا نظر آتا ہے!"
شائستہ کے بارے میں اتنے ٹھنڈے نیک اور اچھے خیالات سن کر سکینہ کو بڑی حیرت ہوئی وہ یہ تو سمجھ رہی تھی کہ رخسانہ یہ کہے گی اس تصویر کو ہٹا کر کہیں اور رکھ دو، یا اسے پھاڑ کر پھینک دو، نہ یہ کہ اسے یہ فکر ہو رہی ہے تصویر ابھی صاف نہیں ہوئی، چہرہ دھندلا نظر آرہا ہے اس نے تعمیل حکم تو شروع کر دی، لیکن حیرت بھری نظروں سے رخسانہ کو دیکھنے لگی، یہ انقلاب اس کی فہم سے بالاتر تھا، اسی بدحواسی میں تصویر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی، رخسانہ نے اسے نیچے گرتا دیکھ لیا اسے گرنے اور ٹوٹنے سے بچانے کے لئے اس نے دونوں ہاتھ آگے کر دیئے لیکن وہ تیر کی طرح آکر اس کے رخسار سے ٹکرائی، مگر اس نے اپنے حواس قابو میں رکھے اور اس نے گرنے نہیں دیا جس طرح ہو سکا سنبھال لیا لیکن تریم کی کیل اس کے گال میں گھس گئی اور بھل بھل خون بہنے لگا۔ سکینہ خوف دہشت اور سراسیگی، ندامت اور شرمندگی کے عالم میں جلدی جلدی نیچے اتری تصویر رخسانہ کی گود میں تھی اور اب وہ رخسار کو ہاتھ سے دبائے خون روکنے کی کوشش کر رہی تھی، سکینہ سے اور تو کچھ نہ ہو سکا۔ رونے لگی!

"ہائے میرے اللہ یہ کیا ہوا؟"

رخسانہ نے اسی طرح زمین پر بیٹھے بیٹھے کہا۔

"جلدی سے ٹنکچر اور تھوڑی سی روئی لے آؤ، ابھی ٹھیک ہو جائیگا!"

سکینہ دوڑی دوڑی گئی، اس نے ٹنکچر کی شیشی سنبھالی اور روئی ڈھونڈنے لگی، اتنے میں رخسانہ سے کوئی بات کہنے انجم اس کے کمرے میں آیا۔ رخسانہ تو نہیں تھی، لیکن سکینہ گھبرائی ہوئی کمرے کے چکر روئی کی تلاش میں کاٹ رہی تھی، انجم نے پوچھا۔ "تمہاری بیگم صاحبہ کہاں ہیں؟"

وہ بولی

"سرکار وہ تو آپ کا کمرہ صاف کر رہی ہیں، وہیں ہیں!"

انجم نے جانے کے قدم اٹھائے تھے کہ سکینہ کی سراسیگی کا خیال آگیا، پوچھا،

"کیا کر رہی ہے؟"

وہ بولی

"روئی ڈھونڈ رہی ہوں سرکار ٹنکچر تو مل گیا،

انجم نے دریافت کیا۔

آخر اس وقت ٹنکچر اور روئی کی ضرورت کیا پیش آگئی ہے؟"

سکینہ نے بتایا

بیگم صاحبہ زخمی ہو گئی ہیں، خون بہہ رہا ہے!"

انجم نے پریشانی کے عالم میں اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"صاف صاف کیوں نہیں بتاتی کیسے زخمی ہوئیں؟ کیا ہوا؟"

سکینہ نے ساری داستان از اول تا آخر سنا دی، انجم نے کہا۔

روئی پر لعنت بھیجو لاؤ ٹنکچر مجھے دو!"

ٹنکچر کی شیشی اس کے ہاتھ سے چھین کر وہ جلدی سے اپنے کمرہ میں پہنچا، رخسانہ اب تک زمین پر اکڑوں بیٹھی ہوئی، رخسار پر ہتھیلی رکھے خون روکنے کی کوشش کر رہی تھی، شائستہ کی تصویر اسکی گود میں تھی، انجم لپک کر اس کے قریب آیا،

"یہ کیا ہوا رخسانہ؟"

وہ بولی

"کچھ نہیں کیل لگ گئی!"

انجم نے رخسانہ کا ہاتھ رخسار پر سے ہٹایا، خون اب تک تھوڑا تھوڑا

دس رہا تھا اور اچھی خاصی خراش آ گئی تھی، اس نے جلدی سے اپنی قمیص پھاڑی اور اس کا ایک ٹکڑا لے کر پہلے اس کا گال دھویا پھر ایک دوسرے ٹکڑے میں ٹنکچر لگا کر گال سے چپکا دیا، پھر اسے سہارا دے کر اٹھایا اور پاس پڑی ہوئی آرام کرسی پر بٹھا دیا، شائستہ کی تصویر وہ اب تک سنبھالے ہوئے تھی، وہ تصویر اس نے لے کر سکینہ کو دے دی، وہ پھر سیڑھی پر چڑھ گئی اور تصویر کو اس کی جگہ آویزاں کر دیا پھر وہ سیڑھی لے کر کمرے سے نکل گئی، انجم رخسانہ کے پاس آ کر بیٹھ گئی، اس نے پیار بھرے لہجے میں گلہ کرتے ہوئے کہا،

"یہ کیا حماقت تھی؟"

رخسانہ نے کوئی جواب نہ دیا مسکرانے لگی۔

انجم نے کہا

"خون تو کچھ ایسا زیادہ نہیں نکلا لیکن رخسار پر نشان پڑ گیا ہے، یہ ابھی کئی دن تک باقی رہے گا، رخسانہ نے بے پروائی کے ساتھ کہا۔

"رہنے دیجئے!"

انجم نے کہا

"ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے چاند میں داغ آ گیا!"

رخسانہ بولی

"آنے دیجئے!"

انجم نے کہا

"اب تمہاری سہیلیاں آتی ہوں گی، وہ داغ کا راز دریافت کریں گی۔ انہیں کیا جواب دو گی؟"

وہ کہنے لگی

"آپ کو کیا؟ اگر انہوں نے کچھ پوچھا تو مجھے جواب دینا آتا ہے!"

انجم نے سکینہ کو آواز دی، وہ آئی تو کہا۔

"جلدی سے گرما گرم کافی بنا کے لے آؤ!"

وہ چلی گئی، رخسانہ نے پوچھا،

"کافی کا یہ کون سا وقت ہے؟"

انجم نے جواب دیا

"تمہیں کمزوری محسوس ہو رہی ہو گی، ذرا توانائی آ جائے گی!"

ذرا دیر میں کافی آ گئی، انجم نے خود اپنے ہاتھ سے بنائی اور رخسانہ کے ہونٹوں سے لگا دی۔

"پی لو — یہ یخنی کی طرح بدمزہ نہیں ہے!"

رخسانہ کو اتنے زور سے ہنسی آئی کہ اچھو آ گیا۔

تین سال گزر گئے!

یہ بات نہیں تھی کہ انجم شائستہ کو بھول گیا ہے،

وہ تو اس کے خوابوں کی رانی تھی اس کے دل کی مالک تھی، اس کی روح میں بسی ہوئی تھی، کون وقت ایسا ہوتا تھا جب وہ اسے یاد نہ آتی ہو! زندگی کی ہر مصروفیت میں شائستہ اس کی نگاہ و تصور میں موجود رہتی تھی وہ جب حلقۂ احباب میں بلبل ہزار داستان کی طرح چہک رہا ہوتا تھا جب گھریلو اور انتظامی معاملات پر وہ منشی ثابت علی صاحب مختار عام جیسے مکمل وزیر سے نپٹ رہا ہوتا تھا، جب بھی شائستہ کی یاد اس کے دل میں چٹکیاں لیتی تھی جب وہ رخسانہ کی سہیلیوں کے جھرمٹ میں پیکر نشاط و مسرت نظر آتا، اور اس کے پرلطف جملے اور طنز لطیف سے بھرے ہوئے فقرے ساری محفل کو لٹا دیتے، تب بھی شائستہ کی یاد اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہوتی تھی، اب وہ رخسانہ کا اور اس کے جذبات کا بے حد خیال رکھنے لگا تھا، کسی قیمت پر اسے یہ منظور نہ تھا کہ وہ اس کا دل دکھائے یا کوئی ایسی بات کرے جس سے اس کا قلب نازک مجروح ہو، رخسانہ میں عظیم انقلاب آ گیا تھا اور یہ عظیم انقلاب نتیجہ تھا اس محبت کا جو اسے انجم سے تھی اور جو اب تک وہ اپنی نخوت، پندار اور خود بینی کے پردہ میں برابر چھپاتی چلی آ رہی تھی، لیکن اب اس کی بیماری کے بعد سے خاص طور پر وہ ہتھیار ڈال چکی تھی، حد یہ ہے کہ اپنے خوبصورت چہرے کو اس نے داغدار بنانا

اور زخمی ہونا، منظور کر لیا، مگر یہ گوارا نہ کیا کہ شائستہ کی تصویر جس سے وہ نفرت کرتی تھی "اور جس سے انجم محبت کرتا تھا۔ زمین پر گر کر چور چور ہو جائے، انجم نے اب یہ طے کر لیا تھا کہ وہ رخسانہ کے اس عظیم انقلاب کی دل سے قدر کرے گا اور اسے کبھی شکایت کا موقع نہیں دے گا۔ ایک شریف شوہر کی حیثیت سے اس کے جو فرائض ہیں، ان کو وہ پوری ذمہ داری کے ساتھ نبھائے گا اور شائستہ سے محبت کرتے ہوئے جتنی بھی اس کی دل دہی اور دل نوازی کر سکتا ہے، کرے گا، یہی وجہ تھی کہ وقت کا بڑا حصہ وہ اس کی دل داری میں صرف کرتا تھا، اس کی کوئی فرمائش، کوئی خواہش وہ رد نہیں کرتا تھا، بلکہ اب تو اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ خود دل نہ چاہنے کے باوجود، کبھی اس سے سینما چلنے کی فرمائش کر دیتا، کبھی کوئی اور سیر و تفریح کا پروگرام بنا لیتا۔ رخسانہ بھی دل ہی دل میں انجم کے اس انقلاب عظیم پر خوش تھی اور خدا کا شکر ادا کرتی تھی کہ اس نے اس کی چھینی ہوئی دولت اسے لوٹا دی۔

جب تک انجم رخسانہ کے پاس بیٹھتا، اس کی دل داری کی باتیں کرتا رہتا، بازار جاتا تو اس کے لئے ضرور کوئی چیز لے کر آتا، کبھی ساڑی کبھی سینڈل، کبھی طلائی بندے، کبھی زرنگار چوڑیاں، کبھی شال، کبھی دوپٹہ، ڈھیروں چیزیں جمع ہو گئی تھیں اس کے پاس بعض وقت تو وہ تنگ آ کر کہہ دیتی۔

"آخر اتنی ساری چیزیں آپ کیوں لے آتے ہیں، میں کیا کروں گی ان کا؟"

وہ کہتا

"استعمال کرو گی!"

جب کبھی باہر جانا ہوتا تو اکثر ایسا ہوا کہ اس نے رخسانہ کا لباس

از سرِ نو تبدیل کرایا۔

"لاحول ولا قوۃ، یہ کیا پہن کر آئی ہو! —— وہ کاسنی رنگ والی ساری کیا ہوئی؟"

وہ جواب دیتی

"رکھی ہے!"

انجم چڑھ کر کہتا

"کیا رکھنے کے لئے لائی گئی ہے؟ پہنتیں کیوں نہیں؟"

وہ بڑے ناز سے جواب دیتی

"اب! اس وقت؟" —— پہن لوں گی پھر کسی دن!"

انجم اصرار کرتا

"کسی دن کیوں، آج کیوں نہیں؟"

وہ بظاہر چڑ کر خوشی کا جھولا جھولتی، فخر و غرور سے بے خود، نشۂ مسرت سے چور ڈریسنگ روم میں پہنچ جاتی اور ذرا دیر میں وہی کاسنی رنگ کی ساری پہن کر نمودار ہوتی۔ انجم اس دھج میں اسے دیکھ کر خوش ہو جاتا، کہتا

"اب معلوم ہوتی ہو رخسانہ! —— ذرا آئینہ میں اپنی شان تو دیکھو" وہ اور اتراتی ہوئی کہتی۔

"آپ تو بس اسی طرح کی باتیں کیا کرتے ہیں۔"

شائستہ کی تربیت گاہِ نسواں نے بہت جلد ایک باوقار ادارہ کی صورت اختیار کر لی، شروع میں تو شریف خاندانوں کی لڑکیاں ذرا کترائیں لیکن شائستہ کی شہرت، مقبولیت اور سیرت سے متاثر ہو کر معززینِ شہر نے اپنی لڑکیاں بھیجنا شروع کر دیں، اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ جو خاندان بڑی سختی سے روایاتِ قدیمہ پر عامل تھے اور جن کے گھر کی لڑکیوں کو چشمِ فلک نے بھی کبھی مشکل سے دیکھا ہوگا جنہیں اس پر فخر تھا کہ ہماری لڑکیوں نے کبھی گھر کی دہلیز سے باہر قدم نہیں رکھا، وہ بھی ڈولیوں میں بیٹھ کر تربیت گاہ میں باقاعدگی سے آنے لگیں۔ ان کے ماں باپ کو شائستہ پر اتنا ہی اعتماد تھا، جتنا وہ خود اپنے اوپر رکھتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ تربیت گاہ میں کوئی تقریب ہوتی اور رات کے دس دس بجے تک ان لڑکیوں کو رہنا اور اس میں حصہ لینا پڑتا، مگر کیا مجال ہے کہ قدامت پرست والدین نے اس پر کبھی اعتراض کیا ہو یا اپنی لڑکیوں کو ایسی تقریبات میں حصہ لینے سے روکا ہو، ان کا خیال تھا کہ صرف تربیت گاہ ہی ایک ایسا ادارہ ہے جہاں کسی طرح بھی لڑکی بگڑ نہیں سکتی، اتنا اندھا اعتماد حاصل کر لیا تھا شائستہ نے۔

اختر حسین اور ناہید، مرزا پور سے سیتا پور، اپنے علاقہ کے انتظام اور دوسری ضروریات اور مصروفیات کے سبب اکثر آیا کرتے تھے، اس سے پہلے ان کا یہ معمول تھا کہ آئے دو چار روز اپنی کوٹھی میں رہے اور چلے گئے، لیکن جب سے اس کوٹھی کے ایک حصہ میں تربیت گاہ قائم ہوئی تھی تو یہ لوگ جب آتے تو مہینہ مہینہ بھر بلکہ کبھی اس سے بھی زیادہ رہ جاتے، اختر حسین پر

شائستہ کے کردار اور سیرت کا بڑا اثر تھا، وہ اکثر کہا کرتے تھے، اگر ہماری قوم میں ایسی عورتیں پیدا ہونے لگیں جیسی شائستہ ہے تو اس کے دن پھر جائیں پھر یہ زوال آمادہ قوم بامِ عروج پر پہنچ جائے اور ناہید کا تو یہ عالم تھا کہ وہ شائستہ کا کلمہ پڑھتی تھی، حافظ و غالب اسی کا ذکر اور وہ بھی ایسے باعظمت انداز میں جیسے کوئی مرید اپنے مرشد کا ذکر کر رہا ہو!

ناہید جب سیتاپور آتی، اور اپنی کوٹھی میں مقیم ہوتی تو زیادہ وقت شائستہ ہی کے ساتھ صرف ہوتا، ناشتہ کے بعد وہ تربیت گاہ آجاتی یہاں کا انتظام، یہاں کے طور طریقے، یہاں کا رہن سہن، یہاں کا انداز تعلیم دیکھتی، اور بہت کچھ سیکھتی، وہ شریف گھرانوں کی ایسی کئی لڑکیوں سے واقف تھی جو یہاں آنے سے پہلے نری گاؤدی تھیں، پھوہڑ، نہ پڑھنے کی تمیز، نہ لکھنے کا سلیقہ، نہ بات کرنے کا ڈھنگ، نہ آداب و شائستگی سے واقف، نہ امور خانہ داری سے دلچسپی، نہ سینے پرونے سے واقفیت سارا وقت ہڑدنگوں میں صرف ہوتا، لیکن وہی لڑکیاں یہاں آکر، شائستہ "آپا" کے فیضِ صحبت سے کچھ سے کچھ بن گئیں، ان میں سجاوٹ آگئی سلیقہ آگیا، شائستگی آگئی، لگن آگیا، وہ باتیں کرتیں تو ان کے منہ سے پھول جھڑتے، نہایت باادب، باسلیقہ، باوضع، اب معلوم ہوتا تھا، یہاں آکر ان کی سیرت اور فطرت اس طرح بدلی کہ کایا پلٹ ہو گئی۔

کبھی کبھی ناہید ان لڑکیوں کا امتحان لیتی، تو یہ دیکھ کر حیران رہ جاتی کہ جنہیں بات کرنے کا بھی شعور تھا نہیں، وہ علمی مضامین پر ایسی رواں شگفتہ اور معلومات افزا باتیں کرتیں کہ وہ دنگ رہ جاتی، پھر ان لڑکیوں کا کام دیکھتی تو اور زیادہ حیران ہوتی، کشیدہ کاری ہو، یا سوزن کاری سب میں طاق۔

اسی طرح کے ایک واقعہ سے متاثر ہو کر اس نے شائستہ سے کہا۔

"تم جادوگر ہو!"

وہ کہنے لگی۔

"یہ کیسے جانا آپ نے؟"

ناہید نے کہا۔

"اس لڑکی صالحہ کو میں اچھی طرح جانتی ہوں، اس کے ماں باپ بھی اس سے مایوس تھے، اتنی ضدی، اتنی پھوہڑ، اتنی خود سر اور اتنی جاہل تھی کہ خدا کی پناہ اور اب دیکھتی ہوں تو اسم بامسمیٰ نظر آرہی ہے۔ سچ مچ صالحہ بن گئی ہے، نماز کی پابند، گفتگو اتنی شیریں کہ بس سنے جاؤ، علمی مضامین پر ایسی نگاہ اور دسترس کہ کیا کالج کے لڑکے مقابلہ کر سکیں گے۔ اسکا کام اس کی کشیدہ کاری اور سوزن کاری کے نمونے دیکھ کر تو میں دنگ رہ گئی، کل اس کا پکایا ہوا کھانا بھی چکھا، زبان اب تک چٹخارے لے رہی ہے، پہلے میرا خیال تھا جب گھر میں بیاہ کر جائے گی، دوسرے ہی ہفتہ چوٹی پکڑ کر نکال باہر کی جائے گی، اب سوچتی ہوں جس گھر میں بھی جائے گی، آفتاب و ماہتاب کی طرح چمکے گی، کون اونچے سے اونچا گھر ہے جو ایسی بہو پر فخر نہ کرے! اور یہ سارا انقلاب صرف ڈیڑھ سال کے اندر، اسے یہاں داخل ہوئے، اس سے زیادہ وقت تو نہیں ہوا، —— اب اگر اسے تمہاری جادوگری نہ کہوں تو کیا کہوں!"

شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خوب بنا لیجئے جی بھر کے!"

ناہید نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا

"بعض وقت تو جی چاہتا ہے سب کچھ چھوڑ چھاڑ میں بھی کچھ دنوں کے لئے یہاں آکر داخل ہو جاؤں!"

شائستہ کھل کھلا کر ہنس پڑی۔

"تاکہ میرے سر پر ایک بال بھی نہ رہے، تربیت گاہ میں تالا لگ جائے، اور میں فٹ پاتھ پر ڈیرا جمائے نظر آؤں، خوب سوجھی بھی آپ کو!"

ناہید نے کہا۔

"کچھ پاگل ہوئی ہو، ایسا کیوں ہونے لگا؟"

"ایسا ہی ہوگا اختر بھائی میری جان کے دشمن ہو جائیں گے، اسی دن تو آپ کو مخاطب کرکے کہہ رہے تھے' — وہ کافر جو خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے — بھلا جسے وہ خدا کو بھی سونپنے کو تیار نہیں، اسے میرے حوالے کر دیں گے؟"

ناہید ہنسنے لگی

"اوہ، ان کا کیا، وہ تو ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں!"

شائستہ نے اختر حسین کا پارٹ لیتے ہوئے کہا۔

"اتنا تو چاہتے ہیں آپ کو!"

ناہید نے کچھ فخر کچھ ناز کے ساتھ کہا

"چاہتے تو بہت ہیں، لیکن ان کی چاہت بعض وقت تو بلائے جان بن جاتی ہے۔"

شائستہ نے پوچھا

"یہ کیوں؟"

وہ کہنے لگی

"نہ کہیں جانے دیں، نہ آنے دیں، ہر وقت سایہ کی طرح ساتھ لگے ہیں، یہ نہ کھاؤ، وہ نہ پیو، اب سو جاؤ، آپ آرام کرو، سردی بہت ہے رضائی کیوں اوڑھے ہو لحاف اوڑھ لو، اور چاہے سردی بہت نہ پڑے مگر کہتے کہتے لحاف اڑھا بھی دیں گے!"

شائستہ مسکرانے لگی۔

ناہید نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"اب دیکھو نا مرزا پور سے میں یہاں اس لئے آئی تھی کہ ذرا چند دن آزاد فضا میں گھوم لوں گی، لیکن دیکھ لو، کل شام کو میں پہنچی ہوں، اور آج صبح خود بدولت تشریف لے آئے، میں نے پوچھا:

"یہ کیا! — آپ کیسے آ گئے؟"

بڑی سادگی کے ساتھ فرمایا۔

"تم یہاں تھیں تو میں وہاں رہ کر کیا کرتا؟"

شائستہ نے کہا۔

"دیکھئے ہمارے اختر بھائی کتنا چاہتے ہیں آپ کو!"

ناہید بولی

"ہاں بہت چاہتے ہیں، لیکن تمہیں تو پوجتے ہیں، میں ان کی محبوبہ ہوں تم معبود ہو!"

شائستہ نے گال پیٹتے ہوئے کہا۔

"توبہ کیجئے ناہید باجی — واہ!"

ناہید ہنسنے لگی۔

تربیت گاہ کی مالیات کا کام اتنا بڑھ گیا تھا کہ اب زبیدہ کی امداد کے باوجود شائستہ اسے سنبھال نہیں سکتی تھی، طے ہوا کہ اکاؤنٹنٹ رکھ لیا جائے جو سارے حساب کتاب کا ذمہ دار ہو، چنانچہ اخبار میں اشتہار دیا گیا، دوسرے روز امیدواروں کا تانتا بندھ گیا، بہت سے تجربہ کار اور ناتجربہ کار آدمی درخواست لئے ہوئے موجود تھے، شائستہ اور زبیدہ انٹرویو لے رہی تھیں، اور امیدواروں میں ایک نوجوان نسیم تھا۔ یہ ایک مقامی کالج میں بی کام کے درجہ میں پڑھ رہا تھا، شائستہ کو سب سے زیادہ

نااہل یہی شخص نظر آیا تھا۔ اس نے کہا

"آپ تو کالج میں پڑھتے ہیں، پھر ہمارے ہاں کام کیسے کر سکیں گے! اس کے علاوہ آپ کچھ تجربہ کار بھی نہیں ہیں!"

زبیدہ بیچ میں بول پڑی

"ایسے کیا بالکل تجربہ کار نہیں ہیں!"

نسیم نے اپنی قسمت کا فیصلہ اس طرح ہوتے دیکھا تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اس نے شائستہ سے کہا۔

"میں آپ کی بڑی تعریف سن کر آیا تھا یہاں!"

پھر زبیدہ نے مداخلت کی۔

"کیا آپ نے ان کی یہ تعریف سنی تھی کہ نااہل اور غیر ضروری لوگوں کو بھی یہ ملازم رکھ لیتی ہیں!"

شائستہ کو نسیم کے آنسوؤں پر ترس آ گیا" اس نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

"ہم آپ کو ضرور رکھ لیتے اگر آپ ہمارے کام آ سکتے!"

زبیدہ نے شائستہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا

"پہلے تو یہ بتائیے، ان کے بارے میں آپ نے کیا سنا تھا!"

نسیم نے جواب دیا

"یہ کہ دوسروں کی مصیبت پر ان کا دل کڑھتا ہے، تباہ حالوں اور آشفتہ روزگاروں کے یہ کام آتی ہیں، جن کا کوئی سہارا نہیں ہوتا، انہیں یہ سہارا دیتی ہیں!"

زبیدہ نے طنز کیا

"بہت مایوسی ہوئی ہو گی آپ کو ان سے مل کر!"

شائستہ نے ٹوکا۔

"زبیدہ ایسی باتیں نہ کرو!"

پھر وہ نسیم سے گویا ہوئی،

"یقین کیجئے، مجھے آپ سے بہت ہمدردی ہے لیکن تربیت گاہ کی آپ سے بھی زیادہ ہمدرد ہوں، آپ کو رکھ لینے میں مجھے کوئی تامل نہ تھا لیکن کام،

نسیم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا،

"میں کامرس کا طالب علم ہوں، بک کیپنگ سے واقف ہوں آپ کا سارا کام دو تین گھنٹے میں ختم کر دیا کروں گا۔ اگر ایسا نہ کر سکوں، یا میرا کام قابل اطمینان نہ ہو تو بے شک مجھے نکال دیجئے گا!"

زبیدہ بولی

"پھر آپ سچ مچ رونے لگیں گے، شاید پھوٹ پھوٹ کر!"

نسیم نے کہا

"آپ میرا مذاق اڑا سکتی ہیں، لیکن اگر آپ پر بھی وہی بپتا پڑی ہوتی جس کا میں شکار ہوں تو شاید آپ نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا ہوتا!"

شائستہ نے زبیدہ کو ٹوکا۔

"تم چپ نہیں رہو گی!"

پھر نسیم سے کہا

"واقعی آپ بہت پریشان معلوم ہوتے ہیں ــــ"

نسیم نے اپنی پریشانیوں کا سلسلہ شروع کر دیا،

"والد کا انتقال ہو چکا، ان کی بیماری میں گھر کے برتن بک بک گئے دو چھوٹے بھائی بہن جو پڑھ رہے ہیں، دو نوجوان بہنیں ہیں، ایک بوڑھی ماں ہے، میں خود ہوں، چاہتا ہوں کہ تعلیم کی تکمیل کر لوں تاکہ کوئی معقول

ملازمت مل سکے، پھر اپنی ماں کو مکہ بھجوا دوں، بہنوں کی شادی کروں، بھائیوں کو اعلیٰ تعلیم دلاؤں لیکن اگر ڈگری لینے سے پہلے مجھے تعلیم کا سلسلہ بند کر دینا پڑا تو یہ سارا خواب پریشان کن ہو گا، ماں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے گی، بہنیں بوڑھی ہو جائیں گی، مگر ان کی شادی نہ ہو سکے گی، بھائی محلہ میں آوارہ گردی کرتے کرتے غنڈے اور بدمعاش بن جائیں گے، میری اس ملازمت پر میرے پورے خاندان کے مستقبل کا انحصار ہے، بڑی امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ حاضر ہوا تھا۔"

شائستہ نے مداخلت کرتے ہوئے ایک تاثر کے عالم میں کہا،

"نسیم صاحب آپ کی ناتجربہ کاری کے باوجود میں آپ کو رکھ لیتی، لیکن یہ تو بتائیے، ملازمت اور تعلیم کا سلسلہ آپ بیک وقت کس طرح جاری رکھ سکتے ہیں؟"

نسیم نے جواب دیا

"آپ اگر کرم فرمائیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔"

شائستہ نے سوال کیا

"کس طرح بتائیے بھی تو سہی؟"

وہ بولا

"تربیت گاہ کی عمارت میں کوئی کوٹھری عنایت کر دیجئے، میں اپنا مستقل نشیمن بنا لوں گا، اس طرح ہوسٹل کے مصارف بچ جائیں گے، کھانا اچھا پکانا جانتا ہوں، خود ہی اسٹوو پر پکا لیا کروں گا، کالج سے واپس آنے کے بعد جب تک تربیت گاہ کا کام نہ ختم کر لوں گا، چاہے رات کے بارہ بج جائیں، اس کے بعد بھی اگر کچھ کام رہ گیا تو اتوار کو سارا دن کر نکال دیا کروں گا، لیں تنخواہ کا بڑا حصہ میں والدہ کو بھیج دیا کروں گا۔"

شائستہ نسیم کے اس پروگرام سے بہت متاثر ہوئی۔

"لیکن اس طرح آپ بیمار پڑ جائیں گے۔"

نسیم نے کہا

"میں مرنے سے نہیں ڈرتا، آپ بیماری سے ڈرتی ہیں!"

شائستہ نے پوچھا

"آپ تنخواہ کیا لیں گے؟"

نسیم نے کہا

"میرا خیال ہے سو روپے تو ہونے چاہئیں!"

زبیدہ پھر بول پڑی

"اتنا انکسار بھی نہ کیجئے، کم از کم دو سو تو کہیے ——— مرزخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز!"

نسیم نے کہا

"اگر یہ رقم آپ کے خیال میں زیادہ ہے، تو جو بھی آپ دیں، مجھے منظور ہے!"

شائستہ نے کہا۔

"نسیم صاحب آپ رکھ لئے گئے!"

نسیم بے ساختہ کہہ اٹھا،

"شکریہ ———"

شائستہ نے بتایا

"فی الحال آپ کو ڈیڑھ سو ماہوار ملیں گے، لیکن اگر ایک مہینے کے بعد آپ کا کام قابلِ اطمینان ہوا تو دو سو ملنے لگیں گے!"

نسیم نے شکریہ ادا کرنا چاہا، مگر زبان نے ساتھ نہ دیا، زبیدہ نے کہا

"ایک مرتبہ مٹھائی، اس وقت کھلائیے، دوسری مرتبہ پہلی تنخواہ ملنے کے بعد کھلائیے گا!"

شائستہ نے نسیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا

"امید ہے، اپنا فرض آپ، دیانت، محنت اور شرافت کے ساتھ انجام دیں گے!"

نسیم نے عجز و انکسار کے لہجہ میں کہا۔

"میری دلی آرزو ہے کہ آپ کے اعتماد کا اہل ثابت ہو سکوں!"

شائستہ نے کہا

"تربیت گاہ کے کمروں سے ہٹ کر ملازمین کے جو کوارٹر ہیں، وہ خالی ہیں، ان میں سے ایک میں آپ اقامت اختیار کیجئے اور دوسرے میں اپنا دفتر قائم کر لیجئے، کیونکہ یہاں تربیت گاہ کی عمارت میں آپ کا آنا جانا اور اٹھنا بیٹھنا مناسب نہیں، کیونکہ اس سے پردہ میں خلل پڑے گا وہاں آپ یکسوئی سے اپنا کام کر سکیں گے۔!"

نسیم نے ممنون نگاہوں سے شائستہ کو دیکھا اور کہا

"بہت بہتر — کیا میں کل سے آجاؤں؟"

شائستہ نے جواب دیا

"ہاں آجائیے!"

زبیدہ بولی

"لیکن اپنا اسٹوو بھی ساتھ لائیں گے نا؟"

وہ بولا

"جی ہاں، وہ تو ضرور لاؤں گا مگر کیوں؟" نسیم نے کہا

"کل ہمارا کھانا آپ ہی کو پکانا پڑے گا، ذرا دیکھیں تو سہی آپ کیسے باورچی ہیں؟"

شائستہ ہنسنے لگی

"زبیدہ تم بہت نالائق ہو!"

وہ بولی

"جی ہاں، اب ایسے نالائق فائق آدمیوں کی موجودگی میں اگر میں نالائق نظر نہ آؤں گی تو کون نظر آئے گا؟"

نسیم نے شائستہ کا ایک بار پھر شکریہ ادا کیا اور چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد شائستہ نے زبیدہ کو جھڑکا۔

"تمہیں یہ بھی تمیز نہیں کہ آدمی سے کس موقع پر کیسی بات کرنی چاہئے ایک مصیبت زدہ آدمی کا مذاق اڑاتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی!"

زبیدہ نے جواب دیا

"آہا آپ تو ہر شخص کو ستم رسیدہ سمجھ کر اس کی امداد کو تیار ہو جاتی ہیں!"

دوسرے ہی دن نسیم بوریہ بستر لے کر آ گیا۔

جس عمارت میں تربیت گاہ تھی، اس سے چند قدم کے فاصلہ پر تین سرونٹ کوارٹر تھے، اچھے خاصے وسیع، کشادہ اور آرام دہ کمرے، چونکہ یہ کوارٹر اخر جمین کی کوٹھی کی اینکسی سے متعلق تھے، لہٰذا یہ بھی شائستہ کی تحویل میں تھے لیکن خالی، اب یہ آباد ہو گئے، ایک میں دفتر قائم ہو گیا، دوسرے میں نسیم نے ڈیرہ جما لیا، تیسرے میں کاٹ کباڑ اور دوسری غیر ضروری چیزیں رکھ دی گئیں۔

نسیم نے آتے ہی سارا کام سنبھال لیا، دن رات ایک کر کے پہلے تو اس نے جتنا کام بقایا میں پڑا تھا، یا جو گڈمڈ تھا، اسے مکمل کیا اور اس کے بعد پوری تندہی اور محنت سے کام لے کر روز نامکام روز ختم کر دیتا، شائستہ اس کی کارگزاری اور محنت سے بہت متاثر ہوئی، شروع میں تو دو چار روز نسیم نے خود اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا، لیکن جلد ہی شائستہ نے اس جنجال سے اسے نجات دلا دی، ایک روز فریدہ کے ساتھ وہ ناہید کے اصرار سے مجبور ہو کر سینما چلی گئی، انکار تو اس نے بہت کیا، لیکن ایک طرف ناہید ضد کرتی رہی، دوسری جانب فریدہ اڑ گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ اسے بادل ناخواستہ ہتھیار ڈال دینا پڑے اور وہ کھیل دیکھنے چلی گئی، کوئی بارہ بجے رات کے قریب واپس آئی، ناہید کو اس کے کمرے میں پہنچا کر، فریدہ کے ساتھ وہ بالاخانہ کی

کی طرف بڑھی دفعتاً چلتے چلتے اس نے فریدہ سے کہا۔

"دیکھنا نسیم صاحب کے کمرے میں اب تک روشنی ہو رہی ہے!"

وہ بولی

"جی ہاں! کھٹملوں کا شکار کر رہے ہوں گے بجلی کی روشنی میں!"

شائستہ اپنے بالاخانے کی طرف جاتے جاتے نسیم کے کمرے کی طرف بڑھی دروازہ بھڑا ہوا تھا، ذرا سے اشارے میں کھل گیا وہ اندر داخل ہوئی تو دیکھا نسیم صاحب نہایت اطمینان سے چٹنی کے ساتھ سلائس کھا رہے ہیں اس نے پوچھا،

"یہ کون سا وقت ہے کھانے کا نسیم صاحب؟"

اس نے عرض کیا

"آج رجسٹر کی خانہ پری میں بہت دیر لگ گئی، گیارہ بجے اس کام سے فارغ ہوا تو کل کے سبق کا مطالعہ کرنے بیٹھ گیا، خیال ہی نہ رہا، کھانا نہیں کھایا ہے، اب کام ختم کر کے سونے چلا تو پیٹ میں چوہے دوڑنے لگے میں نے کہا، دو چار ٹکے کھا ہی لوں!"

فریدہ نے ذرا آگے بڑھ کر پوچھا

"کیا تناول کیا جا رہا ہے؟ سنا ہے آپ کھانا بڑا اچھا پکا لیتے ہیں ذرا ہمیں بھی چکھائیے!"

وہ بولا

"جو کچھ موجود ہے، وہ حاضر ہے ویسے آج میں نے پکایا کچھ نہیں!"

فریدہ نے سوال کیا۔

"کیوں نہیں پکایا؟"

وہ بولا

"وقت ہی نہ ملا، ٹماٹر کی چٹنی حاضر ہے!"

اپنے کام، اپنی محنت، اپنی فرض شناسی کے باعث نسیم نے شائستہ کی نگاہ میں عزت اور وقعت حاصل کر لی۔ تربیت گاہ کے معاملات و مسائل میں وہ اس کی رائے کو بہت اہمیت دیتی تھی۔ اس کے خلوص اور اصابت رائے پر اسے بہت بھروسہ تھا۔ اس نے نہ صرف مالیات اور حساب کتاب کا شعبہ پورے طور پر سنبھال لیا تھا۔ بلکہ جملہ انتظامی معاملات بھی اسی کی مٹھی میں آ گئے تھے اور اب رفتہ رفتہ وہ تربیت گاہ کے سیاہ سفید کا مالک بن گیا تھا۔ جس معاملہ میں جس مسئلہ میں، جس قضیہ میں جو کچھ وہ کہہ دیتا، اسے حرف آخر کی حیثیت حاصل تھی۔ شائستہ بلا تامل، اس پر صاد کر دیتی تھی، اور دوسروں کو چار و ناچار سر تسلیم خم کرنا پڑتا تھا۔

نسیم کے اس اقتدار نے تربیت گاہ کی کئی استانیوں اور کارپردازوں کو در پردہ اس کا مخالف بنا دیا تھا، لیکن شائستہ کا رعب ایسا تھا کہ کسی کو یارائے دم زدن نہ تھا۔ شائستہ کی خفگی مول لینا کسی کو بھی منظور نہ تھا۔ شائستہ کی طرف سے لوگ اس کی ناگوار اور ناپسندیدہ باتوں کو بھی برداشت کر لیتے تھے اگرچہ دل میں کڑھتے اور جلتے ضرور تھے، اور موقع کی تاک میں رہتے کہ کوئی بات ہاتھ آئے اور اس کے اقتدار کو منہدم کر کے رکھ دیں، لیکن یہ آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی جہاں تک شائستہ

کا تعلق تھا، وہ ان سے قطعاً ناواقف اور لاعلم تھی، ہر اختلافی معاملہ میں زبیدہ بھی اسی کا پارٹ لیتی تھی، کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ زبیدہ خوشامدی ہے اس لئے شائستہ کو خوش رکھنے کی خاطر ایسا کرتی ہے، بعض کا خیال تھا، یہ زبیدہ ہی ہے جو شائستہ پر بری طرح حاوی ہے اور چونکہ یہ نسیم کا پارٹ لیتی رہتی ہے، لہٰذا غیر محسوس طور پر شائستہ اس کی رائے سے متاثر ہو کر نسیم کو زیادہ آگے بڑھانے لگی ہے

سالانہ ترقی کے موقع پر دوسروں کی تنخواہوں میں پانچ سے لے کر بیس تک کا اضافہ ہوا لیکن نسیم کی تنخواہ میں ایک دم سو روپے کا اضافہ ہو گیا، اس کا تقرر ڈیڑھ سو روپے پر ہوا تھا، لیکن جب پہلی تنخواہ ملی تھی پچاس روپے بڑھ گئے تھے یعنی ڈیڑھ سو کی بجائے دو سو روپے اور اب سال بھر کے بعد مزید سو روپے کا اضافہ ہو گیا، شائستہ اپنے کمرہ میں بیٹھی تھی، نسیم کاغذات لئے سامنے کھڑا تھا، اور وہ ایک ایک کاغذ پر دستخط کرتی جاتی تھی، کبھی کسی کاغذ پر نگاہ ڈال لیتی، کسی پر نہ دیکھے اور پوچھے دستخط کر دیتی تھی، اتنے میں زبیدہ آ گئی، اس نے آتے ہی نسیم سے کہا۔

"میری رائے یہ ہے کہ آپ استعفا دیدیجئے!"

نسیم نے بڑی آمادگی کے ساتھ کہا۔

"اگر آپ کہتی ہیں تو سمجھ لیجئے کہ میں نے استعفا دے دیا!"

شائستہ نے قلم ہاتھ میں لئے لئے نظر اٹھا کر زبیدہ کو ایک دفعہ دیکھا پھر نسیم کو، اس کے بعد کہا۔

"یہ کیسی باتیں ہو رہی ہیں! تم نسیم صاحب سے استعفا کیوں طلب کر رہی ہو اور نسیم صاحب آپ اتنی اطاعت مندی سے استعفا دینے پر کیوں تیار ہو گئے؟"

نسیم نے جواب دیا۔

"اگر کوئی اعتماد کھو دے تو پھر اس کو وہاں نہیں رہنا چاہئے مِس زبیدہ کے انداز سے میں نے یہ اندازہ لگایا کہ شاید مجھ پر اعتماد نہیں رہا پھر یہاں رہ کر کیا کروں گا!"

شائستہ نے کہا۔

"لیکن میری کس بات سے اندازہ ہوا کہ آپ میرے اعتماد سے محروم ہو چکے ہیں؟"

نسیم نے کچھ تامل کرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ میں اور مس زبیدہ میں کوئی فرق نہیں سمجھتا، میرا خیال ہے کہ اگر میں ان کے اعتماد سے محروم ہو جاؤں تو ایک لمحہ کے لئے بھی آپ کے اعتماد سے بہرہ ور نہ رہ سکوں گا!"

شائستہ نے پوچھا،

"یہ کیوں؟"

وہ بولا

اس لئے کہ بعض دوسرے لوگوں کی طرح میرا بھی یہ خیال ہے کہ آپ مس زبیدہ کی آنکھ سے دیکھتی، ان کے کان سے سنتی اور ان کے دماغ سے سوچتی ہیں۔"

شائستہ ہنسنے لگی

"ہاں، میں اسے بہت چاہتی ہوں، یہ صحیح معنی میں میرا سہارا ہے لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ اس کی احمقانہ باتوں کو بھی مان لیا کروں —— کیوں جی زبیدہ، یہ آخر تمہیں سوجھی کیا تھی؟"

وہ سوکھا سا منہ بنا کر کہنے لگی

"آپا! آپ تو بڑی بھولی ہیں، آپ کو کیا معلوم اندر اندر کیا طوفان

اٹھ رہے ہیں؟"

شائستہ نے حیران ہو کر سوال کیا

"طوفان؟ ——"

وہ بولی

"جی ہاں —— نسیم کی تنخواہ میں سو روپے کا اضافہ ہوا ہے، نہ جانے کون کون انگاروں پر لوٹ رہا ہے اس اضافہ سے!"

شائستہ نے پھر سوال کیا

"لیکن اس کی وجہ؟"

زبیدہ نے کہا

"وجہ کیا، بس خباثتِ نفس اور کیا؟"

شائستہ نے کہا۔

"نسیم صاحب میرے کچھ لگتے ہیں تو نہیں، نہ یہ ادارہ اس لئے کھولا گیا ہے کہ اس کی آمدنی سے ان کی جیب بھری جائے لیکن اگر وہ ایماندار اور محنتی ہیں، فرض شناس ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ میں ان کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی نہ کروں، جتنا کام یہ کر رہے ہیں، وہ تین آدمیوں سے بھی نہیں نبٹ سکتا، میں جانتی ہوں، نسیم صاحب کی جو تنخواہ میں دے رہی ہوں اس سے تگنی تنخواہ میں بھی اتنے کام نہیں نکل سکتے جتنے وہ کر لیتے ہیں یہ بیچارے کلرک بھی ہیں، اکاؤنٹنٹ بھی، ٹائپسٹ بھی، خط و کتابت بھی یہی کرتے ہیں، رسیدیں بھی کاٹتے ہیں، کہیں ادھر اُدھر کام سے جانا ہو، تو دوڑ دھوپ میں بھی کسی سے پیچھے نہیں، ان میں سے ہر کام کے لئے ایک الگ آدمی ہونا چاہئے، سب کی مجموعی تنخواہ کس طرح پانچ سو سے کم نہ ہوگی، میں تو نسیم صاحب کو صرف تین سو دیتی ہوں۔ یہ ان کا ایثار ہے، یا میری غلط بخشی اور فیاضی،

بہت متاثر ہوتے ہوئے زبیدہ نے کہا۔

"لیکن آپا، لوگ تو اپنا مفاد دیکھتے ہیں، ان حقائق پر جو آپ نے بیان کئے، کون غور کرتا ہے؟"

شائستہ بولی۔

"تو ان کی ناسمجھی کی ذمہ داری مجھ پر تو عائد نہیں ہو سکتی؟"

زبیدہ نے تائید کی۔

"بات تو ٹھیک کہتی ہیں آپ..... اس وقت تو رضیہ سے میری خاصی لڑائی ہو گئی، منہ بگاڑ کر کہنے لگیں، ہماری تنخواہ میں صرف بیس روپے بڑھائے گئے اور نسیم صاحب کے ایک دم سو روپے بڑھ گئے! کاش ہم بھی مرد ہوتے!"

یہ سن کر شائستہ کا چہرہ سرخ ہو گیا، زبیدہ نے کہا۔

"میں نے بھی وہ جواب دیا ہے کہ بی رضیہ زندگی بھر یاد کریں گی میں نے کہا، ہاں تم مرد تو نہیں بن سکتیں، لیکن نسیم صاحب کی سی قابلیت تو پیدا کر سکتی ہو، وہ قابلیت پیدا کر لو، اگر تمہارے چار سو نہ کرا دوں تو میرا نام بدل دینا۔ کھسیا گئیں، پھر کچھ نہ بول سکیں!"

نسیم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ میرا وجود موضوع بحث بنے واقعی مجھے رخصت کر دیجئے!"

شائستہ بولی۔

"آپ خود اگر استعفا دینا چاہیں، تو میں مزدر قبول کروں گی لیکن اگر اس طرح کی لغو اور مہمل باتوں کی وجہ سے آج آپ کو الگ کر دوں تو کل جو دوسرا آدمی رکھوں گی اسے بھی الگ کرنا پڑے گا، اور پھر یہ سلسلہ نہ جانے کس کس کی علیحدگی پر ختم ہو۔

نسیم نے کوئی جواب نہیں دیا، کاغذات سمیٹے اور باہر چلا گیا۔

نسیم اپنے دفتر میں بیٹھا ہے، کئی رجسٹر کھلے ہوئے سامنے رکھے ہیں رات کے نو بج چکے ہیں، یکایک زبیدہ پیکر رعنائی بنی نظر آئی، نسیم نے قلم ہاتھ میں لئے لئے اسے دیکھا اور مسکراتے ہوئے گویا ہوا،

"کوئی نئی بات سوجھی ہو گی آخر؟"

زبیدہ نے میز پر دونوں ہاتھ ٹیک کر شوخ نظروں سے اسے دیکھا اور بولی۔

"جی!"

نسیم کا تبسم اب تک قائم تھا۔

"تو فرمائیے!"

زبیدہ نے کہا۔

"ناہید نے آپا (شائستہ) کا نام جادوگر رکھا ہے اور تم مجھے جادوگر سمجھے ہو یہی بات ہے نا؟"

وہ ہنسنے لگی۔

"جی یہی بات ہے لیکن کتنی باون تولے پاؤ رتی کی!"

"ہو گی، میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا!"

"اب اتنے بھولے تو نہ بنئے، (بھولا سا منہ بنا کر) دنیا کی کوئی بات نہیں جانتے ریاض۔"

نسیم ہنسنے لگا۔

"آخر آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟"

"صرف یہ کہ آپ نے ہماری آپا کو اتنا بے وقوف کیوں بنا رکھا ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"وہ کیوں اتنا اعتماد کرنے لگی ہیں آپ پر؟"

"بتا دوں؟"

"پوچھ تو رہی ہوں!"

"اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست'...... یہ جناب کی عنایت ہے مس زیدہ کی!"

"کتنا نیک اور بھلا آدمی سمجھتی ہیں وہ آپ کو!"

"اور درحقیقت ہوں نہایت برا!"

"گریبان میں منہ ڈال کر سوچئے!"

"اب نہ گریبان ہے، نہ جیب ہے، نہ دامن!"

"اوہو یہ بدبختی!"

"یہی سمجھ لیجئے!"

"لیکن اگر کبھی آپ کی قلعی کھل گئی آپا پر تو؟"

"میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے، میں کوئی جرم نہیں کر رہا ہوں، کیا محبت کرنا جرم ہے؟ اگر یہ جرم ہے تو بیشک میں خطا وار ہوں اور ہر سزا کا مستحق!"

"اُف! زبان کیا ہے قینچی، بلکہ مشین، بلکہ ہوائی جہاز!"

"یہ باتیں چھوڑئیے،...... بتائیے کیا محبت جرم ہے؟"

"محبت تو ایک مقدس جذبہ ہے!"

"کیا محبت کرنا جرم ہے؟"...... اور اگر بفرضِ محال ہے بھی تو کتنا

لذیذ اور شیریں، جس کے لئے ہر تلخی برداشت کی جا سکتی ہے!"

"ہاں یہ تو سچ ہے، لیکن جن زبانوں پر محبت کا نام بار بار آتا ہے امتحان کے موقع پر وہ گونگی ہو جاتی ہے"

"یہ آپ کا خیال ہے"

"تو آپ محبت کرتے ہیں؟"

"اگر شک ہو تو ہر امتحان کے لئے تیار ہوں!"

"لیکن آپ نے سنا نہیں،...... ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں!"

"جی ہاں سنا بھی ہے، پڑھا بھی ہے اور ان امتحانوں سے گذر بھی رہا ہوں اور الحمدللہ نہ میرے ارادہ میں لغزش ہے نہ قدموں میں!"

"اس طرح کی محبت آپ نے کالج میں بھی نہ جانے کتنی مرتبہ کی ہوگی، سچ کہئے گا!"

"سچ کہہ دوں؟"

"ہاں بالکل سچ!"

"ایک مرتبہ نہیں!...... ذرا سوچو تو سہی مجھے محبت کرنے کی فرصت کب تھی، موقع کب تھا؟ اور فرصت حاصل بھی ہوتی، تو خواہ مخواہ تو محبت نہیں کر لی جاتی کسی سے"

"پھر کس طرح کی جاتی ہے؟"

"جس طرح کر رہا ہوں!"

"کس طرح؟"

"محبت کس طرح پیدا ہوتی ہے، میں نہیں جانتا صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں محبت کا مذاق اڑایا کرتا تھا اور اب بندہ محبت ہوں عشق میرے نزدیک ہوس کا دوسرا نام تھا، اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ عشق ہی اصل زندگی ہے!"

"خوب، بہت خوب، تقریر بڑی اچھی کر لیتے ہیں آپ:—— میرے ہیرو!!"

"زندہ میرا مذاق نہ اڑاؤ، میں سچی بات کہہ رہا ہوں، محبت اس طرح دبے پاؤں میرے دل میں داخل ہوئی کہ محسوس نہ ہو سکا، جب اس نے زنجیر میں جکڑ لیا تب معلوم ہوا میں دام محبت میں اسیر ہو چکا ہوں۔"

"آپ تو بڑے منہ زور ہیں، اس دام کو ایک ہی جھٹکے میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے!"

"ہاں میں نے ایسا چاہا تھا لیکن کر نہ سکا!"

"کیوں اتنے بے بس کیوں ہو گئے؟"

"یہ میں نہیں بتا سکتا، اتنا بتا سکتا ہوں کہ پہلی ہی نظر قاتل ثابت ہوئی!"

"پھر آپ زندہ کیسے ہیں؟"

"لیکن زندگی میری نہیں ہے!"

"پھر کس کی ہے؟"

"جس سے محبت کرتا ہوں!"

"اس کا کچھ حصہ اس کے لئے بھی تو محفوظ رکھئے، جس سے آگے چل کر محبت کریں گے!"

"نہیں یہ کبھی نہیں ہوگا، محبت ایک ہی بار کی جاتی ہے، نہ عورت ایک سے زیادہ بار کر سکتی ہے نہ مرد، محبت میں نہ ماضی ہے نہ مستقبل!"

"اب چھوڑئیے بھی اس قصہ کو بہت سن لیا یہ بتائیے بی کام امتحان تو پاس کر لیا اب کیا ارادہ ہے آپ کا؟"

"اب ایم کام کروں گا!"

"اس کے بعد؟"

"اس کے بعد ایک بنگلہ بنوایا —"

"بڑا لمبا پروگرام ہے؟"

"لیکن زندگی کو سنوارنے والا بھی تو ہے، میں کامیاب اور شاندار زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں، ممکن ہے مجھے سال دو سال کے لئے انگلینڈ یا امریکہ بھی جانا پڑے!"

"تنہا؟ — اکیلے؟"

"پاگل ہوئی ہو! تنہا کیوں؟ میرا محبوب میرے ساتھ جائے گا!"

"واہ کہیں گیا نہیں ہو؟"

"تم کیا جانو، میرا محبوب میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا، میرے اشاروں پر چلتا ہے!"

"تو یوں کیوں نہیں کہتے کہ محبوب آپ ہیں!"

"یوں ہی سمجھ لو، دو محبت کرنے والے دل ایک دوسرے کے محبوب ہی تو ہوتے ہیں!"

"لیکن مشکلات راہ؟"

"جو لوگ مشکلات راہ سے ڈرتے ہیں وہ ہمیشہ ناکام رہتے ہیں میں ان سے ڈرتا نہیں، انہیں چیلنج کرتا ہوں!"

"کیا کہنا ہے آپ کا!"

"یاد کرو جب میں یہاں آیا تھا، میری کیا حالت تھی؟ اب کیا ہے؟ میں دریوزہ گر کی حیثیت سے آیا تھا اب یہاں کے سفید و سیاہ کا مالک ہوں میری تنخواہ ڈیڑھ سو مقرر ہوئی تھی، اب تین سو پاتا ہوں میری حیثیت ایک کلرک سے زیادہ نہ تھی، اب اختیار کی کنجی میرے ہاتھ میں ہے، پہلے کرن بھی مجھ سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی، اب بس زندہ اتنی رات گئے میرے کمرے میں، میرے سامنے میرے پاس کھڑی ہیں۔ اگر مشکلات پر قابو پانے کی صلاحیت مجھ میں نہ ہوتی تو یہ

"یہ سب کچھ ممکن تھا؟"

زبیدہ غور سے نسیم کی باتیں سنتی رہی، نسیم نے ایک نظر ڈال کر زبیدہ کے ردِ عمل کا اندازہ کیا، پھر کہنا شروع کیا۔

"یہ تو تھا آغاز!"

"اور انجام کیا ہو گا؟"

"انجام آغاز سے کہیں زیادہ شاندار ہو گا —— ایم کام کی ڈگری لوں گا، پھر ولایت جا کر تعلیم کی تکمیل کروں گا، وہاں سے واپس آ کر کوئی معقول سرکاری ملازمت حاصل کروں گا، ایک شاندار کوٹھی میں میرا قیام ہو گا، دفتر سے جب تھکا ماندہ گھر واپس آؤں گا تو میری محبوبہ میرا استقبال کرے گی، اس کا جاں نواز تبسم میری ساری تکان دور کر دے گا وہ میرے پاس آ کر بیٹھ جائے گی تو میٹھی میٹھی باتیں کرے گی، میں اسے دیکھوں گا دیکھتا رہوں گا، اس کے لب و رخسار چوموں گا۔"

"بے غیرتی کی باتیں —— بس یہ شیخ چلی کی کہانی ختم کیجیے، میں ایک ضروری کام سے آئی تھی اور آپ نے خواہ مخواہ باتوں میں الجھا لیا۔"

نسیم نے ایک قہقہہ لگایا اور گویا ہوا

"ہر الزام مجھ پر عائد ہوتا ہے، میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ نہایت یکسوئی اور انہماک سے میں رجسٹروں کی خانہ پری کر رہا تھا کہ بادِ صبا کی طرح اٹکھیلیاں کرتی مس زبیدہ تشریف لائیں اور انہوں نے میرے دل کے تاروں پر ضرب لگانی شروع کر دی —— پھر آپ کیا جواب دیں گی؟"

زبیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"معافی مانگ لوں گی!"

نسیم نے پوچھا

"اور اگر میں معاف نہ کروں تو؟"

وہ بولی

"پھر میں واپس چلی جاؤں گی!"

نسیم نے سوال کیا۔

"تاکہ مجھے معافی مانگنا پڑے، خیر بتائیے کیسے تشریف لائی تھیں آپ؟"

زبیدہ نے جواب نہ دیا۔ اس کے چہرہ پر فکر و پریشانی کے آثار ہویدا تھے نسیم نے اضطراب کے عالم میں سوال کیا،

"بتائیے تو سہی کیا بات ہے؟ —— زبیدہ بتاؤ ذرا، میں تمہیں پریشان دیکھ رہا ہوں، خدا کے لئے کہو کیا بات ہے؟"

زبیدہ نے کہا، بہت اہم بات ہے، زندگی اور مستقبل کے لئے فیصلہ کن!"

نسیم کا اضطراب لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔

"خدا کے لئے صاف صاف کہو!"

زبیدہ کی مٹھی میں کوئی چیز دبی ہوئی تھی، اس نے مٹھی کھولی تو اس میں مڑا تڑا کاغذ کا ایک پرزہ تھا۔ اس نے وہ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اور کہا۔

"اسے پڑھ لیجئے؟"

نسیم نے پڑھا۔

"یہ کیا ہے؟"

وہ بولی

"ایک ضروری خط!"

نسیم کو ذرا اور اچنبھا ہوا، اس نے دریافت کیا،

"خط؟ —— کس کا خط؟ تم لے کر آئی ہو؟"

وہ کہنے لگی

"جس سے آپ محبت کرتے ہیں!"

نسیم نے کاغذ کا وہ پرزہ لے لیا اور بڑے استغراق کے عالم میں اسے پڑھنے لگا۔ وہ خط پڑھتا جاتا تھا اور اس کا رنگ رُخ بدلتا جاتا تھا۔ صاف ظاہر تھا خط کا ایک ایک حرف اس کے لئے ذہنی کرب و بلا کا پیام ہے خط پڑھ چکنے کے بعد اس نے جیب میں رکھ لیا۔ اور فریدہ سے کچھ کہنا چاہا...... لیکن وہ جا چکی تھی!

خط کس کا تھا؟ اور خط میں کیا تھا؟ یہ نہیں معلوم، لیکن دوسرے روز نسیم کی ایک مختصر سی درخواست شائستہ کی میز پر رکھی تھی۔

"گھر سے والدہ کی نہایت شدید علالت کی اطلاع ملی ہے، لہٰذا مجھے پندرہ روز کی رخصت مرحمت فرمائے جائے۔

میں کالج سے سیدھا اپنے گاؤں چلا جاؤں گا اور وہاں سے ٹھیک سولہویں دن واپس آ کر اپنے فرائض سنبھال لوں گا۔ مس فریدہ امید ہے میری عدم موجودگی میں دفتر کا کام اچھی طرح سنبھال لیں گی اگر کچھ کسر رہ گئی تو میں آ کر ٹھیک کر لوں گا۔"

شائستہ نے یہ عرضی پڑھی اور ایک سے زائد بار پڑھی مگر وہ فیصلہ نہ کر سکی کہ کیا کرے؟ اتنے میں کریمن آ گئی۔ اس نے پوچھا۔

"نسیم صاحب، کالج کس وقت گئے تھے؟"

وہ بولی۔

"جانے کیا بات تھی آج تو بہت سویرے منہ اندھیرے چلے گئے میں نے کہا بھی، کالج تو نو بجے کھلتا ہے، ابھی سے کیوں جا رہے ہو، کہنے لگے ایک ضروری کام ہے، اسے نپٹاتا ہوا کالج جاؤں گا، میں نے کہا، اچھا چلے جانا، میں ناشتہ ابھی تیار کئے دیتی ہوں، وہ تو کر لو، کہنے لگے، رات سے کچھ

ڈکاریں آرہی ہیں، آج کچھ نہیں کھاؤں گا۔"

شائستہ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"میں اس وقت کیا کر رہی تھی؟"

کرمین نے بتایا،

"آپ نماز پڑھ کر تلاوت کر رہی تھی!"

شائستہ نے پوچھا۔

"پھر تو وہ مجھ سے مل کر اور یہ عرضی خود مجھے دے کر جا سکتے تھے۔ تمہیں کیوں دے گئے؟"

وہ بولی

"میں کیا جانوں؟"

شائستہ نے پھر پوچھا

"کیا رات نسیم صاحب دیر سے آئے تھے؟"

اس نے جواب دیا۔

"نہیں تو، بلکہ کل تو کالج سے جلدی ہی آگئے تھے!"

شائستہ نے ایک اور سوال کیا۔

"کچھ پریشان اور فکرمند تھے؟"

وہ کہنے لگی۔

"واہ پریشانی کہیں ان کے پاس پھٹک سکتی ہے؟ خوب قہقہے لگاتے رہے، گاتے رہے، ریڈیو سنتے رہے۔"

شائستہ نے پھر زور دیا

"کوئی خط یا تار آیا تھا ان کے نام؟"

وہ بولی

"نہیں تو!"

شائستہ نے زیرلب خود اپنے آپ سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

"عجیب بات ہے!"

"بات تو واقعی کچھ عجیب ہی سی تھی، لیکن کرمین نے اس گفتگو میں مزید حصہ نہیں لیا۔ وہ چپ چاپ چلی گئی۔ ذرا دیر میں فریدہ آگئی، خوش مسرور، ہشاش بشاش!

شائستہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"بڑے موقع سے آگئیں تم اس وقت!"

وہ مسکراتی ہوئی بولی

"کوئی خوش خبری!"

شائستہ نے نسیم کی درخواست اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

"لو دیکھ لو!"

فریدہ نے درخواست پڑھی اور اسے لوٹا دی، شائستہ نے کہا۔

"مجھ سے مل کر جاتے تو میں کچھ روپے دے دیتی، والدہ بیمار ہیں، تو خرچ کے لئے بھی تو کچھ پاس ہونا چاہئے تھا!"

فریدہ نے کہا۔

"لیکن رات کو سونے سے پہلے میں ان سے ملی تھی، اس وقت تو وہ ایسے چونچال تھے کہ معلوم ہوتا تھا نہ انہیں کوئی فکر ہے نہ پریشانی، والدہ کی علالت کا مجھ سے تو ذکر کیا ہوتا!"

شائستہ نے پوچھا

"تو تمہارا خیال ہے نسیم صاحب نے کسی وجہ سے غلط بیانی کی ہے ان کی والدہ بیمار نہیں ہیں؟"

فریدہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

کچھ سمجھ میں نہیں آتا، بہرحال وہ کالج ہی گئے ہیں وہاں سے اپنے

گاؤں جائیں گے، کیوں نہ میں کالج چلی جاؤں اور وہاں ان سے مل کر صحیح تفصیلات معلوم کر آؤں!"

شائستہ نے اس رائے سے اتفاق کیا۔

"میرے خیال میں کوئی حرج نہیں — بلکہ ایسا کرو اس مہینہ کی تنخواہ بھی لیتی جاؤ، بیماری آزاری میں روپے کی ضرورت ہوتی ہی ہے!"

یہ کہہ کر شائستہ نے سو سو کے تین نوٹ نکالے اور فریدہ کی طرف بڑھائے

فریدہ نے وہ نوٹ پرس میں رکھے اور باہر چلی گئی!"

کوئی دو گھنٹہ کے بعد فریدہ واپس آئی، لیکن مضمحل اور پریشان تھکی ہوئی اور افسردہ، وہ شائستہ کے دفتر میں آکر بیٹھ گئی، شائستہ کلاس لے رہی تھی، جب وہ واپس آئی تو فریدہ کو اس نے بیٹھا ہوا پایا۔

"ہو آئیں کالج؟ اس نے پوچھا

"ہاں آپا ہو آئی!" — فریدہ نے بڑے سرد لہجہ میں جواب دیا۔

"پھر کیا ہوا؟ — نسیم صاحب سے ملاقات ہوئی؟"

وہ بولی،

"کہاں ملاقات ہوئی؟"

شائستہ نے حیران ہو کر پوچھا،

"ملاقات نہ ہونے کی وجہ؟"

فریدہ نے بتایا،

"وہ کالج گئے ہی نہیں، نہ وہاں رخصت کی درخواست دی ہے"

کچھ دیر خاموش رہ کر اس نے ذرا تامل کرتے ہوئے کہا

"بلکہ مجھے تو ایک بات اور بھی معلوم ہوئی ہے"

شائستہ کی حیرت لمحہ بہ لمحہ بڑھ رہی تھی، اس نے پوچھا۔

"کیا بات معلوم ہوئی ہے؟"

فریدہ نے کہا۔

"بی کام میں پاس ہونے کے بعد انہوں نے ایم کام میں داخلہ ہی نہیں لیا ہے، چنانچہ جب سے کالج کھلا ہے اور اسے کھلے دو مہینے ہوئے ہیں، کالج کے احاطہ میں انہوں نے قدم ہی نہیں رکھا!"

فریدہ کے بیان پر شائستہ کو بڑی حیرت ہوئی، اس نے پوچھا

"سچ؟ —"

وہ بولی

"ہاں آپا، وہیں سے تو آرہی ہوں، سب کچھ معلوم کر کے!"

شائستہ کو یہ بات معلوم کر کے صدمہ ہوا۔

اس نے کہا

"آخر نسیم صاحب کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی؟"

فریدہ نے کہا

"جی میں بھی یہی سوچ رہی ہوں!"

شائستہ نے سوال کیا،

"پھر بھائی کالج کا کہہ کر وہ جاتے کہاں تھے؟ میرا مطلب یہ ہے کہ نو بجے سے لے کر ۴ بجے تک کا وقت کہاں صرف کرتے تھے؟"

فریدہ نے لاجواب ہوتے ہوئے کہا۔

"عجیب معمہ ہے — میری تو عقل حیران ہے، — مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اچھے آدمی نہیں تھے!"

شائستہ کو اس ریمارک پر اور حیرت ہوئی

"یہ کیا کہہ رہی ہو فریدہ؟"

پھر نظر اٹھا کر دیکھا تو فریدہ کی آنکھیں حمام کی طرح لبریز اشک

تھیں، اس نے ذرا پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"تو اس میں رونے کی کیا بات ہے! اور تم نے اتنی جلدی اتنی سخت رائے کیوں قائم کر لی؟ ممکن ہے کوئی معقول سبب ہو ان باتوں کا، وہ آئیں گے تو معلوم ہو ہی جائے گا، مجھے امید ہے وہ مجھ سے جھوٹ نہیں بولیں گے!"

زبیدہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"آپا، آپ کی سادگی تو نہ جانے کیا ستم ڈھائے گی، ـــ وہ اب نہیں آئیں گے!"

"یہ تم نے کیسے جانا؟"

شائستہ نے پوچھا

"اگر انہیں آنا ہوتا تو جاتے کیوں؟"

زبیدہ نے جواب دیا۔

"پھر ذرا دیر خاموش رہ کر اس نے کہا

"آپا، وہ دغاباز اور فریبی آدمی ثابت ہوئے، آپ کے احسانات اور نوازشوں کو کس قدر جلد انہوں نے فراموش کر دیا؟"

زبیدہ کی آنکھیں پھر بھر آئیں، شائستہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا:

"چلو مانے لیتی ہوں تمہارا خیال ٹھیک ہے تو جاتے ہوئے کو روک کون سکتا ہے! آج نہ جاتے تو کل جاتے ـــ مگر اس طرح واقعی انہیں نہ جانا چاہئے تھا، باقاعدہ استعفیٰ دے کر جاتے، کام سمجھا کر جاتے اب ساری ذمہ داری پھر تم ہی پر آ پڑی ہے ـــ آخر تم کیا کیا کرو گی! تمہاری محنت دیکھ کر ڈر سا لگتا ہے تم پر ـــ بہر حال یہ چند دن کسی طرح گذار لو اگر اس کے بعد نسیم صاحب نہ آئے تو اخبار میں کسی اور آدمی کے

لئے اشتہار دے دینا، جا کر سارا حساب کتاب دیکھ لو، مہینہ ختم ہو رہا ہے تنخواہوں کی برآورد بھی بنانی ہے!"

اتنے میں گھنٹہ بجا، شائستہ پھر کلاس لینے چلی گئی، زبیدہ کچھ دیر تو اس کے دفتر میں بیٹھی کچھ سوچتی رہی، اس کی آنکھیں اب تک پر نم تھیں، پھر وہ اٹھی اور تربیت گاہ کے دفتر میں چلی گئی، اس نے دروازہ کھولا سارے رجسٹر اور کاغذات میز پر اسی طرح پھیلے پڑے تھے جس طرح رات کو اس نے دیکھا تھا وہ آ کر اسی کرسی پر بیٹھ گئی جس پر نسیم بیٹھا کرتا تھا۔

کچھ دیر تک وہ کاغذات الٹتی پلٹتی رہی پھر اس نے رجسٹروں کو ترتیب سے رکھا، دفعتاً اس کی نظر ایک بند لفافہ پر پڑی جو بڑی احتیاط سے میز کے وسط میں پیپر ویٹ کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اس نے لفافہ کھولا خط نکالا اور پڑھنا شروع کر دیا وہ خط پڑھتی جاتی تھی اور اس کا رنگ اڑتا جاتا تھا جو کیفیت رات کو نسیم کی خط پڑھ کر ہوئی تھی اس سے بدتر زبیدہ کی نظر آ رہی تھی خط پڑھ کر اس نے مٹھی میں دبا لیا۔ اور کرسی کے پیچھے سر ڈال دیا نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔

دن بھر فریدہ دفتر میں کام کرتی رہی، چار بجے...... تو پھر شائستہ نے اسے طلب کیا، وہ رجسٹر وہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور سیدھی شائستہ کے دفتر میں پہنچی،

"آپ نے بلایا ہے مجھے؟"

شائستہ غیر معمولی سنجیدگی کے ساتھ بولی،

"ہاں —— بیٹھو!"

وہ پاس کی کرسی پر بیٹھ گئی، اس کا چہرہ اترا ہوا تھا، بال پریشان تھے پیشانی پر شکنیں پڑی ہوئی تھیں، شائستہ نے پوچھا،

"اتنی پریشان اور بدحواس۔"

وہ مغموم لب و لہجہ میں گویا ہوئی۔

"کوئی بات نہیں آپا!"

شائستہ! کچھ تو ضرور ہے!

فریدہ۔ یہی سوچ رہی تھی کہ یہ دنیا بھی کیسی عجیب جگہ ہے؟

شائستہ۔ دنیا نے کیا خطا کی ہے؟

فریدہ۔ جسے دشمن سمجھو، وہ دشمن نکلتا ہے، جس پر بھروسہ کرو وہ دغاباز ثابت ہوتا ہے، جس پر احسان کرو، وہ دشمن جان بن جاتا ہے ـــــ آدمی

کس پر اعتبار کرے، کس پر بھروسہ کرے؟

شائستہ۔ (مسکراتے ہوئے) معلوم ہوتا ہے نسیم صاحب کے واقعہ سے بہت زیادہ متاثر ہو؟

فریدہ۔ ہاں آپا بہت زیادہ!

شائستہ۔ مجھے بھی بہت صدمہ ہے، لیکن میں نے حسن ظن کا دامن اب تک ہاتھ سے نہیں چھوڑا ہے، مجھے یقین ہے، وہ وقت مقررہ پر آجائیں گے اور اپنا کام سنبھال لیں گے، ہم نے ان کے ساتھ کوئی برا برتاؤ نہیں کیا ہے، جہاں تک ہو سکا، اچھا ہی سلوک کیا ہے پھر وہ ہمیں دھوکہ کیوں دینے لگے؟ رہا ان کا اس طرح جانا تو اس میں بھی کوئی مجبوری ہوگی،

فریدہ۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو!

شائستہ۔ میں نے تمہیں کس لیے بلایا تھا، یہ تو تم نے پوچھا ہی نہیں!

فریدہ۔ بتائیے —— پوچھنے ہی والی تھی!

شائستہ۔ تھوڑی دیر ہوئی، رضیہ یہاں آئی تھیں، ان کے ساتھ عاصمہ اور ثروت بھی تھیں!

فریدہ۔ کس مقصد سے آئی تھیں؟

شائستہ۔ کہہ رہی تھیں، اس ادارہ کی فضا خراب ہوتی جا رہی ہے

فریدہ۔ آپ نے پوچھا نہیں، یہ خیال انھوں نے کس بنیاد پر قائم کیا؟

شائستہ۔ پوچھا تو تھا!

فریدہ۔ پھر انھوں نے کیا جواب دیا؟

شائستہ۔ کہنے لگیں، جب تک نسیم برخاست نہ کر دیا جائے حالات بد سے بدتر ہوتے جائیں گے، وہی سبب ہے ساری خرابی کی،

فریدہ۔ ارے اب یہ داؤں شروع ہوا ہے؟

شائستہ۔ (زیرِ لب تبسم کے ساتھ) ابھی تم نے پوری بات کہاں سنی؟ کچھ اور بھی کہہ رہی تھیں وہ!

فریدہ۔ اور کیا کہہ رہی تھیں؟

شائستہ۔ ان کا خیال ہے نسیم کا چال چلن ٹھیک نہیں ہے!

فریدہ۔ (متحیر ہو کر) واقعی؟

شائستہ۔ ہاں واقعی!

فریدہ۔ لیکن ان کے پاس اس دعوے کا ثبوت بھی تو ہوتا؟

شائستہ۔ ہاں میں نے پوچھا تھا۔

فریدہ۔ پھر بتایا انھوں نے؟

شائستہ۔ کہنے لگیں، وہ تربیت گاہ کی لڑکیوں کو عاشقانہ خطوط لکھتا ہے

فریدہ۔ (مضطرب ہو کر) کس کے نام اس نے خط لکھا تھا۔

شائستہ۔ میں نے جب بھی سوال کیا تو کہنے لگیں، زاہدہ کے نام اس کا خط پکڑا گیا ہے۔

فریدہ۔ آپ نے دیکھا وہ خط؟

شائستہ۔ میں نے مانگا تو بغلیں جھانکنے لگیں۔ کہنے لگیں، زاہدہ نے وہ خط پھاڑ دیا۔

فریدہ۔ تو آپ نے زاہدہ سے پوچھا ہوتا۔

شائستہ۔ میں نے اسی وقت بلا یا اسے دریافت کیا، لیکن وہ نہیں کہا سے گی —— میرے خیال میں تو زاہدہ ایسی لڑکی نہیں ہے!

فریدہ۔ میں تو اسے بہت اچھا سمجھتی ہوں

شائستہ۔ میرے خیال میں نسیم صاحب کبھی ایسی حرکت نہیں کر سکتے

فریدہ۔ ہاں انھیں ایسا کرنا تو نہیں چاہیے۔ آپ کے احسانات اور نوازشات کا اتنا بُرا بدلہ دیں گے۔ یقین کرنے کو دل نہیں چاہتا کسی طرح!

شائستہ۔ بہرحال رضیہ، عاصمہ اور ثروت کو اپنے خیال پر اصرار ہے اور وہ بضد ہیں کہ نسیم کو برخاست کر دیا جائے۔

فریدہ۔ (ٹھنڈی سانس بھر کر) وہ تو خود ہی چلے گئے —— اب برخاست کرنے سے کیا فائدہ، آپا اب وہ نہیں آئیں گے، اور سچ پوچھیے تو...

شائستہ۔ کہو، خاموش کیوں ہو گئیں؟

فریدہ۔ سچ پوچھیے تو وہ واقعی اچھے آدمی نہیں تھے، انھوں نے دھوکا دیا اور ہم نے دھوکا کھایا!

شائستہ۔ تمھارا خیال ہے نسیم نے زاہدہ کو خط لکھا ہوگا

فریدہ۔ ضرور لکھا ہوگا، لیکن زاہدہ خود اپنی ذات سے اچھی ہے اس نے بدنامی کے اندیشہ سے بات نہ بڑھائی ہوگی اور اسے چاک کر دیا ہوگا۔

شائستہ۔ (تعجب سے) تم بھی یہ کہہ رہی ہو!

فریدہ۔ کیا کروں آپا، کہنا ہی پڑتا ہے!

شائستہ۔ تو تمھارے نزدیک رضیہ وغیرہ کا مطالبہ درست ہے، نسیم کو برخاست کر دینا چاہیے؟

فریدہ۔ ہاں آپا میری سوچی سمجھی اور پختہ رائے یہی ہے۔

شائستہ۔ ابھی تو تم ان خیالات کی مخالفت کر رہی تھیں۔

فریدہ۔ وہ میری کمزوری تھی مگر پھر میں نے فیصلہ کیا کہ سچی بات کہہ ہی دینی چاہیے —— آپا آپ فوراً انھیں برخاست کر دیجیے۔

شائستہ۔ یہ تم کہہ رہی ہو؟

فریدہ۔ ہاں آپا میں کہہ رہی ہوں آپ کو میری بات ماننی پڑے گی!

شائستہ۔ لیکن ابھی تو تم کہہ رہی تھیں وہ خود نہیں آئیں گے، پھر برخاست کرنے سے کیا فائدہ، اتنی جلدی رائے بدل دی؟

فریدہ۔ اس میں مصلحت ہے آپا!

شائستہ۔ وہ بھی بتا!

فریدہ۔ آپ نہیں جانتیں، اندر ہی اندر ایک لاوا پک رہا ہے، طوفان کی آمد آمد ہے شورش اور ہنگامہ کی تیاریاں ہو رہی ہیں آپ کے خلاف، اگر آپ نے نسیم کو برخاست کر دیا تو فتنہ دب جائے گا، طوفان رُک جائے گا

شائستہ۔ لیکن میں تو اس کے لیے تیار نہیں ہوں

فریدہ۔ (پریشان ہو کر) آپا آپ نسیم کو برخاست نہیں کریں گی؟

شائستہ۔ (ایک عزم کے ساتھ) قطعاً نہیں!

فریدہ۔ (بے بسی سے) ایسا کر کے آپ غلطی کریں گی!

شائستہ۔ کچھ لوگوں کے ڈر سے میں ناانصافی، ظلم اور زیادتی کا ارتکاب نہیں کر سکتی، یک طرفہ فیصلہ کیسے کر دوں؟ — میرا فیصلہ یہ ہے کہ نسیم صاحب ادارہ سے اپنی مرضی سے استعفا دے کر، یا مجرم ثابت ہونے کے بعد ہی الگ ہو سکتے ہیں۔

فریدہ۔ آپا —

شائستہ۔ تم اتنا غلط مشورہ دو گی، اس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی

فریدہ۔ آپا آپ تک نسیم کو اچھا سمجھے جا رہی ہیں، حالانکہ وہ چھپا ہوا بدمعاش ہے۔

شائستہ۔ (برہم ہو کر) چپ رہو فریدہ!

فریدہ خاموش ہو گئی!

اس گفتگو کے تیسرے دن، رضیہ اور عاصمہ پھر شائستہ کے دفتر میں پہنچیں، شائستہ نے خندہ جبینی کے ساتھ ان کا استقبال کیا، کرمین دروازہ پر چپک کے پاس بیٹھی تھی، رضیہ نے اس سے کہا،

"جاؤ، ذرا فریدہ کو بلا لاؤ!"

ذرا دیر میں فریدہ بھی آ گئی!

رضیہ نے گفتگو کا آغاز کیا!

آج ہم یہ فیصلہ کر کے آئے ہیں کہ آپ کو اپنے فیصلہ پر نظرثانی کرنی پڑے گی

شائستہ نے متانت کے ساتھ پوچھا

"کون سا فیصلہ بدلوانا چاہتی ہو تم؟"

رضیہ نے کہا،

نسیم صاحب کے بارے میں آپ کا فیصلہ اب بدل جانا چاہیے۔ اب انھیں برخاست کرنے میں کوئی تامل نہیں کرنا چاہیے آپ کو!

شائستہ کی سنجیدگی اور متانت اب تک قائم تھی۔

"کیا کوئی ثبوت لائی ہو؟"

عاصمہ بولی،

"جی ہاں ثبوت اور وہ بھی ناقابل تردید ثبوت، — وہ ثبوت ہے فریدہ"

"اس کی یہی رائے ہے کہ نسیم اچھا آدمی نہیں، وہ چھٹا ہوا بدمعاش ہے اسے قطعاً ادارہ میں رہنے بلکہ قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہونی چاہیے۔ فریدہ سے بڑھ کر آپ کا ہمدرد کون ہوگا؟ کیا اس کی رائے بھی آپ ٹھکرا دیں گی؟ کیا اتنے بڑے ثبوت کے بعد کسی اور ثبوت کی بھی ضرورت رہ جاتی ہے؟"

شائستہ نے جواب دیا،

"فریدہ تو ہے احمق، مجھے تمہاری دانشمندی سے یہ اندیشہ نہیں تھا کہ تم اس کی زبان سے بولنے لگو گی، فریدہ جیسی جذباتی لڑکی میں نے کوئی دیکھی ہی نہیں، جس سے خوش ہو گی، اسے آسمان پر چڑھا دے گی، جس سے خفا ہو گی اسے تحت الثریٰ میں پہنچا دے گی!"

عاصمہ نے ذرا خشونت آمیز لہجہ میں کہا،

"اگر فریدہ کی اس رائے کے بعد بھی آپ اپنا فیصلہ بدلنے پر تیار نہ ہوں گی تو میں بعض دوسروں کی طرح یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ واقعی دال میں کچھ کالا ہے!"

شائستہ کی تیوری چڑھ گئی، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا،

"کیا کہنا چاہتی ہو تم؟"

عاصمہ نے کہا،

"میں نے فرانسیسی زبان میں گفتگو نہیں کی ہے!"

رضیہ نے بیچ میں بولتے ہوئے کہا،

"اب تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آپ کا وجود تربیت گاہ کے لیے مضر ثابت ہو رہا ہے!"

شائستہ نے پوچھا

"تم چاہتی ہو میں تربیت گاہ سے تعلق منقطع کر دوں؟"

بغیر کسی جھجک کے اس نے کہا،

"یا آپ تربیت گاہ سے قطع تعلق کر لیں یا نسیم صاحب سے تعلقات منقطع کر لیں، اس کے سوا کوئی راستہ نہیں!"

شائستہ نے ذرا برہم لہجہ میں کہا،

"تم تو اس طرح باتیں کر رہی ہو جیسے یہ ادارہ تمہاری تخلیق ہے، تم ہی اس کی مالک ہو، سب کچھ تمہارے اختیار میں ہے اور میری حیثیت صرف ایک معمولی ملازمہ کی ہے!"

عاصمہ نے کہا،

"آپ کی حیثیت مسلم، لیکن ہم بھی بے حیثیت نہیں ہیں، ادارہ کی یہ کامیابی، یہ ترقی، یہ فروغ ہماری شب و روز محنت کا نتیجہ ہے، ادارہ کی یہ نیک نامی، یہ ہر دل عزیزی، یہ مقبولیت ہمارے ہی کردار و سیرت کا ایک رُخ ہے!"

شائستہ نے کہا،

"میں تسلیم کرتی ہوں، یہ سچ ہے!"

رضیہ بول پڑی،

"پھر آپ کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ادارہ کی نیک نامی کو قائم رکھنا وقار کو برقرار رکھنا، اس کی ساکھ پر حرف نہ آنے دینا بھی ہمارا فرض ہے!"

شائستہ نے یہ بات بھی تسلیم کر لی،

"ہاں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا!"

عاصمہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا،

"جب اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تو ہماری بات مانئے اور نسیم کو چلتا کیجئے۔"

شائستہ نے جواب دیا،

"لیکن کس جرم میں؟"

"زاہدہ کو عاشقانہ خط لکھنے کے جرم میں!"

"لیکن وہ خط کہاں ہے؟"

"ہم نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ہمارا یقین کیجئے!"

"مگر زاہدہ تو انکار کرتی ہے!"

"وہ جھوٹی ہے!"

رضیہ بولی،

"حیرت ہے آپ کو حضرت نسیم اتنے عزیز ہیں کہ فریدہ تک ان کے سامنے ہیچ ہے — آؤ عاصمہ چلیں، معلوم ہوتا ہے سیدھی انگلیوں گھی نہیں نکلے گا!

رضیہ وغیرہ کے جانے کے بعد فریدہ اُٹھی اور شائستہ کے گلے سے لگ کر رونے لگی

"آپا، میرا تو دل پھٹا جا رہا ہے، یہ حرام زادیاں آپ کے بارے میں کیسے ناپاک خیالات رکھتی ہیں، جس کا دامن دامنِ مریم کی طرح پاک ہے۔ اس پر اتنی دریدہ دہنی کے ساتھ یہ اتہامات؟ زمین بھی نہیں پھٹ پڑتی، آسمان بھی نہیں ٹوٹ پڑتا ان کمینیوں پر!"

شائستہ نے فریدہ کی باہوں کو الگ ہٹاتے ہوئے اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا اور کہا،

تہمت لگائی اس پر جاتی ہے جس کا دامن بے داغ ہوتا ہے، ورنہ جس کا دامن آلودہ ہو، اس پر تہمت لگانے کی کیا ضرورت؟"

فریدہ کی آنکھوں سے اب تک آنسو جاری تھے،

"کچھ بھی ہو آپا، ایسی باتیں آپ کے بارے میں نہیں پھیلنی چاہئیں — نسیم کو بھی، اور ان کے ساتھ ان سب کو بھی برخاست کر دیجئے فوراً یہ ادارہ

آپ کا ہے، آپ نے اسے خونِ جگر سے پروان چڑھایا ہے، آپ ہی کے دم سے یہ قائم ہے، کس کی مجال ہے جو آپ کے خلاف لب کشائی کرے اور یہاں رہ سکے!"

شائستہ نے غم آلود تبسم کے ساتھ جواب دیا،

"نہیں فریدہ، سب سے بڑا انتقام معاف کر دینا ہے، میں ان کے خلاف کوئی اقدام نہیں کروں گی، یہ جو چاہیں کہیں، ایک نہ ایک دن خود ان کا دل انھیں نادم و شرمسار ہونے پر مجبور کرے گا!"

فریدہ نے کہا،

"آپ نے سُنا؟ دھمکی دے گئی ہیں کہ سیدھی انگلیوں گھی کبھی نہیں نکل سکتا، گویا ہمیں یہ کان پکڑ کر نکال دیں گی!

شائستہ نے کہا،

"ممکن ہے وہ ہمیں نکال دینے میں کامیاب ہو جائیں، لیکن ہم ہرگز انھیں نہیں نکالیں گے!"

فریدہ شکایت آمیز لہجہ میں بولی،

"بس آپا، آپ کی ان ہی باتوں سے جی جل جاتا ہے — ہم مسلمان ہیں عیسائی نہیں، ہم تھپڑ کھا کر دوسرا گال نہیں پیش کریں گے، اینٹ کا جواب پتھر سے دیں گے!"

شائستہ مسکرانے لگی،

"کیا کہنا ہمارے رستم زماں کا!"

فریدہ چِڑ گئی۔

"بس اسی طرح تو معاملہ ختم کر دیتی ہیں آپ!"

شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا،

"تو کیا مہابھارت شروع کر دوں؟ — نہیں فریدہ لڑنے میں کوئی مزہ

"نہیں، یہ بُرا بُرا کام ہے!"

فریدہ نے طنز کیا،

"اور دوسروں کے وار سہہ سہہ کر زخمی ہونا بڑا اچھا کام ہے!"

شائستہ کا تبسم اب تک قائم تھا،

"ہاں میرا خیال تو یہی ہے!"

وہ تند لہجہ میں بولی

"مجھے آپ سے شدید اختلاف ہے!"

شائستہ شاید اس وقت اسے چھیڑنے پر تلی ہوئی تھی۔

"خوب جانتی ہوں، مجھ سے تمہارا ہر اختلاف اتفاق پر آ کر ختم ہوتا ہے
دیکھوں گی کتنے دن یہ اختلاف قائم رہتا ہے؟"

پھر وہ ہنسنے لگی اور اس نے پوچھا،

"کیوں فریدہ میں جھوٹ تو نہیں کہتی؟"

فریدہ منہ بنائے بیٹھی رہی، اس نے کوئی جواب نہیں دیا،

شائستہ نے میز پر پڑے ہوئے کاغذات کو سمیٹنا شروع کیا، پھر وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

"کچھ خبر ہے کل کون سی تاریخ ہے؟"

فریدہ نے جواب دیا،

"جی، پہلی تاریخ ہے!"

شائستہ نے پوچھا،

"کل تنخواہیں تقسیم کرنا ہیں، برآورد بنواؤ اور چیک پر مجھ سے دستخط کراؤ!"

حمید اللہ تربیت گاہ کے دفتر کا نہایت ایماندار اور قابل اعتماد چپراسی تھا، اسٹاف کی تنخواہوں کی رقم تقریباً دو ہزار بنتی تھی، شائستہ نے دستخط کر کے چیک اس کے حوالے کیا کہ جائے اور روپے لے آئے۔ فریدہ اس کے پاس ہی پے شیٹ لئے بیٹھی تھی کہ حمید اللہ روپے لے کر آئے اور وہ ایک ایک کو روپیہ ادا کر کے دستخط کراتی جائے۔

تھوڑی دیر میں حمید اللہ سہما ہوا، حواس باختہ اور پریشان آتا نظر آیا۔

شائستہ نے اس کی یہ کیفیت بھانپ لی، بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا

"خدا خیر کرے!"

فریدہ نے پوچھا،

"کیا ہوا آپا؟"

وہ بولی،

"حمید اللہ آ رہا ہے، اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کرو، ضرور کوئی خاص بات ہوئی ہے، شاید جیب کٹ گئی!"

فریدہ نے گھبرا کر دروازہ کی طرف دیکھا تو حمید اللہ اندر داخل ہو چکا تھا

شائستہ نے پوچھا،

"روپے لے آئے حمید اللہ ــــ؟"

وہ پسینہ پونچھتا ہوا بولا،

"چیک واپس آگیا، وہاں بینک میں تو صرف پچاس روپے ہیں!"

یہ کہہ کر اس نے چیک شائستہ کے سامنے رکھ دیا، اس نے چیک پر بینک کا نوٹ دیکھا اور حیران ہو کر فریدہ سے پوچھا،

"کیا ماجرا ہے فریدہ؟"

وہ اور زیادہ حیران ہوئی بولی،

"عجیب بات ہے!"

شائستہ نے کہا،

"ذرا پاس بک تو لاؤ!"

وہ دوڑی دوڑی اپنے دفتر میں گئی اور اُلٹے پاؤں پاس بک لے کر واپس آنے لگی،

"پاس بک کی رو سے تو ہمارا بارہ ہزار روپیہ ہونا چاہیے بینک میں"

شائستہ نے تقریباً روتے ہوئے پوچھا،

"پھر پچاس کیسے رہ گئے؟ کوئی نیا چیک تو جاری نہیں کیا گیا؟"

فریدہ نے جواب دیا،

"کوئی نیا چیک نہیں جاری کیا گیا ـــــ کہیں بینک والوں کی تو بے ایمانی نہیں ہے؟"

شائستہ بولی،

"پاگل ہوئی ہو ایسی حرکتیں کر کے بینک والے کے دن زندہ رہیں گے؟ ـــــ میرے خیال میں یہ پاس بک لے کر تم بینک میں جاؤ اور صحیح پوزیشن معلوم کر کے جلد آؤ ـــــ بلکہ ٹھہرو، میں بھی چلتی ہوں!"

فریدہ نے تائید کی

"ہاں آپا آپ ضرور چلئے!"

شائستہ نے حمید اللہ سے کہا،

"اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا ابھی کسی سے، بلکہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو، جاؤ فریدہ ذرا چیک بک بھی لیتی آؤ!"

فریدہ جلد ہی چیک بک لے کر آگئی، شائستہ نے بینک پہنچ کر ایجنٹ سے ملاقات کی اور کہا،

"ہمارے حساب سے بارہ ہزار روپے ترمیت گاہ کے حساب میں ہونا چاہئیں چنانچہ تنخواہیں ادا کرنے کے لیے ہم نے دو ہزار کا چیک بھیجا تو واپس آگیا معلوم ہوا صرف پچاس روپیہ بیلنس ہے!"

ایجنٹ شائستہ کے کام اور نام سے واقف تھا، ملاقات آج ہی ہوئی وہ بڑے تپاک سے ملا، فوراً گھنٹی بجائی، چپراسی سے کہا کہ متعلقہ کلرک کو بلا لائے کلرک آیا تو واپس شدہ چیک پیش کرتے ہوئے ایجنٹ نے پوچھا۔

"یہ کیا ماجرا ہے؟"

کلرک نے کہا

"آج سے بارہ روز پہلے بارہ ہزار کا ایک چیک کیش کیا گیا ہے، جس کا نمبر 220209 ہے۔"

شائستہ نے کہا،

"لیکن ہم نے تو کوئی چیک ایشو نہیں کیا!"

ایجنٹ چیک بک لے کر اس کے ورق الٹنے پلٹنے لگا، پھر اس نے ایک جگہ انگلی رکھ دی!

"دیکھئے یہاں سے ایک پھاڑا گیا ہے!"

پھر کلرک سے کہا،

"ذرا وہ بارہ ہزار کا چیک تو لاؤ!"

کلرک چیک لایا تو عبارت نسیم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، جسے شائستہ

اور فریدہ نے فوراً پہچان لیا، دستخط شائستہ کے تھے، لیکن شائستہ نے کہا

"یہ دستخط میرے نہیں ہیں!"

ایجنٹ نے کہا،

"اس کا فیصلہ تو کوئی ایکسپرٹ ہی کر سکتا ہے، بظاہر آپ ہی کے دستخط ہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ آپ غلط نہیں کہتیں، ایسا معلوم ہوتا ہے آپ کے اکاؤنٹنٹ نے آپ کے اعتماد سے ناجائز فائدہ اُٹھایا ہے! بہرحال پولیس میں اطلاع دے دیجئے، وہ تفتیش کرے گی ـــ"

اتنی سی دیر میں شائستہ بیمار معلوم ہونے لگی تھی، اس نے کمزور آواز میں کہا

"پولیس میں اطلاع ضرور دے دی جائے گی، لیکن اب بڑا مشکل سوال یہ ہے کہ آج تنخواہیں کس طرح ادا کی جائیں!"

ایجنٹ نے کچھ دیر تامل کرتے ہوئے کہا،

"میرے دل میں آپ کے نام اور کام کی عزت ہے، تربیت گاہ کے اغراض ومقاصد سے بھی مجھے دلچسپی اور ہمدردی ہے۔ میں یہ کر سکتا ہوں کہ دو ہزار روپیہ اڈوانس کر دوں، یہ رقم تین مہینہ کے اندر آپ کو واپس کر دینا ہوگی!"

شائستہ کے چہرے پر بحالی کے آثار نمودار ہوئے،

"میں بہت شکرگزار ہوں آپ کی!"

ایجنٹ نے کہا،

"اس حادثہ میں مجھے آپ سے دلی ہمدردی ہے ـــ بدقسمتی سے ہمارے قومی اداروں میں بھیڑ کا لباس پہن کر بھیڑیے داخل ہو جاتے ہیں!"

پھر اس نے کلرک کو ضروری کاغذات تیار کرنے کا حکم دیا، تھوڑی دیر میں تیار ہوگئے، ایجنٹ نے اس پر شائستہ کے دستخط لے لئے، اور دو ہزار روپے ادا کر دیئے!

تنخواہ تقسیم ہوگئی، شائستہ نے اطمینان کا سانس لیا، فریدہ نے غم انگیز لہجہ میں کہا،

"دیکھ لیا آپ نے نتیجہ کو، کیا اب بھی آپ نہیں مانیں گی کہ وہ چھٹا ہوا بدمعاش ہے؟"

شائستہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، اس نے کہا،

"فریدہ، میں نے بڑے بڑے دکھ جھیلے ہیں، بڑے بڑے غم سہے ہیں لیکن یہ غبن میرے دل میں گھونسا بن کر لگا ہے۔ یہ غم میری جان لے کر رہے گا اب میں زندہ نہیں رہ سکتی، اب میں زندہ رہنا بھی نہیں چاہتی!"

یہ کہتے کہتے وہ سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔ فریدہ نے بھی اس کا ساتھ دیا، اس کی آنکھوں سے بھی جوئے اشک رواں ہوگئی، اس نے اس طرح ہاتھ جوڑ کر التجا کرتے ہوئے جیسے شائستہ ابھی اور اسی وقت خودکشی کرنے والی ہے، کہا،

"خدا کے لئے آپا ایسی باتیں نہ کیجئے آپ کو زندہ رہنا ہے، آپ کو کام کرنا ہے، آپ کو اپنی مظلوم اور درماندہ وپسماندہ جنس کی خدمت کرنی ہے!"

پھر رکی ہوئی آواز میں شائستہ بولی،

"میرے لئے زندگی میں کوئی عافیت نہیں رہ گیا تھا، میں نے دل پر دو ہرے

کھائی تھی کہ سب دولے اور حوصلے سرد پڑ گئے تھے، نہ کوئی امنگ تھی نہ ترنگ، لیکن اسی لیے زندہ رہنے پر مجبور ہوں کہ اپنے کام نہ آسکی تو اپنی بہنوں کے کام آؤں، لیکن معلوم ہوتا ہے قدرت کو یہ بھی منظور نہیں۔

فریدہ بیچ میں بول پڑی،

"آپ خدا کے لئے ——"

شائستہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا،

"فریدہ میں زہر نہیں کھاؤں گی، خودکشی نہیں کروں گی، مروں اور حرام موت یہ کیسے ہو سکتا ہے، لیکن دیکھ لینا یہ غم میری جان لے لے گا!"

فریدہ نے تائید کی،

"ہاں آپا، یہ واقعی بہت بڑا شاک پہنچایا ہے اس ظالم نے، خدا اس سے سمجھے! خدا غارت کردے اس کو جس نے میری آپا کو صدمہ پہنچایا ہے"

شائستہ نے فریدہ کو روکتے ہوئے کہا،

"کوسنے گالیاں دینے اور بُرا بھلا کہنے سے کیا حاصل؟ جو ہونا تھا، ہو چکا لیکن جب سوچتی ہوں کہ کس مشکل سے یہ سرمایہ میں نے پیسہ پیسہ اور روپیہ روپیہ کرکے جمع کیا تھا، تو ایک ہوک سی اٹھنے لگتی ہے!"

"وہ تو اٹھنا ہی چاہیے!"

"اور یہ بھی سمجھ میں نہیں آتا، اس نقصان کی تلافی کس طرح ہوگی اور سب سے بڑھ کر یہ بینک کا قرضہ کس طرح ادا ہوگا؟"

"جس خدا نے اب تک آپ کی مدد کی ہے، وہ آئندہ بھی دستگیری کرے گا یہ میرا ایمان ہے، تین مہینہ کی مدت کافی ہوتی ہے، کچھ نہ کچھ بندوبست اللہ کر ہی دے گا!"

شائستہ خاموش ہوگئی، اسے خاموش اور پریشان دیکھ کر فریدہ ضبط نہ کر سکی اس نے کہا،

"میری کپا صبر کیجئے، زیادہ نہ سوچئے، میں ڈرتی ہوں! کہیں واقعی آپ کی صحت پر بُرا اثر نہ پڑے اس صدمہ کا! —— میں وعدہ کرتی ہوں بھیک مانگ مانگ کر کم از کم یہ رقم جو آپ نے بینک سے قرض لی ہے، وقت مقررہ پر ادا کر دوں گی!"

شائستہ نے اعتماد اور محبت کی نظر سے فریدہ کو دیکھا اور بولی،

"مجھے خدا پر بھروسہ ہے، بھیک مانگے بغیر کوئی صورت نکل آئے گی نہ نکلی تو اختر بھائی سے لے لوں گی!"

زبیدہ اُچھل پڑی،

"یہ تو بڑی اچھی تجویز سوچی آپ نے، —— بس پھر کاہے کی فکر!"

شائستہ نے کچھ سوچتے ہوئے فکرمند لہجہ میں کہا،

"اب ایک اور بہت ہی اہم اور پیچیدہ سوال درپیش ہے!"

فریدہ نے پوچھا،

"وہ کیا؟"

شائستہ نے کہا،

"سوال یہ ہے کہ اس کیس کی اطلاع پولیس میں دی جائے یا نہ دی جائے؟"

فریدہ نے شائستہ کو ٹوکتے ہوئے کہا

"جی"

وہ کہنے لگی،

"اگر پولیس میں اطلاع دیتی ہوں تو تربیت گاہ کی بدنامی ہوتی ہے، ساکھ خراب ہوتی ہے، شہرت اور وقار پر اثر پڑتا ہے"

"جی ہاں یہ اندیشہ ہے تو صحیح!"

"لیکن اگر اطلاع نہیں دیتی تو سارا الزام میرے اوپر آجاتا ہے!"

"آپ پر کس طرح؟"

"یہ کریں نے وہ رقم نسیم کو دے دی، چیک پر دستخط بھی، لیکن دستخط تو میرے ہی ہیں، اور اگر دستخط میرے نہیں ہیں تو میں نے پولیس میں اطلاع کیوں نہیں دی!"

"ہاں آپا یہ تو بڑا ٹیڑھا سوال ہے!"

جتنا جتنا اس سوال کو سوچتی ہوں، اتنا ہی اتنا معاملہ پیچیدہ اور لاینحل ہوتا جاتا ہے!"

"پھر آپ نے کچھ سوچا تو ضرور ہوگا!"

"ذہن میں یہی بات آتی ہے کہ پولیس میں اطلاع دے ہی دوں —— نہ دوں تو دو ہزار کے بجائے پورے بارہ ہزار کا انتظام کروں، بی عاصمہ اور رضیہ کہہ ہی گئی ہیں، کچھ دال میں کالا ہے، پھر تو ایک اچھا خاصا شغلہ ان کے ہاتھ آجائے گا اور جگہ جگہ کہتی پھریں گی، اگر دال میں کچھ کالا نہیں تھا تو اتنی بڑی رقم پر چپ کیوں سادھ لی؟"

فریدہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا،

"لیکن آپا، میری رائے نہیں ہے کہ آپ پولیس میں اطلاع دیں!"

شائستہ نے پوچھا،

"کیوں بھئی؟"

وہ بولی

"اگر نسیم صاحب گرفتار ہوگئے تو ان سے یہ بھی بعید نہیں ہے کہ اپنے بچاؤ کے لئے دال میں کالے کی تصدیق بھی کر دیں! —— خوب اچھی طرح سوچ سمجھ لیجئے پھر کوئی قدم اٹھائیے!

کئی روز تک شائستہ فیصلہ نہ کر سکی کہ اس کیس کی اطلاع پولیس کو دے یا نہ دے؟ فریدہ کی بات میں اسے وزن نظر آرہا تھا، حالات کسی کا انتظار نہیں کرتے، شائستہ کے تذبذب نے حالات کی رفتار پر کوئی اثر نہیں کیا، بہت جلد بجلی کی سی تیزی کے ساتھ ساری تربیت گاہ میں غبن کا واقعہ زبان زد خاص و عام ہوگیا، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ چہ می گوئیاں بھی شروع ہوگئیں اور چہ می گوئیوں کے ساتھ خفیہ طور پر ریشہ دوانیوں کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔

رضیہ اس تحریک کی روح رواں تھی، عاصمہ، ثروت اور توقیر اس کی پشت پناہ، دوسری استانیاں اس گروہ کی سرگرمیوں سے تو الگ تھیں لیکن شائستہ کے بارے میں آہستہ آہستہ غیر محسوس طور پر ان کی رائے بھی بدلتی جارہی تھی، اور وہ سنجیدگی کے ساتھ سوچنے لگی تھیں کہ شائستہ بہرحال اتنی اچھی نہیں ہے جتنی اب تک ان کی نظروں میں تھی،

ادھر چند روز سے شائستہ کی طبیعت کچھ خراب تھی، اس نے کلاس لینا چھوڑ دیا تھا، اور چپ چاپ کمرہ میں پڑی رہتی تھی، یہ طبیعت کی خرابی بلاشبہ نتیجہ تھی نسیم کے واقعہ کا، اس واقعہ نے اسے ایسا شاک پہنچایا تھا، اس کے قلب، دماغ، بلکہ روح تک میں اتھل پتھل ہوگئی تھی، وہ بڑے حوصلے سے کام لے کر صبر اور برداشت کا مظاہرہ کر رہی تھی، لیکن اب اس کا حوصلہ جواب

دے رہا تھا، اعصاب شاید اس سے زیادہ بوجھ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔
شائستہ کی یہ علالت اور گوشہ گیری بھی گفتگو کا ایک دلچسپ موضوع بن گئی تھی، ایک روز رضیہ کے کمرہ میں عاصمہ، ثروت اور توقیر جمع ہوئیں اور شائستہ پر گفتگو شروع ہو گئی۔

توقیر نے کہا،

"اب تو بلی بورے سے باہر آ گئی ——!"

ثروت بولی

"واہ باہر کہاں آئی وہ تو بورے میں گھس گئی —— دیکھ نہیں رہی ہو کئی دن سے ملکہ معظمہ کی سواری باد بہاری نہیں نکلی ہے!"

سب ہنسنے لگیں،

رضیہ نے کہا،

"غضب خدا کا، بارہ ہزار روپے اس عورت نے اپنے یار کو چٹا دیے؟"

عاصمہ نے کہا،

اور قیاس یہ ہیں کہ دستخط جعلی ہیں —— پوچھو اگر جعلی دستخط ہیں تو پولیس میں اطلاع کیوں نہیں دی؟ اسی لیے کہ اگر دھڑ لیا گیا تو عدالت میں سارا پول کھول کر رکھ دے گا، عصمت بی بی کا!

ثروت نے پھر مداخلت کی،

"سچ ہے، بھولی بھالی شکل والے ہوتے ہیں جلاد بھی، صورت دیکھو تو کتنی پارسا معلوم ہوتی ہے اور کرتوت دیکھو تو چھٹی ہوئی ——

توقیر۔ بھگی بلی کہو،

رضیہ۔ میں تو اسے آبرو باختہ کہتی ہوں،

ثروت۔ سب کی یہی رائے ہے، کوئی چپ ہے کوئی صاف کہہ رہا ہے

رضیہ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر شائستہ نے خاموشی اختیار کر لی ہے اس رقم خطیر

کے بارے میں تو ہم کیوں چپ رہیں؟

توقیر۔ کیا کرنا چاہئے ہمیں؟

عاصمہ۔ مطالبہ کرنا چاہئے یا تو یہ رقم داخل کرو، ورنہ نسیم کے خلاف پولیس میں رپورٹ کرو!"

ثروت۔ لیکن اگر وہ کہہ دیں کہ تم بیچ میں بولنے والی کون؟ ہماری مرضی ہے ہمیں نے روپیہ جمع کیا تھا، ہمیں نے غارت کر دیا

رضیہ۔ (منہ چڑا کر) واہ، کہیں ایسا کہا نہ ہو،

ثروت۔ تو کیا زبان پکڑو گی؟

رضیہ۔ میں تو را کہ لگا کر گدی سے کھینچ لوں گی اس کی زبان!

عاصمہ۔ پھر چور کا دل کتنا، دیکھتی نہیں ہو جب سے روپیہ کا چرچا شروع ہوا ہے دبکی پڑی ہے اپنے کمرے میں!

رضیہ۔ بہرحال اس واقعہ نے پول کھول دی شائستہ بیگم کی، ڈھونگ رچایا تھا اپنی پارسائی کا،

ثروت۔ لیکن اگر یہ باتیں افشا ہوئیں تو تربیت گاہ کی ساکھ پر بھی اثر پڑے گا اور اس کا اثر ہمارے روزگار پر پڑنا لازمی ہے!

عاصمہ۔ تم تو ہو ابھی خاصی بے وقوف!

ثروت۔ یہ میں نے بے وقوفی کی بات کہی ہے؟

عاصمہ۔ اور کیا —— یا تو شائستہ تربیت گاہ کو چھوڑ کر کہیں منہ کالا کر جائے گی کہ نسیم کسی دوسرے شہر میں پروگرام کے مطابق اپنی محبوبہ دلنواز کا منتظر ہو، اگر ایسا ہوا تو ہم اس ادارہ کو چلائیں گے کیسے!

ثروت۔۔۔ اور اگر ایسا نہ ہوا؟

عاصمہ۔ تو پھر اس بدنام ادارہ کو چھوڑ کر ہم ایک نیا ادارہ قائم کریں گے

توقیر۔ تجویز تو بڑی اچھی ہے!

عاصمہ۔ اور کیا،

رضیہ۔ میرے خیال میں وقت آگیا ہے کہ شائستہ سے اس سلسلہ میں دو ٹوک گفتگو کر لی جائے!

ثروت۔ شائستہ اور فریدہ دونوں سے؟

توقیر۔ فریدہ سے کیوں؟

ثروت۔ دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔

رضیہ۔ لیکن بھئی انصاف تو کرنا چاہیے، نسیم کے خلاف ہم سب سے زیادہ فریدہ کو غصہ تھا، اس نے صاف الفاظ میں شائستہ سے کہہ دیا تھا کہ یہ چھٹا ہوا بدمعاش ہے، اسے نکال دینا چاہیے۔

عاصمہ۔ ہاں، فریدہ کے خلاف تحریک چلانے کی ضرورت نہیں!

توقیر۔ شائستہ کے جانے کے بعد وہ بالکل ہمارے ساتھ ہوگی

ثروت۔ تم جانو۔

رضیہ۔ میری ایک تجویز اور بھی ہے۔

ثروت۔ وہ بھی کہہ ڈالو

رضیہ۔ کیوں نہ ہم سب ایک وفد بنا کر ناہید بیگم کے پاس چلیں؟

ثروت۔ اس سے کیا فائدہ ہوگا؟

رضیہ۔ وہی دراصل اس ادارہ کی بانی ہیں، ورنہ شائستہ کے پاس لنگوٹی کے سوا اور کیا تھا؟ ان ہی کے اثر سے یہ ادارہ کامیاب ہوا ورنہ شائستہ کو یہاں کون جانتا تھا؟

ثروت۔ ہاں تو؟

رضیہ۔ ان سے سارے پوست کندہ حالات اس بھلا بھگت کے بیان کر دیے جائیں گے اور مطالبہ کیا جائے گا وہ کان پکڑ کر اسے یہاں سے نکال دیں!

توقیر۔ بات قرینہ کی ہے!

عاصمہ۔ لیکن مجھے اختلاف ہے!

رضیہ۔ اختلاف کا سبب؟

عاصمہ۔ ناہید پر شائستہ کا بہت اثر ہے، وہاں اگر ہم گئے تو منہ کی کھانی پڑے گی وہ ہمارا ساتھ نہیں دیں گی، اس کی پشت پناہی کریں گی پھر اس کے بعد ہمارے بے عمل کا ہر دروازہ بند ہو جائے گا

ثروت۔ تو پھر کیا کرنا چاہیے۔

عاصمہ۔ میری مانو تو سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی

ثروت۔ کیوں نہیں مانیں گے، لیکن منہ سے کچھ کہو بھی تو۔

عاصمہ۔ ہمیں چاہیے کہ صالحہ کو کسی طرح اپنا ہمنوا بنا لیں۔

ثروت۔ اس سے کیا فائدہ ہوگا؟

عاصمہ۔ صالحہ مرزا پور کی رہنے والی ہے اور ایک اونچے گھرانے کی لڑکی ہے۔ اس کے اور ناہید کے خاندانی تعلقات ہیں ناہید جب سیتا پور آتی ہے تو صالحہ کو مستقل طور پر اپنا مہمان رکھتی ہے۔

ثروت۔ آخر تم کہنا کیا چاہتی ہو؟

عاصمہ۔ ہمیں صالحہ کو آمادہ کرنا چاہیے کہ گرمی کی دو ماہی تعطیل میں جو پرسوں سے شروع ہو رہی ہے، وہ ناہید کو یہاں کے تمام واقعات پوری تفصیل سے بتائے اور بار بار اس کے کان میں نسیم اور شائستہ کے ناجائز اور ناپاک تعلقات کی باتیں ڈالتی رہے، اس طرح ناہید غیر محسوس طور پر متاثر ہوگی اور کم از کم وہ اس کے چال چلن کے بارے میں مشتبہ ضرور ہو جائے گی،

رضیہ۔ تجویز بہت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہے۔

عاصمہ۔ پھر تعطیل کے بعد ایک وفد بنا کر ہم ناہید کے پاس پہنچیں، یقیناً تیر ــــ

رضیہ۔ نشانہ پر بیٹھے گا!

ثروت۔ اور تعطیل کے دوران میں شائستہ کے خلاف گمنام خطوط بھی شائستہ کو بھیجتے رہیں دھمکی کے!

عاصمہ۔ چلو یہ بھی سہی!

ثروت۔ لیکن ایک سوال ہے

عاصمہ۔ یعنی صالحہ کو راہ راست پر کون لائے گا؟

ثروت۔ ہاں میرا مطلب یہی ہے!

عاصمہ۔ اس کی فکر نہ کرو، یہ کام توقیر کر لیں گی —— کیوں توقیر؟

توقیر۔ ہاں اسے میں ہموار کروں گی۔

رضیہ۔ بس تو پھر ہم جیت گئے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ تعطیل کلاں کے بعد جب تربیت گاہ کھلے گی تو اس شیطان کی خالہ سے ہمیں نجات مل جائے گی۔

عاصمہ۔ یقیناً —— اس میں بھی کوئی شبہ ہے!

دروازے سے لگی، فریدہ یہ ساری باتیں سن رہی تھی، قبل اس کے کہ یہ مجلس برخاست ہو، وہ شائستہ کے پاس پہنچی اور جو کچھ سنا تھا اس کا ایک ایک حرف بیان کر دیا۔ یہ سن کر شائستہ نفسِ سرد کے ساتھ گویا ہوئی۔

"خدا تو دیکھتا ہے!"

فریدہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"میں جاتی ہوں صالحہ کے پاس —— شائستہ نے روکا

"نہیں —— صالحہ کی رائے کو متاثر کرنا مناسب نہیں، اگر وہ ان لوگوں کو سچا سمجھتی ہے تو اسے تائید سے واقعی میرے حالات بیان کر دینے چاہئیں اور سچا نہیں سمجھتی تو وہ قطعاً میرے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہے گی۔

فریدہ نے بے بسی کے ساتھ کہا۔

"مگر آپا ——"

شائستہ اس کی دل دہی کرتے ہوئے بولی۔

"ہاں فریدہ یہی ٹھیک ہے —— دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنا میرا شیوہ نہیں، میں اگر اچھی ہوں تو ساری دنیا بھی خلاف ہو جائے تو اچھی ہی رہوں گی اور بری ہوں تو ساری دنیا میرے قصیدے پڑھنے لگے تو بھی اچھی نہیں ہو سکتی، حالات جس رخ پر جا رہے ہیں جانے دو، خدا وہی کرے گا جو بہتر ہو گا!"

شائستہ نے جواب دیا

"تو کون سا غضب ہو جائے گا، تم نے وہ شعر نہیں سنا؟

غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
روئیے زار زار کیا، کیجیے ہائے ہائے کیوں؟

اس دنیا کے بہت سے ذروں میں ایک ذرہ بے مقدار شائستہ بھی ہے رہی رہی، نہ رہی نہ رہی!"

فریدہ کے آنسو برسے جا رہے تھے، وہ بولی،

"خدا کے لیے ایسا نہ کہئے ــــ آپ کو اپنے لیے نہیں ہم جیسوں کے لیے زندہ رہنا چاہیے، اپنی بہنوں کے لیے، اپنی جنس کی ستم رسیدہ بہنوں کے لیے!"

شائستہ نے جواب دیا

"یہی جذبہ تو ہے جو مجھے خودکشی سے روک رہا ہے، ورنہ سچ کہتی ہوں جینے سے جی سیر ہو چکا ــــ بلکہ ــــ ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے!"

فریدہ چڑ گئی!

"پھر وہی باتیں ــــ آپ سے چپ بھی تو نہیں رہا جاتا آپا!"

شائستہ نے کوئی جواب نہیں دیا، مسکرانے لگی، پھر ذرا دیر کے بعد کہنے لگی

"سمجھ میں نہیں آتا بینک کی رقم کس طرح اُتاری جائے ــــ روپے کا اب تک بندوبست نہیں ہو سکا!"

فریدہ نے پوچھا،

"آپا، آپ ناہید سے کیوں نہیں کہتیں؟"

شائستہ کچھ سوچنے لگی

"ناہید سے ـــ؟" فریدہ نے کہا

"جی انھیں سے، وہ تربیت گاہ کی سرپرست ہیں، آپ پر جان چھڑکتی ہیں متعدد مواقع پر ادارہ کی مدد کر چکی ہیں، کیا آپ دو ہزار روپے مانگیں گی اور وہ

تربیت گاہ کی تعطیلِ کلاں کو ایک مہینہ اور بینک سے روپیہ قرض لئے ہوئے دو ماہ کی مدت گزر چکی تھی، اب تک ایک پیسہ بھی ادا نہیں ہو سکا تھا، شائستہ کو بہت فکر تھی کہ اگر وقتِ مقررہ پر یہ رقم ادا نہ ہوئی تو کتنی رسوائی ہوگی مگر کوئی صورت ذہن میں نہیں آتی تھی کہ یہ بوجھ کس طرح اُتارا جائے؟

دن بدن شائستہ کی صحت بھی گرتی چلی جا رہی تھی، اب نہ چہرے پر وہ رونق تھی، نہ رعنائی، ایسا معلوم ہوتا ہے برسوں سے بیمار ہے، کمزوری حد سے بڑھ گئی تھی، صرف اس کی قوتِ ارادی تھی جو اب تک اسے بچائے ہوئے تھی کوئی اور ہوتا تو بستر پر ایسا گرتا کہ اُٹھنے کا نام نہ لیتا، اگرچہ وہ حرارت محسوس کرتی تھی اور کمزوری بھی، ذرا سی محنت میں سانس پھول جاتی تھی، لیکن حتی الامکان اپنے معمولات ادا کرتی رہتی تھی، ایک روز فریدہ نے اس کا یہ حالِ زبوں دیکھا تو روتے ہوئے کہا،

"آپا آپ نے یہ کیا حالت بنائی ہے؟"

شائستہ کے ہونٹوں پر ایک غم انگیز تبسم اُبھرا

"دیکھ تو رہی ہو!"

وہ بولی،

"اس طرح تو آپ پڑ جائیں گی، پھر اُٹھ نہ سکیں گی!"

انکار کردیں گی؟

شائستہ۔ نہیں ایسا کیا غضب ہے کہ انکار کردیں گی، میرا خیال تو ہے کہ اگر میں دس ہزار بھی مانگوں گی تو وہ دے دیں گی۔

فریدہ۔ یہی میرا خیال بھی ہے، پھر انہی سے روپے لے آیئے، تاکہ بینک کے خطرہ سے نجات ملے، پھر آہستہ آہستہ ناہید کو رقم واپس کر دیجئے گا

شائستہ۔ تجویز نامعقول نہیں، لیکن دیکھتی ہو کتنی کمزور ہو گئی ہوں، چار قدم چلتی ہوں تو ہانپنے لگتی ہوں، بھلا یہاں سے مرزا پور جانا اور آنا ان ہی

فریدہ۔ یہ تو ٹھیک ہے، لیکن کام تو بہرحال کرنا ہی پڑے گا۔

شائستہ۔ تم کیوں نہ چلی جاؤ میرا خط لے کر؟

فریدہ۔ مجھے کوئی عذر نہیں، لیکن آپ کے جانے کی بات ہی اور ہے مجھے تو ٹال بھی سکتی ہیں!

شائستہ۔ اچھا میں ہی چلی جاؤں گی!

فریدہ۔ ہاں، یہی ٹھیک ہے۔

شائستہ۔ میں دیکھ رہی ہوں اور کچھ دنوں سے تمہاری طبیعت بھی خاصی نڈھال رہنے لگی ہے، کیا کوئی بیماری تم نے بھی پال لی بری طرح؟

فریدہ۔ کئی دن سے طبیعت خراب تو ہے، چکر بھی آتے ہیں، کمزوری بھی محسوس ہوتی ہے، جی بھی گھبراتا ہے!

شائستہ۔ تو علاج کرو کچھ، مرض کو پالنا تو اچھا نہیں ہوتا۔

فریدہ۔ سوچ رہی ہوں آج سول ہسپتال چلی

شائستہ۔ پاگل ہوئی ہو؟ سول ہسپتال جاکر کیا کرو گی؟ حکیم نذر احمد کیا برے ہیں وہ ہی نسخوں میں ٹھیک ہو جاؤ گی ——!

فریدہ۔ وہاں سول ہسپتال میں مس شافتی میرے ساتھ کی پڑھی ہوئی ہیں وہ زنانہ وارڈ کی انچارج ہیں، ان سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور پھر یہ

حکیموں کے نسخے مجھ سے نہیں پیے جاتے، ڈاکٹر نے ایک انجکشن دیدیا طبیعت ٹھیک ہو گئی۔

شائستہ۔ خیر وہ بھی سہی، لیکن تمہیں اپنے اوپر توجہ کرنی چاہیئے، میرا جو حال ہو رہا ہے، ظاہر ہے، ساری ذمہ داری تمہی پر ہے۔ اگر خدانخواستہ تم بھی پڑ گئیں تو دشمنوں کی بن آئے گی اور تربیت گاہ میں اُلّو بولنے لگے گا!

فریدہ۔ ابھی چلی جاؤں گی ذرا دیر میں، آپ مرزا پور کب جائیں گی؟ میرے خیال میں آج ہی چلی جائیے!

شائستہ۔ اتنی جلدی؟ نہیں، کل پرسوں دیکھا جائے گا۔

فریدہ۔ لیکن وہاں رہ نہ جایئے گا

شائستہ۔ نہیں صبح کی بس سے جاؤں گی، شام کی بس سے آجاؤں گی میری طبیعت خود اتنی اکتائی ہوئی ہے کہ جی ہی نہیں لگتا کہیں۔

فریدہ۔ لیکن ناہید روکیں گی آپ کو ضرور!

شائستہ۔ تم بھی تو یہاں تنہا ہو، رُک کیسے جاؤں گی؟

اس گفتگو کے بعد، فریدہ الگ میز پر بیٹھ کر کچھ لکھنے لگی، شائستہ نے پوچھا

"کیا لکھ رہی ہو؟"

وہ بولی،

"ایک پرزور اپیل تربیت گاہ کی مالی امداد کے لئے، سوچتی ہوں اخبار میں بھیج دوں، ممکن ہے کوئی اہل دل اس نیک کام میں حصہ لینے کو تیار ہو جائے ورنہ مضمون نگاری کی مشق تو ہو ہی جائے گی!"

شائستہ ہنسنے لگی، پھر اس نے کہا،

"لیکن مجھے دکھا لینا!"

دوسرے روز شائستہ بس میں بیٹھ کر مرزاپور روانہ ہو گئی، پہلے ارادہ تھا کہ لبنیٰ کو اپنے ساتھ لیتی جائے، پھر خیال آیا فریدہ تنہا رہ جائے گی، لہٰذا یہ خیال ترک کر دیا اور اکیلی چلی گئی۔

جب بھی شائستہ مرزاپور جاتی تھی تو ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھی، ناہید اور اختر حسین اس کے لئے دیدہ و دل فرشِ راہ کر دیتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا، شائستہ نہیں آئی، کوئی بادشاہ آیا، کوئی شہر یار آیا!

لیکن آج فضا بالکل بدلی ہوئی تھی!

ناہید خندہ جبین کے ساتھ مسکراتی ہوئی ملی — لیکن وہ گرمجوشی کہاں تھی، وہ تپاک کہاں تھا، جو ناہید کی روح میں شائستہ کے لئے رچا ہوا نظر آتا تھا۔

اختر حسین بھی حسبِ معمول اخلاق سے ملے — لیکن وہ اپنائیت، وہ خلوص، جو ان کے چشم و ابرو سے جھلکتا رہتا تھا، ناپید تھا!

شائستہ بڑی حساس عورت تھی، اس نے ناہید اور اختر حسین کے اخلاق میں سرد مہری محسوس کی تو دل پر ایک دھچکا سا لگا، جی چاہا اُلٹے پاؤں واپس چلی جائے، غرض بڑی بلا ہوتی ہے، بینک کے ایجنٹ کے تصور نے اس کا ارادہ متزلزل کر دیا۔

ناہید نے اخلاق کے ساتھ، لیکن تصنع صاف نمایاں تھا، پوچھا

"آج کہاں بھول پڑیں؟ یہ تمہارا حال کیا ہو رہا ہے؟ کچھ بیمار ہو؟"

وہ بولی

"ہاں، کافی عرصہ سے طبیعت خراب ہے۔"

ناہید: پھر زحمتِ سفر اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ وہیں آرام کرتیں ملاقات پھر ہو جاتی!"

شائستہ: لیکن میں صرف ملاقات کے لئے نہیں آئی ہوں

ناہید: کوئی خاص کام ہے؟

شائستہ: ہاں بے حد ضروری اور بہت اہم!

ناہید: تو کہہ ڈالو پھر

شائستہ: مجھے دو ہزار روپے چاہئیں قرض، انشاء اللہ جلد ہی واپس کر دوں گی!

ناہید: (سنجیدگی سے) کوئی ذاتی ضرورت ہے یا —

شائستہ: نہیں ذاتی ضرورت کیا ہو سکتی ہے؟ تربیت گاہ کے لئے چاہئیں، میں نے بینک سے یہ رقم قرض لی تھی، وہ ادا کرنی ہے!

ناہید: (اظہارِ حیرت کرتے ہوئے) ایسی کون سی اُفتاد آ پڑی کہ بینک سے قرض لینا پڑا؟

شائستہ: حالات کا تقاضہ!

ناہید: یہ بات تو کچھ سمجھ میں نہیں آتی، کیا پچھلی مرتبہ جب میں سیتاپور گئی تھی تو تمہیں نے بڑی خوشی سے کہا تھا، ہمارے ادارہ کا بینک بیلنس اب پندرہ ہزار سے متجاوز ہے، اتنی بڑی رقم اتنی مختصر سی مدت میں کس طرح خرچ ہو گئی؟"

شائستہ: کچھ حساب میں گڑبڑ ہو گیا!

ناہید۔ (چبھتے ہوئے انداز میں) یعنی غبن!

"غبن" کا لفظ سن کر شائستہ کی سمجھ میں سب کچھ آگیا، آج تک ناہید نے اس سے ایسی باتیں نہیں کی تھیں، جب کبھی اس نے روپیہ مانگا تو اس نے بے تامل بڑی سے بڑی رقم حوالہ کر دی، بعد میں جب رقم ادا کرنے کا وقت آیا تو کافی اصرار کے بعد بدقت اس نے وہ رقم واپس لی، وہی ناہید آج اس طرح کے سوالات کر رہی ہے جیسے کوئی ہوشیار وکیل ملزم پر جرح کرتا ہے۔ یہ محسوس کر کے اس کا دل ڈوبنے لگا، ناہید نے دریافت کیا،

"بتاؤ آخر بات کیا ہے؟"

شائستہ نے جھجکتے ہوئے انداز میں کہا،

"ہاں آپ کی اطلاع صحیح ہے، واقعی غبن ہو گیا۔"

لیکن ناہید اس طنز سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی،

"وہی تو پوچھتی ہوں کس طرح ہوا؟"

شائستہ نے بتایا،

"اکاؤنٹنٹ رقم لے کر فرار ہو گیا —!"

ناہید نے پھر چوٹ کی،

"کیا اتنی بڑی رقم تجوری میں رکھی تھی؟"

شائستہ نے لاجواب ہوتے ہوئے کہا،

"نہیں، تھی تو بینک میں!"

ناہید نے پوچھا،

"کیا چیکوں پر دستخط اکاؤنٹنٹ کیا کرتا تھا؟"

شائستہ کو کہنا پڑا،

"نہیں، دستخط تو میں ہی کرتی تھی، لیکن اس نے جعلی دستخط بنا کر رقم

برآمد کی۔"

ناہید نے رضیہ اور عاصمہ کی زبان میں پوچھا

"پھر تم نے پولیس میں رپورٹ تو کر دی ہوگی؟"

شائستہ نے جواب دیا،

"کیا فائدہ تھا رپورٹ کرنے سے؟"

"کیوں؟ فائدہ کیوں نہیں تھا؟ ملزم پکڑا جاتا اور عین ممکن تھا کہ رقم بھی اس کے پاس سے برآمد ہو جاتی، یہ تو حد کر دی تم نے!"

شائستہ نے صفائی دی،

"اس طرح ادارہ بدنام ہو جاتا!"

ناہید نے پھر وار کیا،

"ادارہ تو بدنام نہ ہوتا، ہاں تمہاری بدنامی ضرور ہوتی — بہرحال یہ بہت برا ہوا!"

شائستہ کچھ نہ کہہ سکی، حیرت سے ناہید کو دیکھنے لگی!

وہ سوچ رہی تھی، کہیں میرے کان دھوکا تو نہیں دے رہے ہیں، کیا ناہید ایسی باتیں کر سکتی ہے؟

اس کا جی چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے — لیکن کوئی ہمدرد ہو تو اس کے سامنے رونے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے، مخالف اور نکتہ چیں کے سامنے رونا کمزوری ہے، اور وہ اپنی کمزوری پر غالب آنا جانتی تھی!

اس نے کہا،

"بہرحال آدمی ٹھوکر کھا کر ہی سبق لیتا ہے!"

ناہید نے آنکھیں ملائے بغیر کہا،

"لیکن تربیت گاہ کو ٹھوکر کھانے کی تجربہ گاہ تو نہیں بنانا چاہیے۔ مجھے

یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ تم نے نسیم کے ساتھ بہت غلط رعایت کی جس سے لوگوں کو تمھارے خلاف بھی چہ می گوئیوں کا موقع جائز طور پر مل سکتا ہے"

شائستہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا،

"یہ نسیم کا نام بھی جانتی ہے ——؟

اسے یہ بھی معلوم ہے کہ میرے خلاف چہ می گوئیاں ہو رہی ہیں؟

اور یہ ان چہ میگوئیوں کو جائز بھی سمجھتی ہے!"

ایک مرتبہ پھر اس کا دل چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے، لیکن اس نے ضبط سے کام لیا، وہ اپنی کمزوری کسی قیمت پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ خاموش ہو گئی!

کچھ دیر تامل کے بعد ناہید نے کہا

"گرمی کا موسم شدت اختیار کر چکا ہے کل ہم لوگ پہاڑ پر جا رہے ہیں ویسے ہی آج کل آمدنی کم ہے، اور پہاڑ پر جانے کے سبب مصارف اور بڑھ جائیں گے، لہٰذا فی الحال تو اتنی بڑی رقم کا انتظام کرنا مشکل ہے۔ ہاں سود وسوے کام چل سکے تو مجھے عذر نہیں!"

شائستہ نے اُٹھتے ہوئے کہا،

"نہیں بہن، سود وسوے کام نہیں چلے گا —— بہرحال تمھاری اس عنایت کا شکریہ!"

وہ جانے لگی تو ناہید نے کہا،

"چلیں کہاں؟ —— کیا ابھی چلی جاؤ گی؟"

شائستہ نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا،

"پندرہ منٹ کے بعد ایک بس جائے گی اس سے چلی جاؤں گی؟"

ناہید نے رسماً کہا

"کھانا تو کھا لو، وقت آگیا ہے!"

شائستہ نے معذرت کر دی،

"بالکل بھوک نہیں ہے!"

ناہید نے یہ عذر تسلیم کر لیا، اور شائستہ چلی گئی۔

فریدہ ابھی ابھی ہسپتال سے انجکشن لگوا کر واپس آئی تھی کہ اس نے دیکھا شائستہ آ رہی ہے، اس قدر جلد اسے واپس آتا دیکھ کر وہ حیران رہ گئی!

"ارے آپا، آپ واپس آ گئیں؟"

شائستہ نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا،

"ہاں!"

فریدہ نے سوال کیا،

"کیا ناہید سے ملاقات نہیں ہوئی؟"

شائستہ نے بتایا

"ہوئی تھی؟"

فریدہ نے پھر سوال کیا،

"تو انھوں نے روپیہ دے دیا؟"

شائستہ نے کہا،

"نہیں ——"

"نہیں" کا لفظ سن کر فریدہ سن ہو گئی!

"کیا ناہید نے روپیہ دینے سے انکار کر دیا؟"

شائستہ نے بہت مختصر سا جواب دیا،

"ہاں!"

یہ "ہاں" "نہیں" سے بھی زیادہ سنسنی خیز ثابت ہوا، فریدہ کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، اسے چپ لگ گئی، اس نے بہت کچھ پوچھنا چاہا، لیکن کن الفاظ میں پوچھے، یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، آخر اس کی یہ مشکل خود شائستہ نے حل کر دی"

"انھیں سب کچھ معلوم ہے!"

فریدہ چونک پڑی

"کیا کہا آپا؟"

شائستہ نے کہا،

"وہ سب کچھ جانتی ہیں، نسیم کا نام، غبن کا واقعہ، چیک پر میرے دستخط، پولیس میں میرا رپورٹ نہ کرنا، لوگوں کا میرے خلاف چہ می گوئیاں کرنا اور ان چہ می گوئیوں کا جائز ہونا،

یہ سن کر ایسا معلوم ہوا جیسے فریدہ پر فالج گر پڑا، کچھ دیر تو وہ گم سم بیٹھی رہی، پھر بڑی مشکل سے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے، اس نے کہا،

"یہ حرکت صالحہ کے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی!"

"ہو سکتا ہے!"

"میں پہلے ہی آپ سے کہہ رہی تھی کہ مجھے اس سے گفتگو کر لینے دیجیے لیکن آپ نے منع کر دیا،

ایک نفس سرد کے ساتھ شائستہ نے کہا،

"میں اب بھی اپنی رائے کو صحیح سمجھتی ہوں!"

فریدہ نے پوچھا

"پھر اب کیا ہو گا؟ —— بینک کی رقم کس طرح ادا ہو گی؟"

شائستہ نے کوئی جواب نہیں دیا، اخبار اٹھا کر پڑھنے لگی،

فریدہ نے غور سے دیکھا تو اس کی آنکھیں لبریز اشک تھیں، وہ چیخی،

"آپا——"

اور پھر بند ٹوٹ گیا!

تعطیل کلاں ختم ہوگئی!

تربیت گاہ میں حاضری آج بہت کم تھی، شاید اس لیے کہ پہلا دن تھا، پرانی لڑکیوں میں مشکل سے ۲۰ — ۲۵ آئی ہوں گی، باقی امروز و فردا میں آنے والی تھیں، نیا داخلہ بہت کامیاب رہا، صرف آج ۳۵ نئی لڑکیاں داخل ہوئیں استانیاں سب حاضر تھیں، کلاس میں تھوڑی دیر بیٹھیں، اس کے بعد ادھر ادھر خوش گپیاں کرتی گھومنے لگیں، لڑکیوں کی بھی مختلف ٹولیاں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آپس میں چہلیں کرتی پھر رہی تھیں، شائستہ اگرچہ بہت کمزور اور نڈھال ہوگئی تھی، کیونکہ اب مستقل طور پر اسے حرارت رہنے لگی تھی، لیکن فریدہ کے منع کرنے کے باوجود وہ بالاخانہ سے اُتر کر نیچے آئی اور نئی طالبات پرانی لڑکیوں اور استانیوں کا خندہ جبینی کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ رضیہ، عاصمہ اور ثروت وغیرہ سے وہ اس طرح ملی جیسے اُن سے اُسے کوئی شکایت نہیں ہے، وہی اخلاق، وہی تپاک، وہی گرم جوشی، تھوڑی دیر دفتر میں بیٹھ کر اور سب سے مل ملا کر وہ پھر تربیت گاہ کے بالاخانہ پر اپنے کمرے میں چلی گئی، جاتے جاتے اس نے فریدہ سے کہا،

"دیکھو اتنے ہی میں تکان محسوس ہونے لگی، تم کام سنبھالو میں جاتی ہوں"
فریدہ نے دل سوزی کے لہجہ میں کہا۔

"ہاں آپا، آپ تشریف لے جایئے، میں کام سنبھال لوں گی!"

خالدہ کے اوپر جانے کے بعد رضیہ اور عاصمہ دفتر میں آکر فریدہ کے پاس بیٹھ گئیں، رضیہ نے پوچھا،

"کہو جانی فریدہ کیا حال چال ہے؟"

وہ بولی

"اچھی ہوں، تم اپنی کہو!"

عاصمہ نے ہمدردانہ لہجہ میں کہا،

"اچھی کیا خاک ہو؟ — چہرہ تو تمہارا بھی ایسا ہی ستا ہوا ہے، جیسے مدت سے بیمار چلی آرہی ہو!"

فریدہ نے جواب دیا،

"ہاں ان دنوں طبیعت تو میری بھی بہت خراب رہی، چکر، حرارت، کمزوری، نہ جانے کیا کیا الا بلا، لیکن خدا کا شکر ہے اب اچھی ہوں!"

رضیہ نے پوچھا،

"خالدہ بیگم بھی تو نصیب دشمناں بیمار ہیں کچھ؟"

فریدہ نے بتایا،

"ہاں بہت زیادہ، کمزور تو بے حد ہو گئی ہیں!"

عاصمہ بول پڑی

"وہ تو ہونا ہی چاہئیں، اپنے جسم ناتواں پر..... کیسے کیسے بوجھ لادے پھر رہی ہیں بیچاری —!"

رضیہ نے لطف لیتے ہوئے کہا،

"اور وہ بھی اتنی ہوشیاری سے کہ ہم میں سے کسی کو پتہ بھی نہیں چل پایا — اشاء اللہ!"

اس عجیب و غریب گفتگو سے فریدہ کو حیرانی ہوئی۔ اس نے کہا، "یہ تم

کس طرح کی باتیں کر رہی ہو؟"

رضیہ مسکرانے لگی،

"یہ باتیں تمہاری سمجھ میں نہیں آئیں گی بھولی بچی!"

عاصمہ نے کہا،

"اور اگر آئیں گی تو ذرا دیر کے بعد!"

ثروت نے مزید تشریح کی،

"یعنی گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد!"

یہ طنز بھری باتیں فریدہ کے دل پر تیر و نشتر کا کام کر رہی تھیں، اس نے عافیت اسی میں سمجھی کہ خاموشی اختیار کرے، چنانچہ اس نے ضروری کاغذات کا جو سامنے میز پر پڑے ہوئے تھے، مطالعہ شروع کر دیا، پھر ایک کاغذ دیکھتے ہوئے وہ ذرا کے ذرا رکی، پھر حاضرین سے پوچھا،

"یہ صالحہ کی درخواست ہے، کیا وہ آج آئی تھی؟"

عاصمہ نے بتایا،

"ہاں، آئی تھی!"

فریدہ بولی،

"آج ہی آئی اور آج ہی رخصت کی ضرورت پیش آگئی، اور وہ بھی اتنی شدید کہ مل بھی نہیں، درخواست میز پر رکھی اور غائب!"

رضیہ نے کہا

"آتی ہی ہو گی!"

فریدہ نے سوال کیا،

"کیا تم سے مل کر گئی ہے؟"

عاصمہ نے بجائے رضیہ کے جواب دیا

"ہاں ہمارے مشورہ سے گئی ہے!"

اب تو فریدہ اور زیادہ حیران ہوئی،

"آج تم لوگ کس طرح کی باتیں کر رہی ہو؟ میرا تو دل ہول رہا ہے آخر مقصد کیا ہے ان باتوں کا؟ صالحہ آئی، مجھ سے نہیں ملی، تم سے ملی، تم سے باتیں کیں اور تم سے مشورہ کر کے پھر چلی گئی اور اس طرح گئی کہ اب آتی ہی ہو گی ۔۔۔ کیا ماجرا ہے، عقل حیران ہے؟!"

عاصمہ نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا،

"نادان لڑکی، تم گو ہماری افسر ہو، لیکن ناتجربہ کار ہو!"

"پھر بھی آخر کچھ معلوم تو ہو!"

"معلوم ہو جائے گا!"

"لیکن کب؟"

"پروا نہ کرو، جلد شاید بہت جلد!"

"کیا معلوم ہو گا؟"

"یہ کہ رنگے سیار کیسے ہوتے ہیں؟"

"ان سب چیزوں کا صالحہ کی آمد و رفت سے کیا تعلق ہے؟"

دفعتہً عاصمہ نے سامنے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

"اے لو آ گئی صالحہ خوش خوش آ رہی ہے"

لیکن وہ تنہا نہیں ہے!

اس کے ساتھ ناہید بیگم بھی آ رہی ہیں!

ناہید کے چہرے سے غضب، برہمی اور اشتعال کے آثار نمایاں ہیں!

بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا،

"ناہید بھی ۔۔۔"

رضیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی،

"ہاں ۔۔۔!"

فریدہ کا دل ایک نامعلوم دہشت سے، ایک نامعلوم خطرہ سے دھڑکنے لگا، وہ کھڑی ہو گئی، کیونکہ ناہید قریب آتی جا رہی تھی اور وہ بہرحال پرتپاک اور شایانِ شان استقبال کی مستحق تھی، قبل اس کے کہ ناہید کمرہ میں داخل ہو، عاصمہ نے کہا،

"اب مزا آئے گا!"

اتنے میں ناہید اندر آ گئی، فریدہ نے اس سے مصافحہ کیا،

آج کی ناہید ہمیشہ کی ناہید سے کتنی بدلی ہوئی تھی!

شائستہ سے تعلق کے سبب وہ فریدہ سے بھی بڑی اپنایت اور چاؤ کا برتاؤ کرتی تھی، بالکل ایسا ہی جیسا ایک بڑی بہن کا چھوٹی بہن سے ہونا چاہیے!

لیکن آج تو ایسا محسوس ہو رہا تھا، جیسے کوئی فرعون مزاج انسپکٹر آف اسکولز کسی تھرڈ کلاس اسکول کے نالائق عملہ اور نالائق ہیڈ معلمہ کو ذلیل کرنے ڈانٹنے ڈپٹنے اور گوشمالی کرنے کے لئے آیا ہے ۔۔۔!

عاصمہ اور رضیہ اس طرح اس کے سامنے سرِ عبودیت خم کے کھڑی تھیں جیسے خدا کے بعد اسی کا درجہ

ناہید نے شرربار نظروں سے فریدہ کو دیکھا اور سوال کیا،

"شائستہ بیگم کہاں ہیں؟"

فریدہ نے جواب دیا،

"آپ تو جانتی ہیں، ان کی طبیعت خراب ہے ۔۔۔"

فریدہ اپنی بات پوری نہ کرنے پائی، ناہید نے بڑے تلخ اور درشت لہجہ میں کہا،

"اس میں بہت کچھ جانتی ہوں ۔۔۔ سوال کا جواب دو، ادھر ادھر کی غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع کرو!"

اس اندازِ گفتگو کی فریدہ عادی نہیں تھی، احتجاج تو کیا رُن سہم گئی اور

قبل اس کے کہ اپنی کیفیت پر غالب آکر کچھ جواب دے سکے، عاصمہ نے گویا
اس کی طرف سے جواب دے دیا،

"بالاخانہ پر مصروفِ استراحت ہیں!"

خشمگیں نگاہوں سے ناہید نے فریدہ کو دیکھا

"تو اب انھوں نے دفتر آنا بھی چھوڑ دیا ہے؟"

وہ بولی

"آئی تو تھیں لیکن ——"

عاصمہ نے تجویز پیش کی،

"وہیں چلئے موقعِ واردات پر، یہی زیادہ بہتر ہوگا!"

ناہید آگے آگے، پیچھے پیچھے فریدہ، رضیہ، عاصمہ، ثروت اور صالحہ
شائستہ کے کمرے کی طرف بڑھیں!

شائستہ اپنے کمرے میں بستر پر دراز تھی، کریمن اس کی پائینتیوں بیٹھی کچھ
باتیں کر رہی تھی، سامنے، بالکل قریب ہی ایک پالنا رکھا تھا اور اس میں ایک
خوبصورت سا بچہ جس کی عمر زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس روز کی ہوگی، لیٹا انگوٹھا
چوس رہا تھا

شائستہ کے چہرہ پر اضطراب، تشویش اور کمزوری کے آثار تھے، وہ اس
طرح نڈھال پڑی تھی جیسے بہت ہی تھکن محسوس کر رہی ہو،

کریمن اس سے کہہ رہی تھی،

"آخر تمھیں نیچے جانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ کمزوری کا یہ حال ہے کہ
چار قدم چلتی ہو، اور ہانپ جاتی ہو، حرارت کسی وقت پیچھا نہیں چھوڑتی، اور
تم ہو کہ پڑھتی بھی، لکھتی بھی، گھنٹوں اور پہروں نہ جانے کیا کیا سوچتی بھی
رہتی ہو، آزردگی، اور بھی بڑھے گی —— اس طرح تم اپنی جان کے پیچھے ہاتھ

دھو کر پڑ گئی ہو،

شائستہ کریمن کی ان محبت بھری باتوں سے بہت متاثر ہوئی، اس نے کہا،

"چاہتی تو ہوں کہ کچھ نہ کروں، لیکن ڈیوٹی بھی تو کوئی چیز ہے!"

کریمن نے جل کر کہا،

"بھاڑ میں جائے ایسی ڈیوٹی جو کسی کی جان لے لے —— ڈاکٹر صاحب
کہہ رہے تھے انھیں آرام کرنے کی ضرورت ہے، اور تمھارا یہ حال ہے کہ
تمھیں آرام سے دشمنی ہے!

شائستہ مسکرانے لگی،

"اچھا اب ایسی غلطی نہ کروں گی!"

کریمن کو اس کی باتوں پر اعتبار نہ آیا،

"یہ آج کچھ پہلی دفعہ وعدہ کر رہی ہو؟ اس سے پہلے بھی کئی بار وعدے
وعید ہو چکے ہیں!"

اتنے میں بچہ رونے لگا، شائستہ نے کہا،

"دیکھو، کیوں رو رہا ہے یہ؟"

کریمن نے نفرت بھری نگاہ سے پالنے کی طرف دیکھا اور اٹھتی ہوئی
بولی،

"بھوکا ہوگا!"

شائستہ نے کہا،

"تو دودھ پلا دو —— شیشی ذرا اچھی طرح صاف کر لینا گرم پانی سے ——"

شائستہ اچانک اٹھ بیٹھی، حیرت اور تعجب کے آثار اس کے چہرے پر نمایاں
ہوئے اور بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا،

"ارے —— ناہید!"

ناہید کو آتا دیکھ کر شائستہ کھڑی ہو گئی، ناہید نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بے رخی اور تلخی کے ساتھ پالنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا،

"یہ کیا ہے؟"

شائستہ ناہید کا یہ رنگ اور اس کے ساتھ مخالف معلمات کی فوج ظفر موج دیکھ کر گھبرا گئی تھی، لیکن اس نے اپنا جواب قائم رکھا،

"ایک خوب صورت سا بچہ!"

ناہید نے بہت برہم لہجہ میں کہا،

"اتنی بے حیائی کے ساتھ اپنا جرم تسلیم کرو گی، اس کی مجھے امید نہ تھی! میں پوچھتی ہوں یہ بچہ کس کا ہے؟"

شائستہ بھی اب مقابلہ پر تیار ہو گئی تھی اس نے کہا،

"اس مہمل سوال کا جواب دینے پر میں مجبور نہیں ہوں!"

ناہید اور بگڑ گئی، اس کے منہ سے جھاگ نکلنے لگے۔

"لیکن میں اس سوال پر مجبور ہوں، یہ میرے وقار کا سوال ہے، تربیت گاہ کے ناموس کا سوال ہے، یہاں کی معلمات اور طالبات کی عزت کا سوال ہے — تمھیں میرے سوال کا جواب دینا پڑے گا!"

قبل اس کے کہ شائستہ کچھ کہے، عاصمہ نے شائستہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا،

"کہہ کیوں نہیں دیتیں، یہ گناہ کا پھل ہے — نسیم صاحب کی یادگار، وہ بارہ ہزار روپے لے کر چپت ہو گئے اور یہ داغ دے گئے۔"

فریدہ اب ضبط نہ کر سکی، وہ چیخی،

"یہ غلط ہے!"

ناہید نے اسے گھورا،

"تم چپ رہو، تم کو مداخلت کا کیا حق ہے؟ اپنی حد سے تجاوز نہ کرو!"

شائستہ غصہ سے کانپ رہی تھی، اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا،

"ناہید تم میرے بارے میں یہ خیال رکھتی ہو!"

ناہید بھی غصہ سے کانپ رہی تھی، اس نے کہا

"بہت دنوں تک میں نے اپنے کان بند رکھے، لیکن آنکھیں کیسے بند کروں، میری نظر میں تم دیوی تھیں، میں تمھارے کردار اور سیرت کے سامنے دل ہی دل میں سجدہ کرتی تھی، تم سے بڑھ کر میری نظر میں معزز و محترم اور محبوب کوئی نہ تھا، لیکن اس گناہ کی پوٹ کو دیکھ کر بھی میں تمھیں پارسا سمجھوں تو مجھ سے بڑھ کر احمق کون ہوگا؟"

شائستہ نے کہا،

"اگر تمھارا میرے بارے میں یہی خیال ہے تو میں کس طرح بدل سکتی ہوں؟"

ناہید بولی،

"لیکن یہ خیال بے بنیاد تو نہیں ہے، یہ بچہ آسمان سے تو نہیں ٹپک پڑا، نہ زمین سے سبزہ خودرو کی طرح اُگ آیا ہے، بہرحال اس کی کوئی ماں ہے اور وہ ماں اس عورت کے سوا کون ہو سکتی ہے جس نے بارہ ہزار روپے میں ایک مرد کو خریدا اور اس سے یہ تحفہ حاصل کر کے تربیت گاہ کا سارا بھرم ختم کر کے رکھ دیا!"

شائستہ نے کوئی جواب نہیں دیا، فریدہ ناہید کے ڈر سے خاموش تھی، لیکن اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، کرمین پیکر جلال بنی کونے میں کھڑی تھی، شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن چپ رہنے پر مجبور تھی، ناہید نے کہا،

"میں تمھیں فرشتوں کا سرتاج سمجھتی تھی، لیکن اب میرا خیال ہے کہ تم ننگ آدم، ننگ دین، ننگ وطن سب کچھ ہو —!"

شائستہ نے لرزتی ہوئی آواز میں جواب دیا،

"ہاں ناہید میں واقعی بہت بُری ہوں!"

رضیہ اب تک خاموش تھی، اب اس نے بھی مداخلت ضروری سمجھی۔

"میں تو اس جرأت پر حیرت ہے، یہ عورت کس ڈھٹائی سے تربیت گاہ کی عمارت میں حرام کاری کی مرتکب ہوتی رہی، پھر جب اسے اپنے راز کے افشا ہو جانے کا اندیشہ ہوا تو اس نے پوری رازداری سے کام لے کر اپنے دھندے کو چلتا کر دیا، اور اس کے جانے کے بعد نہایت اطمینان سے ایک "خوبصورت" بچے کی ماں بن گئی۔ حد ہے اس ڈھٹائی کی!"

عاصمہ کیوں چپ رہتی،

"اس سے بڑھ کر ڈھٹائی کیا ہوگی کہ اپنے جرم کو معصومیت سمجھ رہی ہے، گویا ہم سب احمق اور بے وقوف ہیں کہ انھیں مریم زمانی سمجھ لیں گے!"

ناہید نے ایک موقعہ صفائی کا شائستہ کو اور دیا،

"کیا یہ تمھارا بچہ نہیں ہے؟"

"نہیں، میں نے اسے پالا ہے!"

عاصمہ بے اختیار ہنس پڑی،

"ہاں اور کیا، طوطا نہ پالا، بچہ پال لیا، کہاں پڑا تھا یہ؟"

ناہید نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا،

"اچھا اگر یہ تمھارا بچہ نہیں ہے، اور تم نے اسے اذراہ رحم پال لیا ہے تو ہم تمھیں ایک موقعہ دے سکتے ہیں، اس سے دست بردار ہو جاؤ، اسے کسی مشن میں، کسی ہسپتال میں، کسی یتیم خانہ میں بھیج دو، کیا تم اس کے لئے تیار ہو؟"

شائستہ نے بہت مختصر سا جواب دیا،

"ہرگز نہیں!"

ناہید نے پوچھا

"کیا اس کے لئے تم تربیت گاہ سے قطع تعلق گوارا کر لو گی؟"

شائستہ نے فیصلہ کن لہجہ میں کہا،

"ہاں، گوارا کر لوں گی!"

ناہید نے بھی فیصلہ کن لہجہ میں کہا،

"تو زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ کے اندر تم اپنے اس نونہال کو لے کر تربیت گاہ کی عمارت سے نکل جاؤ!"

عاصمہ نے کہا،

"اس قدر جلد؟ — کوئی الوداعی پارٹی بھی ہم نہ کر سکے!"

شائستہ نے کہا

"ایک گھنٹہ بہت ہے، ابھی چلی جاتی ہوں!"

ناہید نے کہا

"یہ اور اچھا ہوگا، میں تمھاری گھناؤنی صورت ایک لمحہ بھی دیکھنا نہیں چاہتی، واقعی تمھیں فوراً چلا جانا چاہیئے!"

پھر وہ فریدہ سے مخاطب ہوئی،

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تربیت گاہ کو ہر حالت اور ہر قیمت پر جاری رکھوں گی جب تک کوئی نیا انتظام نہ ہو، تربیت گاہ کے تمام امور کی انچارج شائستہ کے بجائے تم ہو گی، آج تمھاری تنخواہ میں سو روپے ماہوار کا اضافہ کیا جاتا ہے!"

ناہید کا یہ اعلان عاصمہ اور رضیہ کو پسند نہ آیا، یہ دونوں اپنے لئے آس لگائے بیٹھی تھیں، مگر حکم حاکم، کر کیا سکتی تھیں سوا سر تسلیم خم کر دینے کے لیکن فریدہ خود تیار نہ تھی، اس نے کہا

ناہید نے گویا حکم دیا!

"تمھیں یہ کام کرنا پڑے گا!"

پھر ناہید نیچے چلی گئی، اس کے ساتھ ثروت، عاصمہ، رضیہ اور صالحہ بھی ——!"

ناہید وغیرہ کے جانے کے بعد، فریدہ شائستہ سے لپٹ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، اس نے کہا،

"میری آپا —— کاش مجھے موت آجائے، ہائے یہ کیا ہو گیا، تم کیوں نہیں اس بچہ کو کوڑے کے "ڈھیر پر پھکوا دیتیں؟ —— نہیں تم سے یہ نہیں ہو سکے گا، اچھا میں فیصلہ کئے دیتی ہوں، ابھی گلا گھونٹے دیتی ہوں، اس کا، یہ کہہ کر وہ نہایت غصہ کے عالم میں بچہ کی طرف اس کا گلا گھونٹنے لپکی لیکن شائستہ نے اسے روک دیا،

"احمقانہ باتیں نہ کرو، تمھیں کوئی حق نہیں ہے اس کا گلا گھونٹنے کا۔"

فریدہ نے مچلتے ہوئے کہا،

"میں ضرور اسے مار ڈالوں گی! —— ہائے کاش میں نے اسے پیدا ہوتے ہی مار ڈالا ہوتا، میں تو ایسا کر رہی تھی، لیکن تم آڑے آگئیں، اس طرح تم نے اپنی زندگی برباد کر ڈالی، اپنی شہرت گنوا دی، اپنا وقار ختم کر دیا!"

شائستہ بولی

"ہاں، لیکن میں اپنے ضمیر سے شرمندہ نہیں ہوں!"

فریدہ نے جھٹ ایک اور تجویز پیش کر دی،

"اچھا میں بھی آپ کے ساتھ چلتی ہوں!"

شائستہ نے پوچھا،

"کیا تربیت گاہ چھوڑ دو گی؟"

وہ بولی

"اور کیا نہیں ۔۔۔؟ ۔۔۔ یہاں رہ کر کیا کروں گی، یہاں کے در و دیوار مجھے کاٹنے کو دوڑیں گے، میں یہاں ایک پل نہیں رہ سکتی۔ میں تمھیں یہاں سے اس خواری کے ساتھ نکلتے دیکھوں اور خود تمھاری کرسی پر براجمان ہو جاؤں تمھاری زندگی برباد ہوتے دیکھوں اور اپنی زندگی بناؤں؟ ۔۔۔ لعنت ہے مجھ پر!"

شائستہ نے اسے سہارتے ہوئے کہا،

"نادانی کی باتیں نہ کرو، میری زندگی پہلے ہی کیا تھی جو اب اس کی بربادی کا غم کروں، تمھیں اپنی زندگی بنانی ہے، میں مستقبل ہی نہیں رکھتی، تمھارے سامنے ایک شاندار مستقبل ہے، خبردار میرے ساتھ جانے کا، یا مجھ سے آئندہ ملنے کا جو ارادہ کیا!"

فریدہ رونے لگی

"آپا خدا کے لیے اتنا بڑا ظلم مجھ پر نہ کرو کہ میں خودکشی پر مجبور ہو جاؤں!"

شائستہ نے فریدہ کو لپٹا لیا، اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور شفقت آمیز لہجے میں اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا،

"میری پیاری فریدہ، اگر مجھے زندہ دیکھنا چاہتی ہو تو ایسے خیالات اپنے دل سے نکال دو!"

فریدہ سسکیاں لے کر رو رہی تھی، اور شائستہ اسے چمکار رہی تھی اس نے کہا،

"حوصلہ قائم رکھو، زندگی میں ہر طرح کے حالات پیش آتے ہیں!"

پھر وہ کرین سے مخاطب ہوئی:

"کیا تم میرے ساتھ چلو گی یا یہاں رہو گی؟"

کرین نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ کہا،

"تمھارے ساتھ چلوں گی!"

شائستہ خوش ہو گئی،

"مجھے تم سے اسی جواب کی اُمید تھی ۔۔۔ آؤ!"

شائستہ چل گئی اور فریدہ اس وقت تک اسے ٹکٹکی لگائے دیکھتی رہی جب تک وہ نظر سے اوجھل نہ ہو گئی۔ اور پھر وہ کرسی پر آ کر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ کر سسکیاں لے لے کر رونے لگی!

جس علاقہ میں اختر حسین کی کوٹھی واقع تھی، اس سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر ایک آبادی تھی، جو خام مکانوں اور مزدور پیشہ لوگوں پر مشتمل تھی شائستہ نے ایک دن سرائے کی ایک کوٹھری میں گذارا اور دوسرے دن کریمن نے ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لیا، کرایہ سات روپیہ مہینہ طے ہوا، یہ مکان ایک کمرہ دو کوٹھریوں اور مختصر سے صحن پر مشتمل تھا، نہ بجلی تھی نہ نل، کریمن نے ایک بھشتی سے معاملہ کر لیا، ایک مشک وہ ڈال جایا کرتا تھا، ایک لالٹین مول لے آئی رات کے اندھیرے میں جس کی ہلکی سی روشنی اس کی بے نور آنکھوں کا سہارا تھی،

یہاں آ کر شائستہ کی طبیعت اور زیادہ خراب ہو گئی، حرارت ہر وقت رہتی تھی، اب دن میں کئی مرتبہ بخار ہو جاتا، کھانسی کے شدید حملے ہوتے بعض دفعہ تو ایسا معلوم ہوتا شاید اب سانس نہیں آئے گی کبھی کبھی بلغم کے ساتھ خون بھی آجاتا، جسے دیکھ کر کریمن ڈر جاتی، لیکن خود شائستہ کوئی اہمیت نہ دیتی، ناداری اور مفلسی کے سبب ڈاکٹری علاج ترک ہو چکا تھا، یہاں کون انجکشن دیتا، اور کہاں سے دوائیں آتیں، پڑوس میں زبدۃ الحکما، حکیم آغا حسن مطب کرتے تھے، ان کا علاج شروع ہوا انھوں نے جو نسخہ لکھا، وہ دو آنے روز کا تھا۔

شائستہ نے احتجاج کرتے ہوئے کریمن سے کہا،

"میں علاج نہیں کروں گی!"

وہ بولی

"جب تک میں زندہ ہوں، تمھیں علاج کرنا پڑے گا جس دن مر جاؤں گی بے شک، علاج چھوڑ دینا"

شائستہ نے اعتراض کیا،

"لیکن یہ تو آنے روز، پھر یخنی کے لئے گوشت کہاں سے آئے گا؟"

کریمن نے سوکھے منہ سے جواب دیا،

"اگر تم سے مانگوں تو پوچھنا!"

شائستہ خاموش ہو گئی، کھانسی کا پھر دورہ پڑا تھا اور وہ کھانستے کھانستے نڈھال ہو گئی تھی، ذرا دیر میں اس کی طبیعت سنبھلی تو اس نے کریمن سے کہا

"منے کا کیا حال ہے؟ کیا اس کا بخار اترا"

"نہیں کچھ اور بڑھ گیا ہے!"

شائستہ نے التجا کے رنگ میں کہا،

"تو حکیم صاحب کو اسے دکھا لاؤ!"

وہ بولی،

"دکھا لائی ــــ نمونیہ بتاتے ہیں، کہتے ہیں بچنے کی امید کم ہے!"

شائستہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا

"ایسا نہ ہو!"

وہ رکھائی کے ساتھ بولی،

"میں کب کہتی ہوں، میں نے تو حکیم صاحب کے الفاظ دوہرا دیئے میری طرف سے خدا اسے سو برس کی عمر دے، اور بڑا ہو کر ماں باپ کا نام خوب روشن کرے، اسے ہاں اور کیا،

شائستہ نے شکایت کی،

"وہی طعن!"

کریمن نے ذرا تلخ لہجہ میں کہا،

"مجھے کیا پڑی ہے کسی پر طعن کرنے کی، لیکن جو سچی بات ہے، وہ زبان پر آ ہی جاتی ہے!"

شائستہ کو پھر کھانسی آنے لگی اور وہ خاموش ہو گئی!

نمونیہ کا حملہ یہ ننھی سی جان نہ برداشت کر سکی، دوسرے دن بچہ کا انتقال ہو گیا، فریدہ جب شائستہ کے پاس پہنچی تو کریمن اسے دفن کرنے جا چکی تھی
شائستہ نے متین اور سنجیدہ لہجہ میں کہا،

کوئی دوا کارگر نہیں ہوئی، حالانکہ میں نے رات ڈاکٹر کو بھی بلوایا تھا، آخر آج صبح اس نے دم توڑ دیا!

فریدہ نے دانتوں سے ہونٹ دباتے اور مٹھیاں بند کرتے ہوئے ایک عجیب جذبہ کے عالم میں کہا،

"وہ مر گیا، آپا! یہ خبر سن کر جتنی خوشی مجھے ہوئی ہے، میں بیان نہیں کر سکتی، اسے مر ہی جانا چاہیے تھا —— آپا! میں بہت خوش ہوں، بہت ہی خوش!

اور پھر وہ شائستہ سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی،

شائستہ کمزور اور نڈھال بستر پر پڑی تھی، فریدہ کا سر اس کے سینہ پر تھا، اور وہ بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہی تھی، اس کی آنکھیں بھی پُرنم تھیں، اس نے کہا،

"فریدہ! —— میری بہن، میری پیاری بہن!"

پھر اس کی آواز تھرا گئی، اس کا گلا رندھ گیا، اس نے کچھ کہنا چاہا مگر نہ کہہ سکی
فریدہ نے اپنا سر اٹھایا، دوپٹہ کے پلو سے آنسو پونچھے اور درد بھرے لہجہ میں کہنے لگی،

"آپا، وہ اتنی دیر میں کیوں مرا؟ مرنا ہی تھا تو اسی دن کیوں نہ مر گیا جس دن

ناہید بیگم شعلۂ جوالہ بنی تشریف لائی تھیں؟ اس وقت کیوں نہ مر گیا جب تم پر الزامات و اتہامات کی بارش ہو رہی تھی؟ ان الزامات کو سن کر فرشتے آسمان پر کانپ رہے تھے، خود آسمان لرز رہا تھا، زمین ہل رہی تھی، مگر یہ سنگ دل، یہ پتھر لوگ تمہارا مذاق اُڑا رہے تھے، اب مرا ہے کمبخت جب رسوائی ہو چکی، جی چاہتا ہے جاؤں اور اس کی قبر پر ٹھوکر ماروں، آپا! مجھے اس سے، اس کی صورت سے، کتنی نفرت پہلے ہی دن سے ہے تم اندازہ نہیں کر سکتیں دنیا کی کوئی ہستی اندازہ نہیں کر سکتی —— وہ بدگوشت تھا، وہ گھناؤنا زخم تھا، وہ منہ چڑانے والا داغ تھا —— آہ اس نے کتنی اچھی، کتنی اونچی، کتنی پیاری زندگی برباد کر دی —— آپا! تم نے خود کشی کر لی!"

اور پھر وہ رونے لگی، شائستہ محبت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، اس نے کھانسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا،

"میری زندگی تم دیکھ رہی ہو، ڈھلتا سایہ ہے، اگر تمہاری زندگی بن جائے تو میں سمجھوں گی میں نے کچھ نہیں کھویا!"

فریدہ نے گویا طنز کیا! ——"

"میری زندگی ——!"

اتنے میں کریمن آ گئی، فریدہ کو دیکھ کر خوش نہیں ہوئی، جب سے وہ شائستہ کے ساتھ آئی تھی، اس کا مزاج چڑچڑا ہو گیا تھا، اس کے جذبۂ خدمت و عقیدت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا، اب بھی دل و جان سے وہ شائستہ کی خدمت کرتی تھی، لیکن تیوری ہر وقت چڑھی رہتی، سیدھے منہ بات نہ کرتی، ایسا معلوم ہوتا شائستہ کی نالائقی سے بے حد خفا ہے، بے حد بیزار ہے، لیکن دل سے مجبور ہے، اسے چھوڑ نہیں سکتی، اور آج جب پہلی بار اس نے فریدہ کو اس گھر میں دیکھا تو اس کا یہ جذبہ اور نمایاں ہو گیا، فریدہ نے سلام کیا، اس نے جواب بھی نہیں دیا، چپکے سے آکر دیوار سے ٹیک لگا کر اپنی جگہ بیٹھ گئی، شائستہ

نے پوچھا،

"مر گئیں؟"

وہ بولی،

"اور کیا میں بھی اس کے ساتھ دفن ہو جاتی؟"

شائستہ نے فریدہ سے کہا،

"اب جاؤ تربیت گاہ والوں کو یہ نہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم یہاں آئی تھیں، اور اب کبھی نہ آنا، اگر آؤ گی تو میں تم سے خفا ہو جاؤں گی۔"

فریدہ نے بے بسی کے ساتھ جواب دیا،

"لیکن میں تو یہ سوچ کر آئی تھی کہ اب مستقل طور پر آپ کے ساتھ رہوں گی آپ کی تیمارداری، دیکھ بھال، خدمت ——"

شائستہ نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا،

"شکریہ! —— لیکن یہ سارے کام کرسٹین بڑی خوبی سے کر لیتی ہے، اور وہ اپنے معاملہ میں کسی کی مداخلت گوارا نہیں کر سکتی، اس طرح تم اسے بھی خفا کر دو گی!"

فریدہ نے پھر اصرار کیا

"آپ ہر معاملہ میں حکم نہ چلایا کیجئے، میں یہ بات کسی طرح نہیں مان سکتی!"

شائستہ نے پر اعتماد لہجہ میں کہا

"کیسے نہیں مانو گی؟"

اور پھر اسے کھانسی آنے لگی، کھانستے کھانستے وہ بے حال ہو گئی جب ذرا طبیعت سنبھلی تو اس نے کہا،

"دیکھ لیا اپنی ضد اور بحث کا نتیجہ، کیوں مجھے دق کرتی ہو؟ —— بہت دیر ہو گئی ہے، جاؤ خدا کے لیے چلی جاؤ!"

فریدہ اٹھ کھڑی ہوئی، پرس ہاتھ میں لیا، اور چلی گئی!

چھ مہینے کی مدت گذر گئی

شائستہ کی طبیعت کا وہی حال ہے، کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے، وہ روبہ اصلاح ہے، علاج کامیاب ہو رہا ہے، تندرستی کی منزل قریب ہے، پھر یکایک طبیعت بگڑ جاتی، ایسا معلوم ہونے لگتا، اب چل چلاؤ کا وقت ہے، ہر تدبیر بے کار، ہر دوا ناکام، ہر علاج بے نتیجہ، طبیعت اس طرح کے پلٹے ہر مہینہ میں کئی بار کھایا کرتی ہے۔

آج ذرا اس کی طبیعت بحال ہے، رات کے نو بج چکے ہیں، فریدہ اس کے پاس بیٹھی ہے، بڑی دیر سے دونوں میں بات چیت کا سلسلہ جاری تھا کہ فریدہ نے کہا

"آپا بھلا سوچو تو سہی، انھیں یہاں چھوڑ کر اتنی دور، ایک نئے شہر میں کیسے چلی جاؤں؟"

شائستہ نے جواب دیا،

"تمھارا بچپن اب تک نہیں گیا، خدا کی بندی تم پر ترقی کے دروازے کھلیں اور میں انھیں بند کر دوں، کیا تم مجھے اتنا خود غرض سمجھتی ہو؟"

فریدہ نے بھی اسی لب و لہجہ میں کہا،

"پھر آپ مجھے کیوں اتنا خود غرض سمجھتی ہیں کہ ترقی اور روپے کے لالچ میں آکر میں آپ کو چھوڑ دوں گی؟"

شائستہ بولی،

"تم وہاں جاؤ، کچھ دن بعد میں بھی آجاؤں گی!"

فریدہ خوش ہوگئی

"سچ؟ — آپ اگر یہ وعدہ کریں تو میں ضرور چلی جاؤں گی، تربیت گاہ سے، یہاں کے لوگوں سے، یہاں کے ماحول سے مجھے نفرت ہوگئی ہے، آخر منافقت کی زندگی کب تک بسر کی جاسکتی ہے؟ جن لوگوں سے نفرت ہو ان کے درمیان کس طرح بود و باش رکھی جاسکتی ہے؟ یہ اتنے دن بھی میں نے اس طرح کاٹے ہیں جیسے کوئی قیدی جیل میں رہتا ہے، قسمت یاور تھی، اخبار میں اشتہار نظر سے گذرا، میں نے درخواست بھیج دی، خلاف توقع اچانک منظوری آگئی، اس تاکید کے ساتھ کہ ایک ہفتہ کے اندر آکر چارج لے لو، پہلے تو میں خوش ہوئی کہ یہاں کے جنجال سے نجات ملی، پھر آپ کا خیال آیا تو ارادہ بدل لیا!"

شائستہ نے کہا،

"بے وقوف، ارادہ بدلنے کی ضرورت نہیں، بس کل ہی چلی جاؤ، مہینہ دو مہینہ کے بعد وہاں جم جاؤ گی، میں بھی آجاؤں گی!"

فریدہ نے بچوں کی طرح مچلتے ہوئے کہا،

"لیکن ضرور آئیے گا!"

شائستہ بولی،

"ارے پگلی نہیں آؤں گی تو جاؤں گی کہاں؟ اس دنیا میں تیرے سوا میرا اور ہے کون؟ میں تو مروں گی بھی تیرے ہی پاس!"

فریدہ خفا ہوگئی،

"پھر آپ نے ایسی باتیں شروع کر دیں، مجھے رلانے میں کیا آپ کو مزہ آتا ہے؟"

واقعی فریدہ کی آنکھیں آبگوں ہوگئیں، شائستہ مسکرانے لگی،

"تم تو دیوانی ہو اچھی خاصی! — رونے لگیں، — اچھا بھئی، اب یہ

لفظ میری زبان پر نہیں آئے گا، میں جیوں گی، اتنا جیوں گی کہ قیامت کے بوڑھے گھٹنے ٹکوں گی — اب تو خوش ہوئیں!" —

فریدہ نے آنسو پونچھ لئے، صاف ظاہر تھا اس کے دل کا غبار دھل گیا وہ خوش ہوگئی، شائستہ نے پوچھا،

"کب جاؤ گی؟"

وہ بولی،

"کل رات کی گاڑی سے مجھے روانہ ہوجانا چاہیے، تب ہی پہنچ سکوں گی وقت پر!"

"اچھا، اب جاؤ... خدا زندگی کا یہ نیا دور تمھیں مبارک کرے!"

فریدہ اٹھی، ایک مرتبہ پھر شائستہ سے لپٹ گئی، شائستہ نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور پھر وہ چلی گئی!

آج تربیت گاہ کی رونق قابل دید ہے!

فریدہ یہاں سے مستعفی ہو کر قائم گنج کے مشہور ادارۂ نسواں میں سربراہ اور انچارج بن کر جا رہی ہے۔

ناہید نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی، تنخواہ میں حسب دلخواہ اضافہ کا بھی لالچ دیا، لیکن وہ اپنے فیصلہ پر قائم رہی، پھر ناہید نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا، اس نے سوچا کسی کی ترقی کے راستہ میں مجھے حائل نہ ہونا چاہیے!

شائستہ کی جبری علیحدگی کے بعد جب فریدہ تربیت گاہ کی انچارج بنی تو ملے جلے جذبات کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا گیا، ایک تو وہ خود لاابالی مزاج کی تھی، دوسرے قدم قدم پر رشک، رقابت، حسد اور مخالفت کے روڑے موجود تھے، خیال تھا کہ بیاری زیادہ دن نہیں ٹھہر سکے گی، خود ہی ایک دن بھاگ جائے گی، لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا، شائستہ کی کرسی پر بیٹھتے ہی وہ دوسری شائستہ بن گئی، لاابالی پن، رخصت ہو گیا، اس کی جگہ احساس ذمہ داری اور فرض شناسی نے لی، وہ لگاتار گھنٹوں اور پہروں کام کرتی، اور ذرا نہ تھکتی، وہ نکتہ چیں نہیں تھی، سرو صفات منش کسی کا دل نہ توڑتی، کسی سے سخت برتاؤ نہ کرتی، خطاؤں پر درگذر سے کام لیتی، غلطی کا جواب چشم پوشی سے دیتی، مخالفوں کے ساتھ حسن سلوک کا برتاؤ کرتی،

وہی فریدہ جو پہلے ہر وقت چہلیں کیا کرتی تھی، ہر وقت گھر سر پر اٹھائے رکھتی تھی، شوخی و شرارت جس کی فطرت تھی، چھیڑ چھاڑ میں جسے مزا آتا تھا، اب اتنی سنجیدہ و متین اور خاموش ہو گئی تھی کہ ایک نوجوان عورت کے بجائے، اپنے عادات و خصائل کے لحاظ سے وہ ایک معمر اور تجربہ کار عورت معلوم ہوتی تھی،

بہت جلد، وہ ملے جلے جذبات ختم ہو گئے، اور اس نے تقریباً وہی ہر دل عزیزی حاصل کر لی جو شائستہ کو بھی حاصل تھی، لڑکیاں اس پر جان دیتیں، معلمات اس کا احترام کرتیں، ناہید اس کا حد درجہ پاس و لحاظ کرتی رضیہ اور عاصمہ نے بھی خیریت اسی میں سمجھی کہ اس سے تعاون کریں، اس کی اطاعت کریں۔

آج وہ سینا پورے، اور اس تربیت گاہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو کر قائم گنج جیسے دور دراز شہر میں جا رہی تھی، اس کے جانے کا سب کو غم تھا کوئی آنکھ ایسی نہ تھی۔ اس کی جدائی کے غم میں اشکبار نہ ہو،

آج تربیت گاہ میں الوداعی جلسہ تھا، اس کے منع کرنے کے باوجود بڑی دھوم دھام سے یہ جلسہ منعقد ہوا، بڑی پُر زور تقریریں اس کی تعریف و توصیف میں کی گئیں، کئی لڑکیوں نے اس موقع پر نظمیں سنائیں جو درد و اثر اور سوز و گداز سے بھرپور تھیں، کچھ پڑھنے کا طرز، کچھ الفاظ کا جادو، کچھ حقیقت، ان سب چیزوں نے مل کر فضا پر رنج و الم کی ایک عجیب کیفیت طاری کر دی تھی،

سب سے زیادہ اثر انگیز تقریر ناہید کی تھی، اس نے کہا،

"میں نے بڑے تامل کے بعد یہ ذمہ داری فریدہ کو سونپی تھی، مجھے شبہ تھا کہ وہ اس اہم ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے انجام دے سکیں گی یا نہیں، مگر مجھے مسرت ہے کہ میرا شبہ بے بنیاد ثابت ہوا، فریدہ نے اس خوبی کے ساتھ اپنے فرائض ادا کئے کہ وہ دوسروں کے لئے باعث رشک ہونے چاہئیں، اس کی شرافت اس کی عالی ظرفی، اس کی وسعت قلب، اس کی نیا صفی، اس کی رواداری، اس کی

حسن سعادت کا ہر شخص گرویدہ ہے، میں نے پیٹھ پیچھے بہت کم لوگوں کی تعریفیں سنی ہیں، لیکن سچ کہتی ہوں کہ کسی نے آج تک مجھ سے فریدہ کی برائی نہیں کی، وہ ایک ہیرا ہے، جس سے یہ تربیت گاہ اب تک جگمگاتی رہی تھی، افسوس ہے حالات اس ہیرے کو آج ہم سے چھین رہے ہیں!"

یہ کہتے کہتے ناہید کی آواز بھرا گئی، وہ اپنی جگہ بیٹھ گئی!

فریدہ نے موزوں الفاظ میں ناہید کے احسانات، معلمات کے تعاون اور طالبات کی سعادت مندی کا شکریہ ادا کیا،

تقریب کے بعد ناہید نے تحفہ کے طور پر اسے ایک قیمتی گھڑی دی، پھر یہ سب لوگ جلوس کی صورت میں اسے رخصت کرنے اسٹیشن تک گئیں، جب گاڑی نے وِسل دی اور روانہ ہوئی تو سب کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں ـــ سوا عاصمہ کے اب وہی اس کی جگہ منتخب تھی، بے حد خوش تھی اس عروج پر!

فریدہ کو قائم گنج سے گئے ہوئے تین مہینے ہو چکے تھے، اس کے خط لگاتار شائستہ کے پاس آ رہے تھے اور وہ باصرار اسے بلا رہی تھی لیکن شائستہ کی طرف سے ٹال مٹول ہو رہی تھی، فریدہ نے اپنے تازہ خط میں لکھا تھا،

"آپا تمھاری باتوں نے مجھے بہت پریشان کر دیا ہے، تم تو کسی طرح نہیں آؤ گی معلوم ہوتا ہے تمھیں لینے کے لیے مجھے آنا پڑے گا، کرسمس کی تعطیل شروع ہونے میں چند روز باقی ہیں، بس جیسے چھٹی شروع ہوئی، آ جاؤں گی، اور کہے دیتی ہوں تمھیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا، اگر میرے ساتھ بھی تم نہ آئیں تو خدا جانتا ہے میرا اٹل فیصلہ یہ ہے کہ استعفا بھیج دوں گی اور پھر تمھارے قدموں سے جدا نہیں ہوں گی!

شائستہ نے یہ خط پڑھا اور ایک طرف رکھ دیا، گرمین نے پوچھا،

"کس کی چٹھی ہے؟"

شائستہ نے بتایا، "فریدہ کا خط آیا ہے، بڑے اصرار سے بلا رہی ہے!

گرمین بولی،

"تو پھر چلی کیوں نہیں چلتیں؟ آب و ہوا بدل جائے گی!"

شائستہ نے کمزور اور نحیف آواز میں کہا۔

"کیسے چلی چلوں، دیکھ تو رہی ہو کیا حالت ہو رہی ہے میری، بستر سے اٹھنا مشکل ہے اتنا لمبا سفر آخر کیسے طے کر سکوں گی؟"

کرن کے پاس جواب تیار تھا،

"تو کیا بدل جانا پڑے گا؟"

شائستہ مسکرائی،

"معلوم ہوتا ہے تمھارا جی جا رہا ہے تبادلۂ آب و ہوا کو، اچھا اسے مجھے دیتی ہوں اگر اس کی تعطیل میں آجائے اور مجھے ساتھ لے جائے ـــــ اب تو خوش ہوگئیں تم؟"

کرن اس وقت موڈ میں نہیں تھی، اس نے خشک لہجے میں کہا،

"اپنے لیے نہیں تمھارے لیے کہتی ہوں انھیں بھی جا جتا نہ جاؤ!"

شائستہ نے ہنسنے کی کوشش کی، بے چاری کے لیے ہنسنا بھی تو جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا، ہنستے ہوئے بھی ہانپ جاتی تھی، دم چڑھ جاتا تھا، اس نے کہا،

"تو خفا ہوگئیں!"

کرن نے روٹھے ہوئے انداز میں کہا،

"میں کاہے کو خفا ہونے لگی اور میرے خفا ہونے کی پروا ہوتی تو یہ دن نہ دیکھنے پڑتے" شائستہ نے صلح کا جھنڈا لہرایا،

"پھر اور کس طرح خفا ہوتے ہیں ابھی رو لیا کرو، خفا نہ ہوا کرو، دنیا میں ایک تمھاری ہی ایسی ہستی ہے جسے کسی قیمت پر میں خفا کرنا نہیں چاہتی!"

کرن کے پژمردہ چہرے پر رونق آگئی!

"ہاں اور کیا!"

شائستہ نے روٹھتے ہوئے کہا،

"تمھارا خیال ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں!"

کرن اٹھی، اس نے جھٹ جھٹ شائستہ کی بلائیں لیں،

"اپنی دیدی سے میں خفا ہو سکتی ہوں!"

پھر اس کی آنکھیں بھر آئیں!

ناہید کسی خاندانی تقریب کے سلسلہ میں دولت پور گئی تھی، فرسٹ کلاس کے ایک زنانہ ڈبہ میں وہ آکر بیٹھ گئی، اسی ڈبہ میں رخسانہ بھی بیٹھی ہوئی تھی، وہ اپنی خالہ کی خبر وفات سُن کر دولت پور کے پاس ایک گاؤں قادر آباد گئی تھی اور آج اپنے شہر واپس جا رہی تھی رخسانہ سے کوئی تعارف نہ تھا، دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئیں، رخسانہ نے ایک با تصویر مجلہ یا اخبار خریدا اور اس کی ورق گردانی کرنے لگی، گاڑی روانہ ہونے ہی والی تھی کہ ایک خوش اندام اور خوش شکل عورت جلدی جلدی داخل ہوئی اور سامنے کی سیٹ پر بیٹھ گئی، اسے دیکھتے ہی ناہید اٹھ کھڑی ہوئی،

"ارے مس شانتی تم!"

شانتی نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا،

"ہاں ناہید بیگم میں آپ کی نیاز مند شانتی ہوں ـــــ یکایک سیتا پور سے میرا تبادلہ ہوا، آپ سے ملاقات بھی نہ ہو سکی!"

ناہید نے پوچھا "اب کہاں کا قصد ہے؟"

وہ بولی "میرا تبادلہ لنگر والا کے سول ہسپتال میں ہوگیا ہے، وہاں چارج لینے جا رہی ہوں"

ناہید بولی "لنگر والا تو سیتا پور سے بہت قریب ہے، بس چند میل کا فاصلہ ہے"

شانتی نے کہا "جی ہاں ـــــ اب ملاقات ہوتی رہے گی"

کچھ دیر خاموش رہی، پھر شانتی نے سلسلۂ گفتگو شروع کرتے ہوئے کہا،

"کیسے تربیت گاہ کا کیا حال ہے؟"

ناہید نے بتایا "بہت اچھا!"

شانتی نے پوچھا: "اور ہماری فریدہ؟"

ناہید نے کہا "وہی تو روح و رواں تھی ہماری تربیت گاہ کی۔ اس نے بام عروج پر پہنچا دیا اس ادارہ کو، اب وہ قائم گنج کے ادارہ نسواں کی انچارج ہو کر چلی گئی ہے، آپ اسے جانتی ہیں؟"

شانتی مسکرانے لگی۔

"میں کسے نہیں جانتی، پھر تربیت گاہ کی تو گویا میں آنریری ٹرینیشن تھی اور فریدہ سے تو بہت پرانے تعلقات تھے، بچپن کے کئی سال تک ہم نے ساتھ ہی پڑھا ہے!"

ناہید۔ "اچھا — فریدہ بڑی پیاری لڑکی ہے!"

شانتی۔ "جی ہاں بہت — لیکن شوخ اور سنجیدہ"

ناہید۔ "پہلے بھی ہوگی، جب سے اس نے تربیت گاہ کی ذمہ داریاں قبول کیں تو اس سے بڑھ کر فرض شناس، سنجیدہ اور متین میں نے کسی کو نہیں پایا۔"

شانتی۔ "لیکن فریدہ نے اتنی ترقی کیسے کر لی؟ کیا خجستہ آپا اب وہاں نہیں ہیں؟"

ناہید۔ "اب وہ نہیں ہیں!"

شانتی۔ "کیوں؟ — کیا استعفا دے دیا انھوں نے؟"

ناہید۔ "ہم نے انھیں نکال دیا!"

شانتی (حیرت سے) "آپ نے انھیں نکال دیا؟ — کس جرم میں؟ کس خطا پر؟ کس الزام کے ماتحت؟"

ناہید۔ "وہ بدکردار ثابت ہوئی بلکہ ننگ اخلاق، میں دنیا میں سب سے زیادہ اسے چاہتی تھی، اب مجھ سے زیادہ کوئی اس سے متنفر نہیں!"

شانتی۔ (اور زیادہ حیران ہو کر) "یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟ ہم عیسائیوں کے ہاں تقدس کا جو اونچے سے اونچا معیار ہو سکتا ہے، وہ تو اس سے بھی اونچی ہیں!"

ناہید۔ (زہرخند کے ساتھ) "وہ مکار تھی، اس نے مجھے دھوکہ دیا، تمہیں فریب میں رکھا، ساری خلقت کو مغالطہ میں رکھا، لیکن دھوکا آخر کھل کر رہتا ہے۔"

شانتی۔ "خدا کے لئے بتائیے میرا تو دل ہول رہا ہے، آخر کیا بات ہوئی؟"

ناہید۔ "سن شانتی — وہ ایک حرامی بچہ کی ماں تھی، اس نے تربیت گاہ میں رہکر نسیم، ایک کلرک سے ناجائز تعلقات پیدا کرلئے، یہ حرامی لڑکا اسی کی یادگار تھا، میں نے اسے کھڑے کھڑے نکال دیا، نہایت ذلت کے ساتھ —"

شانتی اب چپ نہ رہ سکی، اس کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا، اس نے سخت اور درشت لہجہ میں کہا،

"چپ رہئے ناہید بیگم، آگے میں ایک لفظ نہیں سننا چاہتی، آپ بہت بڑا اور گھناؤنا جھوٹ بول رہی ہیں، کاش آج آپ سے ملاقات نہ ہوئی ہوتی۔"

ناہید کے لیے شانتی کا یہ انداز گفتگو بالکل نیا تھا — اور ناقابل برداشت بھی، وہ سیتاپور کے علاقہ میں بہت نمایاں شخص کی رفیقۂ حیات تھی، اس کی کوٹھی پر ڈپٹی کمشنر اور کلکٹر نیازمندانہ آتے تھے، وہ چاہے تو دم کے دم میں اس شانتی کو برطرف کرا دے، اس نے کڑے تیور سے شانتی کو دیکھا اور پوچھا،

"اسے نہ بھولئے آپ کس سے مخاطب ہیں!"

شانتی نے بپھرے ہوئے انداز میں جواب دیا "مجھے سب کچھ یاد ہے، میں جانتی ہوں آپ خفا ہو جائیں تو کرواس بھی میری زندگی اجیرن ہو سکتی ہے، لیکن عیسیٰ مسیح کی زندگی سے میں نے ایک سبق سیکھا ہے سچائی کا، نہ میں جھوٹ بولتی ہوں نہ کسی اور کا جھوٹ گوارا کر سکتی ہوں!"

ناہید نے غراتے ہوئے کہا "آپ مجھے جھوٹا کہے جائیں گی —؟"

شانتی بولی "ہاں، جب تک آپ اپنے الفاظ واپس نہ لیں — ناہید بیگم خدا سے ڈریئے، ایک مظلوم کی آہ نہ لیجئے، آپ کے اس جھوٹ سے زمین کانپ رہی ہوگی آسمان لرز رہا ہوگا — کیا میں سچ کہہ دوں؟"

ناہید نے حیرت سے اسے دیکھا اور کہا: "کہئیے!"

شانتی نے ایک نفس سرد کے ساتھ کہا: "آہ ــــ لیکن پاس عہد مجھے زبان بند کرنے پر مجبور کرتا ہے میں خاموش رہنے پر مجبور ہوں!"

یکایک کچھ سوچ کر اس نے کہا: "لیکن اب حالات بدل چکے ہیں، اب سچ کھول کر بیان کر دینے میں کوئی ہرج نہیں ــــ لیکن ناہید بیگم ایک عہد آپ کو کرنا ہوگا!"

ناہید نے جواب دیا: "آپ کا سچ سننے کے لئے ہر عہد پر میں تیار ہوں!"

شانتی نے کہا: "عہد یہ ہے کہ جو راز آپ کے سامنے افشا کر رہی ہوں، آپ اس کا ذکر زبان پر نہیں لائیں گی، آپ مجرم کو کسی حالت میں نہ کوئی سزا دیں گی نہ اسے رسوا کریں گی!"

ناہید کی حیرت بڑھتی جاتی تھی: "میں یہ عہد کرتی ہوں!"

شانتی نے پرسوز لہجہ میں کہنا شروع کیا

"وہ ایک اندھیری رات تھی، بارش ہو رہی تھی، بجلی چمک رہی تھی، رات کے دو بجے تھے، میں بے خبر کمبل اوڑھے آرام سے سو رہی تھی کہ میرے کوارٹر کے دروازہ پر کسی نے دستک دی، میری آنکھ کھل گئی، میں دروازہ پر گئی تو دیکھتی کیا ہوں شائستہ آپا کھڑی ہیں، میں نے کہا اندر آجائیے وہ کہنے لگیں نہیں، تم میرے ساتھ چلو، ضروری سامان جراحی ساتھ لے لو، میرے دل میں ان کا بے حد احترام تھا، بے چون و چرا میں نے تعمیل کی، میں ان کے ساتھ چل پڑی، ہم بالا خانہ پر پہنچے، فریدہ ــــ او میرے خدا، فریدہ مچھلی کی طرح تڑپ رہی تھی، میں سب کچھ سمجھ گئی، میں نے سب کچھ کیا جو ممکن تھا، بہت جلد ایک بچہ کی ماں بن گئی، اس سے پہلے بھی وہ کئی مرتبہ میرے پاس آچکی تھی، اس نے مجھے اپنا رازدار بنایا تھا، میں نے اسے کئی انجکشن بھی دیے، کہ پاپ کا آشکارا نہ ہو لیکن وہ انجکشن بیکار ثابت ہوئے، فریدہ بے ہوش ہو چکی تھی، کریمن اسے سنبھال رہی تھی، آپا نے میرے ناپاک قدموں پر اپنا مقدس سر رکھ دیا اور کہا، یہ بات کبھی زبان پر نہ لانا کہ فریدہ نے بچہ جنا ہے، وہ الھڑ ہے نادان ہے، اس نے ایک ٹھوکر کھائی، اس سے غلطی کی، لیکن خدا ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کے بندوں کے گناہ چھپاتے ہیں، اگر یہ راز افشا ہو گیا

تو فریدہ کہیں کی نہ رہے گی، وہ برباد ہو جائے گی، اس کی زندگی دو کوڑی کی ہو جائے گی، اس کا مستقبل اب شاندار ہے، بگڑ کر تاریک ہو جائے گا، وعدہ کرو کہ تم اپنی زبان بند رکھو گی، میں نے طے کر لیا ہے کہ ہر قیمت پر فریدہ کو بچاؤں گی" ان الفاظ نے میرے دل میں ان کی عظمت اور بڑھا دی، میں نے صدق دل سے وعدہ کر لیا، انھوں نے مجھے ممنون نگاہوں سے دیکھا اور رخصت کر دیا، صبح میں اٹھی تو تبادلہ کا فوری حکم ملا، میں سیتاپور سے رخصت ہو گئی، آج یکایک آپ ملیں اور یہ حالات معلوم ہوئے، میں بتا چکی ہوں، فریدہ میری سہیلی تھی اور سچ کہتی ہوں، اپنی اس غلطی پر وہ اتنی نادم تھی کہ خودکشی تک پر تیار ہو گئی تھی، اسے نسیم نے دھوکا دیا تھا، اس نے نسیم کے خط رو رو کر مجھے دکھائے تھے، وہ آخری خط بھی جس کے بعد پھر نسیم نہیں آیا ــــ لیکن آہ مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپا فریدہ کو بچا کر اپنے آپ کو غارت کر لیں گی، اگر مجھے لکھنؤ پہنچ کر آج ہی چارج نہ لینا ہوتا تو آپ کے ساتھ چلتی، لیکن کل میں ضرور سیتاپور آؤں گی، اور آپا سے ملوں گی!"

ناہید پر سناٹا چھایا ہوا تھا، اس کی قوت گویا جواب دے چکی تھی وہ حیران و پریشان ادھر ادھر دیکھ رہی تھی، شانتی نے پوچھا،

"کچھ پتہ ہے، آپا کہاں اور کس حال میں ہیں"

ناہید کھوئی کھوئی سی تھی، اس نے شانتی کے الفاظ نہیں سنے، اتنے میں ایک جھٹکے کے ساتھ ریل رکی، سیتاپور آگیا تھا، لیکن ناہید بدستور اپنی سیٹ پر گم سم بیٹھی تھی، شانتی نے کہا،

"سیتاپور آگیا، کیا آپ کہیں اور جا رہی ہیں؟"

ناہید چونک پڑی

"سیتاپور آگیا؟"

وہ پھر جلدی جلدی رینگتی ہوئی گاڑی سے گویا پھاند پڑی!

یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکلی، اور برف لینے چلی گئی اور شائستہ کے کمرہ کا دروازہ بھڑ گئی، یکایک کمرہ کا دروازہ کھلا اور ناہید نمودار ہوئی، اس کا چہرہ اس وقت دیکھنے کے قابل تھا، دوپٹہ ڈھلکا ہوا، چہرہ پر ہوائیاں اڑتی ہوئی، بال بکھرے ہوئے آنکھیں تر۔

وہ تیزی سے اندر داخل ہوئی اور قبل اس کے کہ شائستہ کچھ سمجھ سکے وہ اس کی پائینتی زمین پر بیٹھ گئی اور اپنا سر اس کے قدموں پر رکھ کر آنکھیں تلووں سے ملنے لگی

شائستہ نے پاؤں سمیٹ لینے چاہے لیکن وہ ناہید کی گرفت میں تھے اٹھنا چاہا! لیکن اٹھ نہ سکی، اس کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے اور ڈھلک ڈھلک کر اس کے پچکے ہوئے گالوں پر گرنے لگے، ناہید نے اپنی آنکھیں اس کے تلووں سے ملتے ہوئے کہا

"میرا سر اس وقت تک نہیں اٹھ سکتا، جب تک تم معاف نہ کر دو، میں اپنی غلطی پر نادم ہوں، مجھے اپنے وجود سے نفرت ہو گئی ہے، اگر تم نے میرا سر نہ اٹھایا، مجھے معاف نہ کیا، تو میں زہر کھا لوں گی ـــ شائستہ مجھ گنہگار پر رحم کرو، میری خطا بخش دو میں تمہیں سمجھ نہ سکی، پہچان نہ سکی، تم اتنی اونچی ہو کر تمہیں سمجھنا، تمہیں پہچاننا آسان بھی نہیں!"

شائستہ نے کمزور آواز میں کہا "ناہید آؤ میرے پاس بیٹھو ـــ تمہیں اصرار ہے تو جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا!"

ناہید اٹھی اور آکر شائستہ سے لپٹ گئی، اس کی پیشانی پر، بالوں پر، بوسے دینے لگی، کریمن کھڑی یہ دلآویز منظر دیکھ رہی تھی، اس کی آنکھوں سے بھی آنسو کے قطرے ٹپک رہے تھے، ناہید نے اٹھتے ہوئے کہا،

"چلو شائستہ اپنے گھر چلو، تمہاری تیمارداری میرے سوا کوئی نہیں کر سکتا،"

شائستہ نے انکار کیا، لیکن ناہید نے ایک نہ سنی، وہ اسے لے کر چلی گئی!"

شائستہ کی حالت اب اور زیادہ سقیم ہو گئی تھی، حکیم صاحب بھی اب مایوس ہو چکے تھے، انھوں نے کریمن سے صاف صاف کہہ دیا تھا

"مریضہ کو دق بھی ہے اور سل بھی، اب تو دوا کے بجائے اس کے لئے دعا کرو!"

کریمن خود بھی ایک بوڑھی اور تجربہ کار عورت تھی، وہ حکیم صاحب سے پہلے اس نتیجہ پر پہنچ چکی تھی، دوا تو رسماً ہی کر رہی تھی، حقیقتاً اس کا بھی بھروسہ اب دعا ہی پر تھا، ادھر کئی روز سے شائستہ کے پاؤں اور گالوں پر ورم بھی آ چکا تھا، یہ ایک خراب علامت تھی، لیکن کریمن بے چاری کر کیا سکتی تھی!

شائستہ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، دونوں پاؤں اس نے پھیلا رکھے تھے اس نے کریمن سے کہا،

"بہت درد ہو رہا ہے ٹانگوں میں!"

کریمن نے کہا "میری بچی میں دبائے دیتی ہوں، کاش خدا تیری بیماری مجھے دیدے" یہ کہکر وہ پائینتی بیٹھ کر آہستہ آہستہ اس کے پاؤں دبانے لگی، شائستہ تکیہ پر گال ڈالے نڈھال پڑی تھی، اب اس میں کھانسنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی تھی، کبھی آنکھیں بند کر لیتی، کبھی کھول کر ادھر ادھر ٹکر ٹکر دیکھنے لگتی، پھر اس نے کمزور آواز میں کہا

"پیاس لگی ہے، کیا برف ہے؟"

کریمن آمادگی کے ساتھ بولی "ہے تو نہیں، ابھی لاتی ہوں!"

دولت پور سے رخسانہ اپنے گھر واپس پہنچی، انجم تیار ہو کر کہیں باہر جا رہا تھا لیکن رخسانہ کا حال زار دیکھ کر وہ حیران و ششدر رہ گیا۔ اس حالت میں اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا، ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں، آنکھیں روتے روتے سوج گئی تھیں، پھول سے تر و تازہ اور شاداب چہرہ پر پژمردگی، افسردگی اور غم و اندوہ کے ترو تازہ بادل چھائے ہوئے تھے، انجم گھبرا گیا، اس نے کہا،

رخسانہ یہ تم نے اپنا کیا حال بنا رکھا ہے ——؟

وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی،

"انجم آؤ، میرے ساتھ چلو، ابھی فوراً اسی وقت"

انجم کی حیرت اور بڑھ گئی، اس نے کہا،

"جہاں کہو چلتا ہوں، لیکن خدا کے لئے یہ تو بتاؤ کہاں چلنا ہے؟"

وہ بے حواسی کے ساتھ گویا ہوئی: "سیتا پور ——"

انجم کو اب رخسانہ کے ہوش و حواس کی سلامتی پر شبہ ہونے لگا،

"سیتا پور چل کر کیا کرو گی؟"

وہ روتی ہوئی بولی،

"وہاں شائستہ ہے، مجھے پتہ چل گیا، وہ وہیں ہے —— لیکن نہ جانے کس حال میں"

انجم کو سناٹا آ گیا،

"تمہیں شائستہ کا پتہ چل گیا؟ —— نہ جانے وہ کس حال میں ہے؟"

رخسانہ ایک آہ کے ساتھ بولی،

"ہاں، اس نے بڑی کڑیاں جھیلیں، مصیبتیں سہیں، بدنامیاں برداشت کیں، یہاں سے جا کر شاید وہ ایک دن بھی سکھ سے نہ رہ سکی، لیکن ہر جھوڑ سے وہ اس طرح صاف نکل آئی جیسے بھٹی سے سونا تپ کر نکلتا ہے"

انجم ایک معمول کی طرح رخسانہ کے الفاظ دوہرانے لگا۔

اس نے بڑی کڑیاں جھیلیں، مصیبتیں سہیں، بدنامیاں برداشت کیں، یہاں سے جا کر شاید وہ ایک دن بھی سکھ سے نہ رہ سکی، لیکن ہر جھوڑ سے وہ اس طرح صاف نکل آئی جیسے بھٹی سے سونا تپ کر نکلتا ہے۔

رخسانہ نے تقریباً چیختے ہوئے کہا،

"انجم تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم وقت ضائع کر رہے ہو، چلو ہم شائستہ کو اپنے ساتھ لائیں گے!"

رخسانہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھسیٹتے ہوئے کہا،

"ہاں —— باتیں کرنا ہیں تو راستہ میں کر لینا، اب دیر نہ کرو، آؤ!"

وہ انجم کو لے کر باہر پہنچی، کار انتظار میں کھڑی تھی، ڈرائیور دروازہ کھولے منتظر کھڑا تھا، کار کا انجن چل رہا تھا،

رخسانہ نے انجم کو دھکا دے کر کار میں بٹھایا، پھر خود بیٹھ گئی، ڈرائیور سے کہا،

"خطرہ کی کوئی پرواہ نہ کرو، جتنی زیادہ اسپیڈ سے چلا سکتے ہو چلاؤ —— سیتا پور!"

ناہید شائستہ کو اپنی کوٹھی میں لے آئی، شہر کے نامور تجربے اور نامور ڈاکٹر اور حکیم آن کی آن میں اس نے جمع کر لیے، لیکن سب کا متفقہ فیصلہ تفصیلی معائنہ کے بعد یہ ہوا کہ اب ذرا بھی گنجائش باقی نہیں، اب دنیا کی کوئی طاقت شائستہ کو نہیں بچا سکتی، چند گھنٹوں کے اندر زندگی اور موت کی کشمکش ختم ہو جائے گی، شائستہ دم توڑ دے گی!

اور شائستہ خود بھی اپنے انجام سے بے خبر نہ تھی، ناہید آنکھوں میں آنسو بھرے جب ڈاکٹروں کے پاس سے اس کے پاس آئی تو اس نے کہا

"آؤ ناہید میرے پاس بیٹھ جاؤ"

ناہید اس کے سرہانے بیٹھ گئی، شائستہ نے کہا، مجھے سہارا دے کر بٹھا دو

ناہید نے اسے سہارا دے کر بٹھا دیا، شائستہ کا سر ناہید کے سینہ سے لگا ہوا تھا، اس نے کمزور آواز میں کہا،

"ناہید اب میں مر رہی ہوں، اب میں چند لمحوں کی مہمان ہوں، مجھے مرنے دو! مجھے خوشی ہے کہ تمہاری گود میں دم توڑ رہی ہوں، مجھے خوشی ہے کہ بالآخر تم پر میری بے گناہی ثابت ہو گئی، مجھے خوشی ہے کہ جس راز کو میں نے راز رکھنا چاہا تھا، تم نے عہد کر لیا ہے کہ اسے راز ہی رکھو گی،

ناہید نے تسلی اور دل دہی کے لہجہ میں کہا،

"ہاں، میں اپنے عہد پر قائم رہوں گی!"

شائستہ کچھ سوچتی رہی، پھر اس نے رکتے رکتے کہا،

"آج میں تم پر ایک راز اور منکشف کرتی ہوں!"

ناہید نے سراپا اشتیاق بن کر اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،

"میں سن رہی ہوں، لیکن اگر تکان ہو رہی ہو تو پھر کسی وقت کہہ دینا"

شائستہ کو کھانسی کا ٹھسکا اٹھا، پھر اس نے خون آلود بلغم تھوکتے ہوئے کہا،

"پھر کون وقت آئے گا — یہی تو وقت ہے!"

ناہید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

"تو کہو — میں سن رہی ہوں!"

شائستہ نے کہا،

کوئی ایسی صورت بھی ہو سکتی ہے کہ انجم کو میں ایک نظر دیکھ لوں؟"

ناہید چکرا گئی

"انجم؟ — کون انجم؟ میں نے تو یہ نام آج سنا ہے، پتہ بتاؤ، وہ کہیں بھی ہو میں اسے ڈھونڈھ نکالوں گی اور لا کر رہوں گی!"

شائستہ نے بجھے ہوئے انداز میں کہا،

"نہیں رہنے دو، رخسانہ خفا ہو گی — اسے صدمہ پہنچے گا، وہ غلط فہمی کا شکار پھر ہو جائے گی، میں آخر وقت دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس کی اور انجم کی زندگی ختم کرنا نہیں چاہتی!"

پھر نڈھال ہو کر اس نے اپنا سر ناہید کے بازو پر ڈال دیا اور آنکھیں بند کر لیں، یکایک رخسانہ مجمع کو چیرتی، انجم کا ہاتھ پکڑے شائستی کے ساتھ اندر داخل ہوئی، شائستہ نے اسے پہچان لیا، جذبات سے بھرے انداز میں اس نے کہا

"رخسانہ!"

رخسانہ آکر اس سے لپٹ گئی،

"تم نے یہ کیا حال کر لیا ہے آپا؟ ہائے میں تمھیں کس حال میں دیکھ رہی ہوں؟ میں تمھیں لینے آئی ہوں، آپا تمھیں میرے ساتھ چلنا پڑے گا تمھارا گھر تمھیں یاد کر رہا ہے!"

شائستہ نے اس کا سر اپنے سینہ پر رکھ لیا، اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،

"پیاری رخسانہ تم کتنی اچھی ہو میں نے تمھارے بارے میں جو رائے قائم کی تھی، وہ کتنی بچی نکلی ـــــ لیکن اب میں گھر جا کر کیا کروں گی اب تو آخری منزل کی تیاریاں مکمل ہو چکیں!"

رخسانہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی،

خدا کے لئے ایسا نہ کہئے!"

یکایک شائستہ کی نظر انجم پر پڑی، وہ سکتہ کے عالم میں چپ چاپ کھڑا تھا، چہرہ ہر کیفیت سے عاری، شائستہ نے اسے دیکھا، اشارہ سے اپنے پاس بلایا، وہ بھی قریب ہی بیٹھ گیا،

"وہ بولی،

"انجم کیا تم مجھے معاف کر دو گے؟ میں نے جو کچھ کیا تھا تمھارے بھلے کے لئے کیا تھا، میرے طرز عمل سے تمھیں صدمہ پہنچا، میرے طرز عمل نے خود مجھے کہیں کا نہ رکھا، لیکن میں خوش ہوں کہ میں نے معصوم اور بے خطا اور تم سے محبت کرنے والی، تم پر جان چھڑکنے والی خوددار، لہ روا کا رخسانہ کا حق نہ چھینا! ـــــ انجم مجھے معاف کر دو،

انجم نے بے خودی کے عالم میں ایک نظر شائستہ پر ڈالی اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا،

"شائستہ میں اب بھی تم سے محبت کرتا ہوں ـــــ!"

شائستہ نے ہاتھ کے اشارہ سے اسے روکا اور بہت کمزور آواز میں اٹک اٹک کر کہا،

"انجم یوں نہ کہو ـــــ تم رخسانہ سے محبت کرتے ہو! ـــــ میں تم سے محبت کرتی ہوں، شروع سے آج تک، آج سے قیامت تک!"

پھر وہ کچھ نہ کہہ سکی، اس کا سر ڈھلک کر ناہید کی گود میں آ رہا ـــــ اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی، کرن بین کرنے لگی، ناہید رونے لگی، رخسانہ کی آنکھوں سے چونے اشک رواں ہو گئے، انجم بیہوش ہو کر گر پڑا،

ناہید کی شاندار کوٹھی پر موت کا سناٹا چھایا ہوا تھا!

ختم شد